امّ البنین سلام اللہ علیہا
والدہ گرامی حضرت ابوالفضل العباس ابن علی علیہ السلام
تالیف
علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُمُّ البنینؑ سا کوئی ہوگا نہ نیک نام
فرزند جس کے چار ہوئے فدیۂ امام
(انیسؔ)

زندگانی

حضرت اُمُّ البنین سلام اللہ علیہا

والدۂ گرامی

حضرت ابوالفضل العباس

ابن علی علیہ السلام

تالیف

علامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

نام کتاب	:	حضرت اُمُّ البنین سلام اللہ علیہا
تالیف	:	علّامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی
ناشر	:	مرکزِ علومِ اسلامیہ
		I-4 نعمان ٹیرس، فیز-III، گلشنِ اقبال بلاک-11، کراچی
		فون: 4612868
مطبع	:	سیّد غلام اکبر 0300-2201665
تعدادِ اشاعت	:	ایک ہزار
سالِ اشاعت	:	2007ء (دوسرا ایڈیشن)
قیمت	:	Rs. 300/=

کتاب ملنے کا پتہ

مرکزِ علومِ اسلامیہ

I-4 نعمان ٹیرس، فیز-III، گلشنِ اقبال بلاک-11، کراچی

فون: 4612868

حجتہ الاسلام روح الملّت مولانا سیّد علی ناصر سعید عبقاتی (مولانا آغا روحی لکھنؤ)

آغا روحی عبقاتی ..... مدظلہ

تمنائے مشکل کشا، انتخاب حضرت عقیلؑ، رتبہ شناسِ سیدۂ عالمیان سلام اللہ علیہا جناب اُمّ البنین علیہا وعلیٰ آلہا کی سوانح نگاری کا شرف خدائے بے ہمتا نے محترم ضمیر اختر صاحب کو عطا فرمایا۔

ضمیر صاحب کے لیے علامہ، محقق اور ڈاکٹر کے علاوہ بھی کئی آداب والقاب کا استعمال اس موقع پر نہ کرنا تحریر عمد ہے کیونکہ اس وقت وہ غلام ابن کنیز (یعنی غلامِ حضرتِ عباسؑ علمدار ابنِ حضرت اُمّ البنین) کے عظیم ترین منصب پر فائز ہیں جو قسّام قلم نے انھیں عطا فرما کر علم کے سائے میں اس تخلیق کے توسط سے جو طول عمر کا اعزاز بخشا ہے وہی سب سے بڑا اعزاز ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

آمین یارب العباسؑ

کفش بردار عزاداران شہدائے کربلا علیہم السلام

علی ناصر سعید عبقاتی (آغا روحی)

ربیع الاول ۱۴۲۶ھ غرہ خمسہ ۲۰۰۵ء یکشنبہ

وارد شہر ھمہ بلاد کراچی

عباس نقوی:

حضرت اُمّ البنینؑ پر پہلی کتاب

زیرِنظر کتاب حضرت اُمّ البنینؑ کی شخصیت پر علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب کی ایک گراں قدر تحقیق ہے، جسے ۲۳ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، جبکہ ۴۲۸ صفحات پر محیط موضوع میں علامہ صاحب نے والدۂ حضرت ابوالفضل العباسؑ حضرت اُمّ البنین علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شخصیت کے اہم ترین گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، جبکہ موضوع کی مزید وضاحت کے لئے علامہ صاحب نے ان تقاریر میں حضرت ابوالفضل العباسؑ کی ذاتِ والا صفات پر تاریخ کے گوشوں سے، عربی، فارسی و دیگر زبانوں میں موجود معلومات اکٹھا فرمائی ہیں۔

مَیں پورے یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ لاتعداد کتب و اخبار کے مطالعے کے باوجود مجھے نہ صرف حضرت اُمّ البنین بلکہ حضرت عباسؑ علمدار کی شخصیت پر مجموعی طور پر اس قدر علم حاصل نہ ہوسکا جتنا علامہ صاحب کی زیرِنظر تقاریر کے نتیجے میں چند روز... یعنی اس تحقیقی کتاب کے مطالعے کے دوران حاصل ہوا، حالانکہ ۵ یا ۷ روز کے مطالعے کا مطلب کسی بھی تحقیقی کاوش کی ضمن میں محض ظاہری اخذ و اکتساب قرار دیا جاسکتا ہے اصل و حقیقی فائدے کے لئے بار بار کے مطالعے سے ایسی گرانقدر تحقیقات نئے نکات و نئے جہات کی سیر کراتی ہیں۔

علامہ صاحب کی تقاریر اور تصانیف اس لحاظ سے دنیا بھر میں شہرت رکھتی ہیں کہ آپ زیرِنظر موضوع پر اس قدر مواد اکھٹا کر دیتے ہیں کہ آپ کے عہد کے ذاکرین،

مقررین، شعرا، ادبا، سامع و ناظر ان میں موجود اگر محض چند تحقیقی نکات Research Work بلکہ Research World سے استفادہ کرنا چاہیں تو لاتعداد مضامینِ نَو پیش کر سکتے ہیں...علامہ کمال حیدر، ڈاکٹر ماجد رضا عابدی، جناب ظلِ صادق صاحب ہوں یا مَن عباس نقوی...!علامہ صاحب کے لُٹائے ہوئے جواہر سے اخذ واکتساب کرتے ہوئے مختلف شعبوں میں اپنے مقام ومنزلت کے لئے کوشاں ہیں۔

لیکن یہ تو محض چند وہ حضرات ہیں جو علی الاعلان علامہ صاحب سے اکتساب کا دعویٰ رکھتے ہیں ... ان سے کئی گُنا زیادہ بڑی تعداد وہ ہے جو علامہ صاحب کے جواہرات سے لاتعداد جواہر چوری چُھپے استعمال بھی کر رہے ہیں اور اقرارِ طالبِ علمی بھی نہیں کرتے... بلکہ بعض تو ایسے ایسے نمک خوار بھی ہیں کہ جو تمام تر مالی و علمی استفادے کے باوجود علامہ صاحب ہی کے منکر دکھائی دیتے ہیں...خدا ایسوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جیسا عرض کیا گیا کہ علامہ صاحب کی تقاریر منفرد معلومات ودلچسپ واقعات کے ساتھ ساتھ لاتعداد فلسفیانہ نکات ونظریات کی حامل ہوتی ہیں، علامہ صاحب اپنی تقریر کے دوران اپنی برسوں کی تحقیق، مطالعے اور مشاہدے کے ماحصل نتائج کو ایک جملے میں اس قدر سلاست کے ساتھ سمیٹتے ہیں اور اتنی ہی سادگی کے ساتھ، بغیر کسی غرور وتکبر سامع کے حوالے فرماتے ہیں کہ عمومی ذہنی سطح کا حامل سامع وناظر ان کی خطابت سے نئی معلومات حاصل کرتا ہے تو نکتہ بیں احباب ان جملوں سے اپنے Phd کے مقالے کا انتخاب کرتے ہیں۔البتہ علامہ صاحب کے علم کدہ کے چند اصول ہیں۔

علامہ صاحب کی زیرِ سرپرستی کسی بھی موضوع پر مقالے کی تیاری کے دوران مَیں نے

مشاہدہ کیا کہ ان کی تنقید سخت ترین ہوتی ہے، یعنی یہ چھوٹے سے چھوٹے جھول کو بھی پسند نہیں کرتے، لیکن Projection بے انتہا دیتے ہیں۔

علامہ صاحب سے ہم گدایانِ علم نے یہی سیکھا کہ کسی بھی موضوع کو نہایت سجاوٹ کے ساتھ پیش کیا جائے، اپنے اِردگرد کے مشاہدہ اور مطالعے کو استعمال کیا جائے، اگر کسی کا ایک جملہ بھی کہیں سے اُٹھایا جائے تو اس کا حوالہ ضرور دیا جائے...اور بحث میں موضوع سے مربوط رہا جائے۔ زیرِ نظر مقالے میں علامہ صاحب ہی کے دیئے ہوئے علم اور بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہوئے موضوع کو تکمیل تک پہنچانا چاہوں گا۔

دوسرے پارے میں سورۃ بقرۃ کی ۱۵۵ویں آیت ہے جسے آیتِ ابتلا بھی کہا جاتا ہے، یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جو ہر مسلک و مذہب میں واقعہ کربلا کی طرف مربوط بتائی جاتی ہے...اللہ رب العزت فرماتا ہے...!

ولنبلونّکم بشیءً من الخوفِ والجوعِ و نقصٍ مّن الاموال والانفس والثمرٰت بشّر الصّٰبرین۔

اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے خوف وبھوک پیاس میں اور مالوں کے لُٹنے میں اور جانوں اور بچوں کے نقصانات میں اور (اَے رسولؐ) خوشخبری دے دو صابرین کو۔

اس آیت میں مفسرین کے مطابق اللہ نے پانچ مختلف امتحانوں کا اعلان کیا ہے اور پھر ان امتحانوں سے سرخرو گزرنے والوں کو خوشخبری بھی عطا فرمائی ہے۔ اس مقام پر ہمارے عمومی ذاکرین حضرات اس آیت کا اطلاق صرف کربلا میں موجود شخصیات تک ہی محدود رکھتے ہیں حالانکہ اگر بیرونِ کربلا بھی نگاہ رکھی جائے تو بعض محترم ہستیاں بشمول حضرت عبداللہؓ ابن جعفرِ طیارؓ، حضرت اُمّ البنین علیہ السلام اور شہزادی صغرا علیہ الصلوٰۃ

والسّلام جیسی شخصیات آیت میں بتائے گئے پانچ امتحانوں میں سے اکثریتی امتحانوں میں سرخرو ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ موضوع حضرت اُم البنینؑ سے متعلق ہے لہٰذا ان تک ہی بحث کو محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت اُمّ البنینؑ واقعہ کربلا کے حوالے سے ایک منفرد جہت کا شکار دکھائی دیتی ہیں، اور وہ ہے خوفِ انتظار...! آپؑ نے مال قربان کیا، حضرت عباسؑ سمیت چار بیٹوں کی قربانی پیش فرمائی، جبکہ امام حسینؑ سے آپ کو حضرت عباسؑ سے کہیں زیادہ محبت تھی۔ اس طرح صرف بھوک و پیاس کے امتحان کے علاوہ تمام امتحانات سے سرخرو گزریں، جبکہ آپؑ کے دو منفرد مصائب وہ ہیں کہ جیسا ذکر کیا گیا کیا یعنی ایک جانب حضرت زینبؑ واُمِ کلثوم کی طرح تمام تر مصائبِ کربلا سے باخبر تھیں اور ایسے میں امینِ رازِ کربلا ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری اور اس کے بعد ''غمِ فراق'' کے ساتھ ساتھ ''غمِ انتظار'' سے بھی صبر کے ساتھ گذریں۔

کہاوت مشہور ہے کہ... ''مر جانے والے پر صبر آجاتا ہے لیکن کھوئے ہوئے پر صبر نہیں آتا''. کیوں کہ ہر لحظہ، ہر لمحہ انتظار باقی رہتا ہے، کہاوت سے ہی ظاہر ہے کہ اس غمِ انتظار کی کیفیت عمومی غم کے مقابلے میں انفرادیت کی حامل ہے اور دوم سن رسیدگی میں اولاد کی شہادت کا سانحہ برداشت کیا...اور ساری عمر اسی غم میں گزار دی۔ ہم عموماً بعدِ کربلا یہ جملہ نہایت کثرت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ... چند بیبیوں نے تمام عمر غمِ کربلا میں گزار دی لیکن دراصل ہم اس مفہوم کو مشاہدے میں ہونے کے باوجود درست طور پر نہیں سمجھ پاتے۔

مَیں نے اتفاقاً یہ مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا... یعنی کسی سن رسیدہ ماں کا اولاد کے غم میں بقیہ زندگی گزار دینے کا مظاہرہ...اور یہ وہ منزل ہے کہ عرب میں عموماً کسی کو

نہایت برے وقت یا بری خبر و بدُعا دینی ہوتی تو کہا جاتا... تیری ماں تیرے غم میں روئے...!

اپنا مشاہدہ پیش کرتا ہو کہ میری نانی محترمہ تحسینہ خاتون جو ایک مومنہ تھیں، عابدہ و زاہدہ تھیں۔ ہر وقت یا نماز تھی یا ذکرِ حسینؑ تھا۔ان کی زندگی میں ہمارے ایک ماموں سید حسین نذر نقوی کا انتقال ہوا، جو نہایت مجلسی شخصیت اور عزادار تھے، انچولی سوسائٹی میں ۹محرم کے قدیمی جلوس کے بانی تھے، جس میں ایک سال کی مجلس علامہ صاحب نے بھی خطاب فرمائی۔مَیں نے دیکھا کہ ہماری نانی نے اپنی زندگی میں اُن کی وفات کا اس قدر اثر لیا کہ اس کے بعد جب تک زندہ رہیں آنکھیں متورم رہیں...، بات بات پر روتی تھیں... کہتیں خدا نے مجھے یہ دن کیوں دکھایا...!اس دن سے پہلے مَیں کیوں نہ مر گئی اور پھر عین ۱۱محرم کے روز ان کا انتقال ہوا۔یہ اور اس قسم کے مشاہدات ہم سب کی زندگیوں میں کارفرما رہتے ہیں بس احساس کی بات ہے۔البتہ واقعہ کربلا میں شریک شخصیتوں کا جو مقام و منزلت ہے اس منزلت کو چھوٹا کرنا مقصد نہیں ہے لیکن ضروری ہے کہ کربلا سے متعلق دیگر منفرد شخصیات کا بھی ذکر اسی جوش و جذبے کے ساتھ کیا جائے۔ علامہ صاحب کہ ان نکات پر نہایت غور و خوض اور تحقیق فرماتے ہیں لہٰذا ان کی تقاریر و کتابیات میں نہ صرف واقعہ کربلا میں موجود شخصیات بلکہ بیرونِ کربلا شخصیات کی زندگیوں پر بھی گراں قدر معلومات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

حضرت جعفر طیارؑ کی شخصیت پر تو اب سے بہت قبل علامہ صاحب کی گراں قدر تحقیق منظرِ عام پر آ چکی ہے۔شہزادی صغرا سلام اللہ علیہا پر یقیناً اگلے وقتوں میں انشاءاللہ کوئی بھی شاہکار منظرِ عام پر آجائے گا۔

زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں علامہ صاحب نے عورت کی عظمت سے موضوع کی ابتداً

فرمائی ہے اور پھر حضرت اُمّ البنین علیہ السلام کے خاندان، ولادت، شجرے، حضرت علی علیہ السلام کی دیگر ازواجِ مطہرہؑ سے موازنہ، شہزادی زہرؑا سے آپ کے اکتساب، تاریخی حیثیت، چاروں بیٹوں کی مختصر مگر جامع سوانح سمیت پوتوں کا ذکر شاملِ حال رکھا ہے اور بحث کے آخر میں حضرت اُمّ البنین علیہ السلام کی عزائی کیفیت بشمول عربی ادب و مراثی میں ان کے مرثیوں کے علاوہ میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، میر مونسؔ، جناب وحید الحسن ہاشمی، جناب مسعود رضا خاکی اور محترم ماجد رضا عابدی کے مرثیوں میں شہزادی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے۔

میرا اپنا تجزیہ ہے یا شائد جسارت کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ علامہ صاحب اس تصرفِ بے جا کو معاف فرمائیں گے کہ... علامہ صاحب یوں تو تمام انبیؑا و ائمہ علیہم السلام کی تعلیمات سے استفادہ رکھتے ہیں لیکن لاشعوری طور پر امام جعفرِ صادق علیہ السلام سے بہت زیادہ اکتساب کرتے ہیں اور نہ صرف علم بلکہ ان کے اصولوں پر بھی مکمل یقین رکھتے ہوئے، نہ صرف ایک علم بلکہ کئی علوم ...اور نہ صرف ایک شعبہ بلکہ لاتعداد شعبوں پر اپنے علم کدہ کو وسعت دیتے جا رہے ہیں اور اپنے علم، مشاہدے اور تجربے کی بدولت گزشتہ چودہ سو سال سے لکھے اور بولے جانے والے موضوعات پر جب قلم اٹھائیں یا گویا ہوں تو... ہمیشہ لاتعداد ان کہی... بے سُنی۔ مگر انتہائی مستند روایات کو زندہ رکھنے کا علم آفریں فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ علاّمہ صاحب کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین یا رب العالمین

علّامہ ضمیراختر نقوی کی دیگر تصنیفات

اپنے بزرگوں، اپنے ماں باپ، اپنے اجداد کا نام زندہ رکھنے کے لیے ان کتابوں کی اشاعت میں مالی امداد کیجیے

.....تالیف.....

(علّامہ) سیّد ضمیر اختر نقوی

انتساب

ساداتِ گردیزی کی عظمتوں کے نام

جنابِ مخدوم سیّد محمد راجو شاہ گردیزی مدظلہٗ العالی

سجادہ نشین

حضرت شاہ یوسف گردیز رضوان مآب (ملتان)

جناب سیّد خورشید عباس گردیزی	جناب سیّد مصطفےٰ گردیزی
جناب سید ناصر زمان گردیزی	جناب سید جمیل عباس گردیزی
جناب سیّد سلطان گردیزی	جناب سیّد ہاشم رضا گردیزی
جناب سیّد زاہد گردیزی	جناب سیّد زمرّد گردیزی
جناب سیّد خضر گردیزی	جناب سیّد جاوید حیدر گردیزی
جناب سیّد آفتاب حیدر گردیزی	جناب سیّد حسین گردیزی
جناب سیّد حسنین گردیزی	جناب سیّد عمران حیدر گردیزی
جناب ڈاکٹر علی اصغر گردیزی	جناب سیّد روشن گردیزی
جناب سیّد قاسم گردیزی	جناب سیّد مجاہد رضا گردیزی

علاّمہ سیّد ضمیر اختر نقوی:

پیش لفظ

حضرت اُمّ البنینؑ صلواۃ اللہ علیہا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی رفیقۂ زندگی، حضرت عباس علمدار جیسے عظیم فرزند کی والدۂ گرامی ہیں، حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ بنتِ اسدؑ کی بہو بن کر اس عظیم گھرانے میں آئیں جہاں شہزادیٔ کونین حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کی ثانوی حیثیت پائی، اس کے علاوہ ایک یہ بھی فخر حاصل ہے کہ سردار جوانانِ جنت امام حسنؑ اور امام حسینؑ وحضرت زینبؑ وحضرت اُمّ کلثوم کے دہنِ مبارک سے آپ ماں کہہ کر پکاری گئیں۔

حضرت اُم البنینؑ کے حالاتِ زندگی کتابوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بے مثال زندگی پر کوئی کتاب نہیں لکھی جا سکی، عربی میں دو تین مختصر کتابچے چھپے ہیں لیکن وہ ناکافی ہیں۔ ہم نے پہلی مرتبہ کوشش کی ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک تفصیلی خاکہ پیش کریں۔

حضرت اُمّ البنینؑ کا نام فاطمہ وحیدیہ کلابیہ تھا، آپ کے والد حزام اشرافِ عرب میں عمدہ ترین انسان تھے، ان کی شخصیت کے جوہر اُن کی شہامت اور شجاعت تھی، آپ بہت مہمان نواز تھے، آپ عرب میں نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور عقل مندی، زیرکی، بہادری ودلیری، شجاعت اور خوبصورتی آپ کی پہچان تھی، آپ

صحابیٔ رسولؐ بھی ہیں اور صحابیٔ امیر المومنین علیہ السلام بھی ہیں۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی والدہ ثمامہ خاتون بنتِ سہیل بن عامر تھیں۔ ثمامہ خاتون کو صحابیاتِ رسولؐ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا شمار عرب کی صاحبِ دانش خواتین میں ہوتا تھا۔ آپ ادیبہ بھی تھیں اور راریہ بھی، زیرک و دانا خاتون تھیں۔ اُمّ البنینؑ کو آدابِ دین و شریعت آپ نے ہی تعلیم کئے تھے اور تربیت دی تھی، اس کے علاوہ ثمامہ خاتون نے اپنی بیٹی کو تمام اخلاقِ پسندیدہ اور آدابِ حمیدہ بھی تعلیم کئے تھے۔ حضرت اُم البنینؑ کی نانی کے بھائی عامر بن طفیل تھے جو گھمسان کی لڑائیوں میں عرب کے بہادر شہسواروں میں نظر آتے تھے، آپ کا نام سُن کر عرب اور غیر عرب تھرّاتے تھے۔

علاّمہ شیخ نعمت الساعدی نے حضرت اُمّ البنینؑ کے القابات میں آپ کا ایک لقب ''باب الحوائج'' بھی لکھا ہے۔ حضرت عباس علمدار بھی ''باب الحوائج'' ہیں۔ اس طرح ماں اور بیٹے دونوں حاجتوں کو روا کرنے والے ہیں۔ حضرت اُم البنینؑ سے مومنین کو توسّل کرنا چاہیئے اور کسی بھی مشکل گھڑی پر یہ کہنا چاہیئے کہ ''اے اُمّ البنینؑ'' اپنی کرامت دکھایئے''۔ مومنین میں آپ کے نام پر دسترخوان اور لوگوں کو کھانا کھلانے کا رواج ہے اور یہ یقیناً مقبول عمل ہے جو آلِ محمدؐ کے سرور کا سبب ہے۔ آپ کے دسترخوان پر مراد آتی ہے اور منّت پوری ہوتی ہے اور خصوصیت سے مرض میں شفا اور بے اولاد کے لیے اولاد، رزق کا عطیہ آپ کی عنایات خاصہ میں سے ہے۔ یہ باتیں علاّمہ رضا عبدالامیر انصاری اور علامہ شیخ نعمت الساعدی نے اپنی کتابوں میں خصوصیت سے لکھی ہیں۔

ہماری جو کتابیں شائع ہورہی ہیں۔ اُن میں ہماری کوشش یہ ہے کہ آئمہ معصومینؑ

اور اُن کے عظیم خاندان اُن کے فرزندوں کے بارے میں بدعقیدہ دشمنانِ اہلِ بیتؑ نے جو باتیں جھوٹی لکھی ہیں جس سے اُن کی شان و وقار کو سُبک کیا جا سکے ہم اُن جھوٹی روایات کی قلعی کھول دیں گے اور آلِ محمد کا دفاع ایک وکیل کی طرح کریں گے ہم نے یہ بات اپنے ایک نوتصنیف مرثیے میں بھی کہی ہے:-

بہتا ہے اشاروں پہ مرے علم کا دھارا   ہر جھوٹی روایت کو میں کرتا ہوں دو پارا
مُنکر کی فنا ہے مرے ابرو کا اشارا   معصوم کی عظمت میں کمی کب ہے گوارا

خطبات کو دھارے مرے لہجے سے ملے ہیں
کیا کیا سرِ گلزارِ ادب پھول کھلے ہیں

میں وہ ہوں ملا جس کو ہنر عشقِ علیؑ سے   کانٹوں کو بنایا گُلِ تر عشقِ علیؑ سے
اُبھرا ہے یہ الفت کا شجر عشقِ علیؑ سے   مربوط جو ہے قلب و نظر عشقِ علیؑ سے

محشر میں بھی بخشش کا سبب عشقِ علیؑ ہے
فردوس نہیں میری طلب عشقِ علیؑ ہے

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کی اولادِ پاک کا دفاع میں تحریر و تقریر میں دمِ آخر تک کرتا رہوں گا یہ منصب مجھے کربلائے مُعلّیٰ میں خواب میں آکر مولائے کائنات علی مرتضیٰ علیہ السلام نے خود عطا کیا ہے۔

میرا عقیدہ ہے کہ کسی امام کے فرزند سے بھی کوئی خطا نہیں ہوئی۔ حضرت زید شہید جو امام بیکس و مظلوم قیدیٔ شام و کوفہ حضرت امام زین العابدین کے عظیم فرزند ہیں اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا میں نے اپنی دس تقریروں میں اس کے جوابات دیئے ہیں اور اُن پر میری ایک کتاب بھی عنقریب شائع ہوگی۔

اِسی طرح حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے عظیم و پاکیزہ فرزند حضرت جعفر الذّکی

ہیں جن کو دشمنانِ اہلِ بیتؑ ''تو ّاب'' کہتے ہیں۔ جب انھوں نے کوئی خطا کی ہی نہیں تو توبہ کیسی.....؟ وہ تو ''مرتضیٰ'' یعنی برگزیدہ تھے آیت اللہ آقائے مرعشی اُنھیں ہمیشہ جعفر مرتضیٰ کے لقب سے اپنے فتوے میں یاد فرمایا کرتے تھے۔

کراچی اور لاہور میں بد عقیدہ مولویوں نے دین وشریعت کو تباہ کرنے کے لیے مسلسل کتابچے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔

ابھی حال میں الحرمین پبلیشرز پاکستان کراچی سے ایک ۴۸ صفحات کا کتابچہ شائع ہوا ہے جس کا نام ہے۔

''چالیس احادیث نماز جمعہ و جماعت کے بارے میں''

کسی ذوالفقار علی زیدی کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی ہے (اطلاع ملی ہے کہ بھکّر گوٹ کا کتب فروش ہے)۔ اس کتابچے میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور اُن کے عظیم صادق وزاہد وعابد فرزند حضرت جعفر کے بارے میں جو الفاظ لکھے ہیں وہ آپ بھی ملاحظہ کیجیے:-

> ''میں حیران رہ گیا کہ کیا کوئی جعفری بھی اس کتاب کو چھاپ سکتا ہے؟.....مگر اچانک مجھے یہ بھی یاد آیا کہ شیعوں کی تاریخ میں ایک جعفر کذّاب بھی تو تھا اس کا سلسلہ بھی آگے چلا ہوگا''

اس بے ادب شخص کو یہ تک نہیں معلوم کہ جعفر ابن امام علی نقی علیہ السلام کی نسل میں تمام نقوی سادات ہیں۔ انھیں جعفر کی اولاد میں حضرت غفرانمآب رحمت اللہ علیہ بھی تھے جو نمازِ جمعہ کے لکھنؤ میں بانی ہیں۔ اُنھیں جعفر کی اولاد میں مولانا سید علی حیدر کھجوے والے بھی ہیں۔ بڑے بڑے عظیم علماٗ کے جدِّ اعلیٰ کو ''کذاب'' یعنی جھوٹا لکھنے والا بھی کیا سچا ہوسکتا ہے اور اس کی کتاب کو قابلِ اعتبار سمجھا جاسکتا ہے۔

ذوالفقار علی زیدی نے اِسی کتابچے میں لکھنؤ کے علمائے کرام کے بارے میں صفحہ ۱۷ پر ہرزہ سرائی کی ہے۔ حضرت غفرانمآب اور آصف الدولہ کو ذوالفقار علی زیدی نے کاذب لکھا ہے۔

ذوالفقار علی زیدی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت نواب آصف الدولہ رحمت اللہ علیہ نے دنیا میں سب سے پہلی شیعوں کی نمازِ جمعہ کی بنیاد رکھی اور حضرت غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حکم سے یہ نماز پڑھائی تھی۔ نمازِ جمعہ لکھنؤ کی ایجاد ہے اس لیے اس کو ہم کبھی بند نہیں ہونے دیں گے۔

ذوالفقار علی زیدی جو کہ کسی مقامی مسجد میں نماز جمعہ بھی پڑھاتا ہے اور کتاب کی دوکان بھی لگاتا ہے اُس کو نواب آصف الدولہ کا احسان مند ہونا چاہیئے کہ اُن کی وجہ سے آج روزی سے لگا ہوا ہے۔ ہندوستان میں شیعہ پہلے سُنّی نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے۔ نواب آصف الدولہ نے دنیا کی پہلی شیعہ جامع مسجد تیار کروائی اور حکومت کی طرف سے پہلی نمازِ جمعہ کروائی تھی۔ دشمنانِ اہلِ بیتؑ کی زبان شیعوں کو نہیں بولنا چاہیئے۔ اپنا دین اپنے ہاتھوں سے تباہ نہ کرو۔ آخرت میں حساب دینا ہوگا۔ جھوٹ نہ بولو، سچ پر عمل کرو، امام زادوں کی شان میں گستاخی کبھی راس نہیں آئے گی۔

حضرت جعفر الذّکی وہ ہستی ہیں جنھوں نے حضرت امام عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت حجّت علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ تفصیلات میری کتاب "سوانحِ جعفر الذّکی میں ملاحظہ کیجیے۔

ایران کے دورِ حاضر کے جیّد عالم اور اعلم الانساب حضرت آیت اللہ شہاب الدین مرعشی نجفی رضوان اللہ حضرت جعفر الذّکی سے منسوب من گڑھت روایت کو غلط قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں تفرقہ واختلاف پیدا کرنے کی خاطر دشمنانِ آلِ محمدؐ نے یہ

روایت پھیلائی ہے۔ آقائے آیت اللہ مرعشیؒ کی تحریر کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:-

''سیّد جعفر الذّکی سیّد جلیل نے کبھی بھی دعویٰ امامت نہیں کیا تھا اور کچھ دشمنانِ آلِ رسولؐ نے تفرقہ واختلاف کی غرض سے ضعیف الاعتقاد شیعوں میں یہ افواہیں پھیلا دی تھیں اور ناحیہ مقدسہ سے صادر ہونے والی توقیعات میں سے ایک توقیع میں خود حضرت ولی عصر علیہ السلام فرماتے ہیں، میرے چچا جعفر کے بارے میں اپنی زبانوں کو لگام دو کہ رعایا کو حق نہیں ہے کہ وہ معصومینؑ کے فرزندوں کے سلسلے میں جسارت کرے کیوں کہ رسولؐ اللہ اپنی اولاد کے سلسلے میں اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان ان کی اولاد کی توہین کرے کیونکہ اُن کی اولاد کی توہین خود ان حضرات کی توہین ہے جس کی وہ اولاد ہیں''

ذوالفقار علی زیدی کو شرم آنی چاہیئے امام زمانہؑ کا یہ ارشاد پڑھ کر، میری اس تحریر کے بعد اُسے دعائے توبہ پڑھ کر استغفار کرنا چاہیئے کہ بغیر تصدیق کوئی روایت نہیں لکھے گا اور قرآن کی اس آیت پر ہمیشہ عمل کرے گا:-

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوٓا اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِينَ۝ (سورہ ۴۹ سورۂ حجرات آیت ۶)

ترجمہ:- ''ایمان والو اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ اور اس کے

بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے‘‘

ہم پاکستان و ہندوستان کے تمام علما اور خطیبوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ کسی بھی خبر کو سننے کے بعد کہ فلاں خطیب نے مجلس میں یہ پڑھا‘‘۔ پہلے راوی کی تصدیق کریں کہ وہ فاسق تو نہیں ہے۔فاسق کی خبر جھوٹی ہوتی ہے۔

اگر ہماری اس تنبیہ کے بعد آپ نے عمل نہ کیا تو ہمیشہ آپ بارگاہ معصومینؑ میں تو شرمندہ رہیں گے اور مومنین کے سامنے بھی شرمندگی اُٹھاتے رہیں گے۔کتاب پڑھئے اور ثواب میں داخل ہو جائیے۔بقیہ آئندہ کی کتاب میں پڑھیے۔

(علاّمہ) سیّد ضمیر اختر نقوی

علّامہ ضمیر اختر نقوی کی دیگر تصنیفات

اپنے بزرگوں، اپنے ماں باپ، اپنے اجداد کا نام زندہ رکھنے کے لیے ان کتابوں کی اشاعت میں مالی امداد کیجیے

فہرستِ مضامین

باب……۴

باب……۵

باب……۶

باب ۷

باب ۸

باب ۹..... حضرت اُم البنینؑ بحیثیت ماں

باب ۱۰

باب ۱۱

حضرت اُمّ البنینؑ کے چار شجاع بیٹے ۱۹۸

باب ۱۵

باب ۱۶

باب ۲۲

باب ۲۳

باب ۲۴

اردو مرثیہ اور حضرت اُمّ البنینؑ

معراجِ خطابت

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

کی شاہکار مجالس کے مجموعے

معراجِ خطابت	جلد اوّل	عشرہ بعنوان	قرآن اور عظمت فاطمہ زہرا ؑ
//	جلد دوم	//	حضرت علی ؑ اور تاریخِ اسلام
//	جلد سوم	//	ولایتِ علی ؑ
//	جلد چہارم	//	محسنینِ اسلام
//	جلد پنجم	//	قرآن اور فلسفۂ قسم
//	جلد ششم	//	عظمتِ صحابہ
//	جلد ہفتم	//	امامت اور اُمت
//	جلد ہشتم	//	کارنامۂ مختار
//	جلد نہم	//	احسان اور ایمان
//	جلد دہم	//	ظہورِ امام مہدی ؑ

ملنے کا پتہ

مرکزِ علومِ اسلامیہ کراچی

باب ۞......۱

عورت کی عظمت

قرآن و محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں

رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ''علم حاصل کرو ماں کی گود سے قبر تک''۔ یعنی عرب کے غیر تہذیب یافتہ معاشرے میں صرف بنی ہاشم علم و ادراک کی ان اعلیٰ منزلوں پر فائز تھے کہ جہاں یہ شعور موجود ہو کہ ماں کی آغوش بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ حدیث عورت کے صاحبِ علم اور صاحبِ نظر ہونے کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

قرآن نے بھی عورت کی اہمیت اور اس کے معاشرے میں کارگر ہونے کو ضروری جانا ہے۔ یعنی تقویٰ اور حسنِ عمل کی منزل میں جہاں کالے، گورے، جوان، بوڑھے برابر ہیں وہیں اللہ نے عورت اور مرد کا ذکر بھی برابری کے درجے پر کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب میں ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ
وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓئِمِینَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِینَ فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِینَ اللّٰهَ کَثِیراً وَالذّٰکِرَاتِ اَعَدَّاللّٰهُ لَهُم مَغْفِرَةً وَاجْراً عَظِیما۔(سورۂ احزاب ۳۵)

ترجمہ:- بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا کہ عزت وذلت اور سربلندی ونگوں بختی کا معیار صلاح وتقویٰ اور سیرت واخلاق ہے جو اس کسوٹی پر جتنا کھرا ثابت ہوگا اتنا ہی خدا کی نگاہ میں قابلِ قدر اور مستحقِ اکرام ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صٰلِحاً مِن ذَکَرٍ اَو اُنثٰی وَهُوَ مُؤمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیوٰةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَاکَانُوا یَعْمَلُونَ (النحل ۹۷)

ترجمہ:- جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انھیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے

رہے تھے۔

قرآن نے تربیت کے معیارات بتائے ہیں اور چونکہ قرآن انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل ہوا اس لیے اللہ نے اپنے محبوب کو بشکلِ انسان قرآن کی تشریح کرنے کے لیے بھیجا کہ ہمارا نبیؐ آیتیں پڑھے گا اور اپنے عمل سے اس کی تشریح و تفسیر بھی کرے گا۔ اس لیے نبیؐ نے اپنے گھر میں ہی معاشرے کے سدھار کے لیے سیرتیں ترتیب دیں اور بتایا کہ اگر تم اچھی اولاد بننا چاہتے ہو تو حسنینؑ کو دیکھو اور اگر تم اچھے باپ بننا چاہتے ہو تو مجھے دیکھو، اگر تم اچھے شوہر بننا چاہتے ہو تو علیؑ کو دیکھو اگر تم میں سے کوئی عورت اچھی زوجہ، اچھی بیٹی اور اچھی ماں بننا چاہتی ہے تو میری بیٹی فاطمہؑ کی سیرت پر عمل کرے۔ ایک اور معیار بھی حضرت علیؑ نے عام انسانوں کے لیے قائم کر کے بتا دیا۔ کیا علیؑ خود نہیں جانتے تھے کہ عرب میں سب سے بہادر، شجاع قبیلہ کون سا ہے؟

لیکن علیؑ کا اپنے بھائی عقیلؑ کو مخاطب کرنا اور یہ کہنا کہ بھائی میں چاہتا ہوں کہ عرب کے کسی شجاع ترین قبیلے کی خاتون سے شادی کروں تا کہ وہ فرزند پیدا ہو جو کربلا میں حسینؑ کے کام آئے، علیؑ کا جملہ دراصل عام انسانوں کے لیے پیغام ہے کہ ہمیشہ اپنے گھر میں ایسی خاتون بیاہ کے لانا جو تمھارے بچوں کی پرورش ولایت علیؑ اور غمِ حسینؑ پر کرے۔ جب علیؑ جیسا امام اس بات کا اہتمام کر رہا ہے تو ہمارے لیے تو اس سیرت پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اس لیے قرآن نے جا بجا اچھی عورتوں کی سیرت کا ذکر کیا اور ذکر کر کے بتایا کہ کائنات کی عورتیں ان اچھی عورتوں کی سیرت کو اپنائیں۔

وہ گیارہ عورتیں جن کا ذکر قرآن میں ہے:

پہلی عورت حواؑ ہیں جو تمام مردوں کی ماں ہیں سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا"آدم اسکن انت و زوجك الجنة ۔اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہائش اختیار کرو"۔

دوسری سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورہ ذاریات میں فرماتا ہے۔

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۲۹

قَالُواْ كَذَالِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۳۰

یہ سن کر ان کی زوجہ شور مچاتی ہوئی آئیں اور انھوں نے منہ پیٹ لیا کہ میں بڑھیا بانجھ (یہ کیا بات ہے)۔۲۹

ان لوگوں نے کہا یہ ایسا ہی ہوگا یہ تمھارے پروردگار کا ارشاد ہے۔وہ بڑی حکمت والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔۳۰

"فرشتوں نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ کی بشارت دی۔سارہ زوجہ ابراہیمؑ چہرے پر تعجب سے طمانچے مارنے لگیں کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اولاد کیونکر پیدا کروں گی"۔فرشتوں نے کہا"ایسا ہی ہوگا یہ تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے۔وہ حکیم و علیم ہے"۔

حسبِ وعدۂ الٰہی اگلے سال معینہ وقت پر جناب سارہؑ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی،اُن کا نام اسحاقؑ رکھا گیا۔

تیسری اِیشبع زوجۂ ذکریا علیہ السلام ہیں۔خداوند عالم فرماتا ہے۔

كهيعص ذِكْرُ رَحْمتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّآ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيّاً قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيّاً وَإِنِّي خِفْتُ

الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَآءِ ی وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِراً فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًا (سورۂ مریم)

ترجمہ:- کہیعص یہ زکریا کے ساتھ تمھارے پروردگار کی مہربانی کا ذکر ہے۔ جب انھوں نے اپنے پروردگار کو دھیمی آواز سے پکارا۔ کہا کہ پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی آگ سے بھڑک اٹھا ہے اور میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا ہوں۔ اور مجھے اپنے بعد اپنے خاندان والوں سے خطرہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو اب مجھے ایک ایسا ولی اور وارث عطا فرمادے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور پروردگار اسے اپنا پسندیدہ بھی قرار دے۔

زوجۂ ذکریؑا ایشبع اور جناب ذکریؑا کافی بوڑھے ہوچکے تھے جب حضرت جبرئیلؑ آئے اور انھوں نے اعلان کیا کہ اللہ نے تمہاری عبادت اور دعاؤں کے صلے میں تمہیں ایک بیٹا دینے کا فیصلہ کیا ہے جس کا نام یحییٰؑ ہوگا۔

چوتھی بلقیس زوجہ سلیمان ہیں سورۂ نحل میں خدا فرماتا ہے۔

إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ۔ (سورۂ نمل آیت ۲۳)

ترجمہ:- ہدہد نے کہا میں نے ایک عورت کو ان لوگوں کی مالکہ دیکھا جس کو ہر چیز میسر ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

پانچویں رحمہ بنت مزاحم بن یوسف بن یعقوب زوجہ ایوب خداوند تعالیٰ سورہ ص

میں فرماتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ أَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَ ذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (سورۂ ص آیت ۴۳)

ترجمہ :- ہم نے اس کی اہلیہ اوراس کے ساتھیوں کو بخشش عطاء کی اور یہ صاحبان عقل کے لیے نصیحت ہے۔

چھٹی، صفوراء، زوجۂ موسیٰ بن عمران ہیں۔ سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَالَ اِنِّي اُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ أَتْمَمْتَ عَشْراً فَمِنْ عِندِكَ۔ (سورۂ القصص آیت ۲۶)

(حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا) میں چاہتا ہوں کہ تم سے اپنی ایک بیٹی کا عقد کر دوں تاکہ میرے پاس آٹھ سال رہو اگر دس سال رہو گے تو یہ تمہاری مرضی پر موقوف ہوگا۔

ساتویں زلیخا زوجۂ یوسفؑ خداوند تعالیٰ سورہ یوسف میں فرماتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِى اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِى مَثْوَهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَآ اَوْنَتَّخِذَهُ وَلَداً (سورۂ یوسف آیت ۲۱)

ترجمہ :- جس شخص نے مصر میں اپنی عورت کے لیے یوسف کو خریدا۔ کہا اس کی اچھی دیکھ بھال کرو ممکن ہے یہ ہمیں فائدہ دے اور ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں۔

اللہ تعالیٰ زلیخا کی زبانی حکایت نقل کرتا ہے۔ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَفْسِهِ (سورۂ یوسف آیت ۵۱) اب مجھ پر حق واضح ہوا۔

بحارالانوار جلد ۵ بحوالہ علل الشرائع امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔ نوکروں نے کہا ہمیں ڈر لگتا ہے کہ تمہیں یوسف کے پاس لے جائیں زلیخا نے کہا مجھے اس شخص سے کوئی ڈر نہیں لگتا جو خدا سے ڈرتا ہے زلیخا یوسف کے پاس حاضر ہوئی۔

یوسفؑ:- تیرا رنگ کیوں بگڑ گیا ہے؟

زلیخا:- **الحمد اللّٰہ الذی جعل الملوك بمعصیتهم عبیداً وجعل العبید بطاعتهم ملوكا۔** خدا کا شکر ہے جس نے گناہوں کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام اور اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنادیا۔

یوسفؑ:- تم اس قدر فریفتہ کیوں ہوگئی تھیں؟

زلیخا:- **حسن وجهك** آپ کے خوبصورت چہرہ کی وجہ سے۔

یوسفؑ:- حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوتی اگر تم پیغمبر آخر زمان کو دیکھتیں جس کا نام محمدؐ ہے۔ آپؐ مجھ سے زیادہ خوبصورت زیادہ با اخلاق، زیادہ نیک اور زیادہ سخی ہیں؟

زلیخا:- آپ نے سچ فرمایا۔

یوسفؑ:- اس کا کیا ثبوت ہے کہ میں نے سچ کہا ہے؟

زلیخا:- جب آپ نے محمدؐ کا نام لیا ہے اس وقت آپؐ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے'' خدا نے یوسف کو وحی کی زلیخا سچ کہتی ہے چونکہ زلیخا محمدؐ کو دوست رکھتی ہے میں زلیخا کو دوست رکھتا ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ زلیخا سے شادی کرلو۔

آٹھویں آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورۂ قصص میں فرماتا ہے۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَاتَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَآ أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَداً وهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔

(سورۂ القصص آیت ۹)

ترجمہ :- فرعون کی عورت نے کہا موسیٰؑ کو قتل نہ کرو یہ میرے اور تمہارے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں گے یا اس کو اپنا فرزند بنالیں گے اور وہ موسیٰؑ کو نہیں جانتے تھے۔

سورۂ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ امَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندكَ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَ نَجِّنِى مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (سورۂ تحریم آیت ۱۱)

ترجمہ :- خدا نے ایمان والوں سے فرعون کی عورت کی مثال بیان کی جس نے کہا پالنے والے میرے لیے جنت میں گھر بنا مجھے فرعون اور اس کے افعال سے نجات دے اور ظالم قوم سے نجات دے"۔

خصال میں رسولؐ اللہ سے روایت درج ہے آپ نے فرمایا۔ تین اشخاص نے ایک لمحہ بھی کفر نہیں کیا۔ مومن ال یٰسین۔ علیؑ بن ابی طالب۔ آسیہ زوجہ فرعون۔

بحار جلد ۱۰ میں ابن بابویہ قمی رسولؐ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا چار عورتوں کی بہشت مشتاق ہے جناب مریمؑ بنت عمران۔ جناب آسیہ زوجۂ فرعون۔ خدیجہ بنت خویلد اور حضرت فاطمہؑ بنت محمدؐ۔

نویں :- مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰؑ خداوند عالم نے آپ کا قرآن میں چند مقامات پر ذکر کیا ہے واضح طور پر جہاں آپ کی مدح کی گئی ہے وہ سورہ آل عمران

کی آیات ہیں۔

وَاِذْقَالَتِ الْمَلَائِکَةُ یَا مَرْیَمُ اِنَّ اُللّٰه اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَا صْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَآءِ اُلْعالِمِینَ یَا مَرْیَمُ اُقْنُتِی لِرَبّكِ وَاسْجُدِی وَارْكَعِی مَعَ الرَّاكِعِینَ ۔(سورۂ آلِ عمران۔آیت ۴۳)

فرشتوں نے مریمؑ سے کہا خدا نے آپ کو برگزیدہ کیا اور پاک کیا۔ کائنات کی عورتوں سے برگزیدہ کیا اے مریمؑ اپنے رب کے لیے سجدہ کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

قرآن مجید میں صراحتاً مریم کے بعد کسی اور عورت کا نام نہیں لیا گیا۔

بحار میں طبرسی سے روایت درج ہے کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا۔ **اصطفاك** کے معنی اولاد انبیاء سے برگزیدہ کرنا **طهرك** پاک رکھنا۔ **واصطفاك** بغیر شوہر کے عیسیٰؑ کو پیدا کرنا۔

دسویں:- خدیجہؑ بنت خویلد زوجہ خاتم النبییّن ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ ضحیٰ میں فرمایا ہے۔ **ووجدك عائلاً فاغنیٰ** تمہیں فقیر پایا غنی کر دیا۔ معانی الاخبار میں ابن عباس سے وجدک عائلاً کی تفسیر یوں ہے تم اپنی قوم کے نزدیک فقیر تھے تمہارے پاس کوئی مال نہیں تھا خدا نے آپ کو خدیجہ کے مال سے تونگر بنا دیا۔ آپ وہ مخدومہ ہیں جو سب سے پہلے رسولؐ اللہ پر ایمان لائیں"۔

امالی طوسی میں آنحضرتؐ سے روایت ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؑ اور عورتوں میں خدیجہؑ آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔

علاّمہ مجلسی "بحار الانوار" میں لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب شب معراج میں آسمان سے زمین کی

طرف آنے لگا تو جبرائیلؑ سے پوچھا تجھے زمین پر کوئی کام ہے کہا خداوند تعالیٰ کا اور میرا خدیجہؑ کو سلام پہنچا دینا۔

گیارھویں:- حضرت فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ ہیں چند مقامات پر خداوند عالم نے آپ کی مدح فرمائی ہے۔ سورۂ رحمان، سورۂ قدر، سورۂ کوثر اور سورۂ ھل اتی میں آپ کی تعریف ہے۔

بحار جلد ۱۰ میں مناقب سے منقول ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے لوگوں نے سوال کیا کہ سورہ ھل اتی میں بہشت کی تمام نعمتوں کا ذکر ہے مگر حوروں کا ذکر نہیں ہے فرمایا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا کے اجلال اور بزرگی کی خاطر۔ سورہ لیلۃ القدر کی تفسیر بھی آپ کی شان میں ہے چنانچہ بحار جلد ۱۰ تفسیر فرات بن ابراہیم (اس تفسیر کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے) سے روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا **انا انزلناه فی لیلة القدر** ۔لیل (رات) سے مراد فاطمہؑ۔ القدر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے **فمن عرف فاطمة حق معرفتها فقد ادرك ليلة القدر** جس نے فاطمہؑ کو پہچان لیا اس نے شب قدر کو پالیا۔ شاید اس روایت سے یہ مطلب اخذ ہو کہ فاطمہؑ شب قدر کی مانند ہیں۔" جس طرح کسی شخص کو معلوم نہیں کہ شب قدر کی رات کون سی ہے اسی طرح فاطمہ کی جلالت القدر کو کوئی شخص کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتا۔ شب مبارکہ کی تفسیر بھی سیدہ کونین سلام اللہ علیہا ہیں۔

بحار الانوار کی گیارہویں جلد میں تحریر ہے کہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ بن جعفر سے سوال کیا کہ **حم والكتاب المبين انا انزلناه فی لیلة االمباركة** کی باطنی تفسیر کیا ہے فرمایا حم سے مراد محمدؐ۔ کتاب مبین سے مراد امیر المومنینؑ اور لیلۃ المبارکہ سے مراد فاطمہ زہراؑ ہیں۔

وفیھا یفرق کل امرٍ حکیم فرمایا اس سے خیر کثیر جاری ہوگا۔ فرجل حکیم، رجل حکیم رجل حکیم یعنی فاطمہؑ سے دانا آدمی پیدا ہوں گے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

''اللہ آسمانوں کو اور زمین کو روشن کرنے والا ہے، اس کے نُور کی مثال اس روشندان کی ہے، جس میں ایک زبردست چراغ ہو وہ چراغ ایسے شیشے کی قندیل میں ہو۔ وہ قندیل ایسی ہو جیسے ایک چمکتا ہوا تارا زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن ہو، جو شرقی ہے نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے، گو آگ اس کو نہ چھوئے، وہ نور بالائے نور ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی راہ بتلا دیتا ہے''۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ''۔ خدا کے نور کی مثال اس طرح ہے، جس طرح چراغ فانوس میں ہو فرمایا فانوس سے مراد علم ہے جو نبیؐ کے سینہ میں ہے فِیْ زُجَاجَۃٍ شیشے میں ہے، شیشے سے نبیؐ کا سینہ مراد ہے، نبیؐ کے سینے سے علم علیؑ کے سینہ میں رسولؐ کی تعلیم سے منتقل ہوا۔

کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ تُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ

وہ قندیل ایسی ہو جیسا چمکتا ہوا تارا۔ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہو۔

اس سے نورالعلم مراد ہے، جو نہ شرقی ہے اور نہ ہی غربی، یعنی نہ نصرانیت ہے اور نہ ہی یہودیت۔

يُكَادُ زَيْتُهَا يُضِئُ وَلَوْ لَمْ تَمسهٔ نَار" نُور" عَلیٰ نُورٍ

قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہوجائے، آگ اس کو نہ چھوئے وہ نور بالائے نور ہے۔فرمایا آلِ محمدؐ کا علم سوال کرنے سے پہلے بولنے لگ جاتا ہے۔

صادق آلِ محمد علیہ السلام نے اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحُ سے مراد امام حسنؑ ہیں، فِی زجاجة سے حسینؑ کَاَنَّھَا کَوکب" دُرِّیٌ" فاطمہؑ ہیں، جو کائنات کی عورتوں میں کوکب دری ہیں۔یوقد من شجرة مبارکة سے مراد ابراہیمؑ لَاشَرقیةً وَلَا عرَبیةٍ سے مراد یہودیت اور نصرانیت کی نفی ہے، یُکَادُ زَیتُھا لفِئیٔ سے مراد ہے کہ درخت مبارکہ سے علم کا چشمہ پھوٹتا ہے۔

اِنھا لَاِحدَیٰ الْکُبَر (سورۂ مدثر آیت ۳۵) کی تفسیر میں مراد فاطمہؑ ہیں۔

تفسیر فرات بن ابراہیم کوفی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے اِنَّھَا لَاِحدَی اُلکُبَرِ نَذِیرَالِّلبَشَرِ (سورۂ مدثر۔۳۵) وہ فاطمہؑ بڑوں میں ایک ہیں اور بشر کو ڈرانے والی ہیں۔ابن عباس سے روایت منقول ہے۔خدانے یہ آیت نازل کی مرج البحرین یلتقیان دو موجیں مارتے ہوئے سمندر، خدانے کہا میں نے دو سمندروں کو بھیجا ایک علیؑ ہیں جو علم کا سمندر ہیں دوسری فاطمہؑ ہیں جو نبوت کا سمندر ہیں آپس میں متصل ہوتے ہیں۔میں خدا ہوں ان کے درمیان میں نے وصلت قرار دی ہے۔ اے گروہ جن وانس اللہ تعالیٰ کی کونسی نعمت کی تکذیب کرتے ہو ولایت علیؑ کی یا حُبِّ فاطمہ زہراؑ کی۔لُولُو سے مراد حسنؑ ہیں مرجان سے حسینؑ مراد ہیں۔لُولُو بڑا ہوتا ہے اور

مرجان چھوٹا ہوتا ہے۔

آیت مباہلہ میں نسائنا سے مراد فاطمہ زہرا ہیں۔

صاحبِ بحار طبرسی سے روایت نقل کرتے ہیں باتفاق نسائنا سے مراد فاطمہ زہرا ہیں۔ میدان مباہلہ میں علیؑ فاطمہ اور حسنینؑ کے سوا کوئی شخص رسولؐ اللہ کے ساتھ نہیں گیا تھا انفسنا سے مراد امیرالمومنینؑ ہیں جو نفس پیغمبرؐ ہیں۔

زوجہ عفیفہ صالحہ سعادت عظیمہ ہے:

فروع کافی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت منقول ہے کہ خداوند عالم حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر میں اپنے بندے کے درمیان دنیا اور آخرت کی بھلائی کو جمع کروں تو میں اس کے دل کو خشوع کرنے والا۔ زبان کو خدا کی یاد کرنے والی اور اس کے بدن کو مصیبت پر صبر کرنے والا اس کو زوجہ صالحہ عطا کرتا ہوں جب اس کی طرف نظر کرے تو خوش ہو جائے جب وہ شخص گھر سے باہر چلا جائے تو اس کی جان اور مال کی حفاظت کرے عفت اور صلاحیت کے لحاظ سے عورتوں کے کئی درجے ہیں۔ اعلیٰ درجات کی وہ بیویاں ہیں جو عالمہ، عارفہ اور عفیفہ ہوں۔ یہ سعادت اہل بیت عصمت اور طہارت کو ملی ہے۔

شرف ازل سے جو ازواجِ مرتضیٰؑ کو ملا

شرف ازل سے جو ازواجِ مرتضیٰؑ کو ملا کہاں یہ مرتبہ ناموس اوصیا کو ملا
جو کچھ شرف تھا وہ سب اشرف النسا کو ملا نہ ہاجرہؑ کو ملا اور نہ آسیاؑ کو ملا
مگر یہ درجہ بھی حصّے میں کس کے آیا ہے
جو بعدِ فاطمہؑ اُمّ البنین نے پایا ہے

نہ کیوں بتولؑ کی ہو ہم نشیں وہ عرش وقار وہ ماں حسینؑ کی یہ مادرِ علمبردارؑ
کیا حسینؑ کو اُمت پہ فاطمہؑ نے نثار حسینؑ پر کیے قربان اُس نے بیٹے چار
امامؑ فاطمہؑ کے نورِ عین کو سمجھی
حسنؑ کو پیشوا ، آقا حسینؑ کو سمجھی

دمِ اخیر علیؑ نے یہ اس کو دی تھی خبر کہ ہوں گے فدیۂ شبیرؑ تیرے چار پسر
یہ اپنے بیٹوں کی تعظیم کرتی تھیں اکثر پسر جو پوچھتے کہتی تھیں ہوں فدا تم پر
نہ کیوں میں فخر کروں فخر والدین ہو تم
غلامِ فاطمہؑ ہو فدیۂ حسینؑ ہو تم

(مرزا دبیرؔ)

باب ۲......

حضرت علی علیہ السلام کی ازدواجی زندگی

عرب کے تاریخ نویسوں میں یہ رسم نہ تھی کہ پیدائش وحیات اور ازدواجی زندگی کے خصوصیات اور زندگانی کی دیگر ضروریات کے متعلق بحث کریں اسی وجہ سے اب تک تاریخ میں بہت سی مشکلات ہیں جو حل نہیں ہوئیں ان میں سے رسالت مآبؐ کی قبل از بعثت والی روزمرّہ کی زندگی کے حالات یا قبل از بعثت حضرت علیؑ کی زندگانی کے تمام واقعات نہیں ملتے۔

مختلف روایتوں کے پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک حضرت فاطمہ علیہا السّلام زندہ رہیں حضرت علیؑ نے کسی دوسری زوجہ کا انتخاب نہیں فرمایا۔

لیکن جناب فاطمہؑ کی رحلت کے بعد بموجب وصیت حضرت سیّدہؑ حضرت علیؑ نے اُمامہ دختر زینبؑ بنت ابی العاص سے جو حضرات حسنینؑ اور جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں شادی کر لی اور ان کے بعد دس اور عورتوں سے امیر المومنینؑ نے نکاح کیا جن کی تعداد گیارہ[۱] ہوتی ہے۔ روایتوں کے مطابق ان سب سے کم سے کم ۲۷،

اور زائد سے زائد ۳۶ تک اولاد ہوئیں۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں۔

حضرت علیؑ کی بیویوں کے نام:

۱۔ حضرت فاطمہ زہراؑ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۲۔ اُمامہ بنت ابی العاص دختر زینب بنت ہالہ (لے پالک حضرت خدیجہؑ)
۳۔ خولہ بنت جعفر بن قیس حنفیہ۔
۴۔ اسماء بنت عمیس خشعمیہ۔
۵۔ حضرت اُمّ البنین بنت حزام ابن خالد کلابی۔
۶۔ لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تمیمیہ نہشلیہ
۷۔ اُمّ سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی۔ (حضرت اُمّ لیلیٰ مادر حضرت علی اکبرؑ کی سگی پھوپھی)
۸۔ اُمّ شعیب مخزومیہ۔
۹۔ محیاۃ دختر امراء القیس۔
۱۰۔ صہبا (سبیہ) بنتِ عباد بن ربیعہ تغلبیہ (کنیت :- اُمّ حبیب)

حضرت فاطمہ زہراؑ کا نکاح یکم ذی الحجہ ۲ ھجری کو ہوا تھا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی شہادت کے چھ۶ مہینے کے بعد حضرت علیؑ نے اُمامہ بنتِ ابی العاص سے نکاح کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

دس خواتین کُل آپ کی زوجیت میں آئیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد چار ازواج زندہ رہیں اور انھوں نے عقد ثانی نہیں کیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کسی پیغمبرِ خدا یا وصی رسولؐ کی ازواج کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کے بعد کسی اور سے شادی کریں''۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۲۔ اُمامہ سے عقد کا سال

حضرت فاطمہ زہراؑ کی شہادت کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے چند مہینے کے بعد ۱۱ھ میں اُمامہ بنتِ ابی العاص سے عقد کیا۔ اُمامہ سے ایک فرزند محمد اوسط ابن علی پیدا ہوئے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

۳۔ خولہ سے عقد کا سال

۱۲ھ میں صحابیٔ رسولؐ مالک بن نویرہ کو خالد بن ولید نے شہید کر دیا۔ اور قبیلے کی عورتوں کو مدینے اسیر بنا کر لایا۔ خولہ بنتِ جعفر بن قیس حنفیہ بھی قید ہو کر قبرِ نبیؐ پر آئیں، حضرت علی علیہ السلام نے ۱۲ھ میں خولہ سے عقد کر لیا۔ جن سے حضرت محمد حنفیہ کی ولادت ہوئی۔ ۱۵ھ میں محمد حنفیہ پیدا ہوئے اور محرم ۸۱ھ میں تقریباً ۶۵ سال میں وفات ہوئی۔

۴۔ اسماء بنتِ عمیس سے عقد کا سال

حضرت اسماء بنتِ عمیس ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوبارہ بیوہ ہو گئیں۔ چونکہ اسماء بنتِ عمیس کے بچوں کی پرورش حضرت علی علیہ السلام کے ذمے تھی اس لیے بعد عدت تقریباً ۱۴ھ میں حضرت علیؑ نے اسماء بنتِ عمیس سے عقد کر لیا۔

اسماء بنتِ عمیس کے دو کمسن بچوں محمد ابن ابی بکر اور بیٹی اُم کلثوم کی پرورش حضرت علیؑ کے گھر میں ہوئی۔

حضرت علیؑ سے اسماء بنتِ عمیس کے یہاں دو بیٹے، یحییٰ اور عون پیدا ہوئے۔ یحییٰ نے بچپن میں وفات پائی۔ عون بن علیؑ ۱۳/ شوال ۱۵ھ میں پیدا ہوئے ۴۶ برس کے سن میں روز عاشور کربلا میں شہادت پائی۔

۳۸ھ میں محمد ابن ابی بکر بمقام مصر شہید کر دیئے گئے۔ محمد ابن ابی بکر کا سر اُمّ حبیبہ

بنتِ ابوسفیان نے تحفتاً اسماء بنتِ عمیس کو بھجوایا۔ اس وقت وہ جائے نماز پر تھیں خبر سنتے ہی اسماء بنتِ عمیس کا سینہ پھٹ گیا اور خون جاری ہوگیا۔ جوان فرزند کی موت کے صدمے سے وفات ہوگئی۔

۵۔ صہبا (اُمّ حبیب) کے عقد کا سال

صہبا بنتِ عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن علقمہ تغلبیہ۔ صہبا خاتون کی کنیت اُمّ حبیب یا اُمّ حبیبہ تھی۔ حضرت علیؑ نے جنگِ یمامہ یا عین التمر کے اسیروں میں سے آپ کو خرید فرمایا تھا۔ آپ ۱۲ھجری میں فتح عین التمر کے بعد عقد میں آئیں۔ صہبا خاتون عرف اُمّ حبیبؑ کے بطن سے عمیر الاطرف اور جناب رقیّہ جڑواں پیدا ہوئے۔

عُمیر الاطرف نے پچاسی برس کے سن میں وفات پائی اور رقیّہ کبریٰ حضرت مسلمؑ بن عقیل کی زوجیت میں تھیں۔ (تاریخِ کامل از ابن اثیر۔ تاریخ طبری از علامہ ابن جریر طبری ۔تاریخ ابن خلدون)

۶۔ حضرت اُم البنین سے عقد کا سال

شبِ جمعہ ۱۷رجب ۲۱ھ میں حضرت علیؑ نے حضرت اُم البنین سے عقد فرمایا۔ ایک سال کے بعد ۴رشعبان ۲۲ھ میں حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی وقت شہادت حضرت عباسؑ کا سن ۳۸ برس تھا۔

اکثر شیعہ وسنّی مورّخین نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی بیویوں میں دس منکوحہ اور چند کنیزیں تھیں اور ان سے ۳۶، اولاد پیدا ہوئیں۔ (مروج الذہب مسعودی، جنات الخلود، منتخب التواریخ، کامل ابن اثیر، عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب، ناسخ التواریخ، روضۃ الصفا حبیب السیر، تاریخ طبری وسائر کتب انساب)۔

ابن شہر آشوب کی روایت ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد چار بیویاں باقی

رہیں یعنی اُمامہ بنت ابی العاص، اُم البنین، لیلیٰ بنت مسعود اور خولہ بنت جعفر (والدۂ حضرت محمد حنفیہ) زندہ رہیں۔

شیخ شرف الدّین نسّاب نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی چھ اولاد ان کی زندگی میں وفات پا گئیں اور تیرہ اولادیں باقی رہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مورّخ کی نظر اولاد ذکور پر ہے جو بعد رحلت حضرت علیؑ زندہ تھیں۔

محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کی نو بیویاں اور اٹھارہ کنیزیں تھیں جن سے اٹھارہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

اولاد حضرت علی علیہ السلام:

حضرت فاطمہ زہراؑ کے بطن سے پانچ اولادیں تھیں۔ حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ، اُم کلثومؑ، محسنؑ۔

اُمّ البنین کے بطن سے چار اولادیں تھیں۔ عباسِ اکبر، جعفر، عبداللہ، عمران۔

لیلیٰ کے بطن سے دو اولادیں:- محمد اصغر، عبیداللہ۔

اسماء کے بطن سے دو اولادیں:- یحیٰی، عون۔

اُم سعید کے بطن سے دو اولادیں:- اُم الحسن، رملہ۔

صَہبا (اُم حبیب) کے بطن سے دو اولادیں:- رقیہ، عُمیر اطرف جو جڑواں تھے۔

اُم ولد کے بطن سے دو اولادیں:- محمد، ابراہیم (نصر بن مزاحم کے عقیدہ کے مطابق)

خولہ کے بطن سے جناب محمد اکبر (محمد حنفیہ)۔

اُم شعیب کے بطن سے دو اولادیں۔

ان سب اولادوں کی تعداد ۲۴ ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بارہ اولادیں اور بیان کی جاتی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) نفیسہ (۲) فاطمہ صغریٰ (۳) اُم ہانی (۴) اُم کرام (۵) جمانہ
(۶) امامہ (۷) اُم سلمہ (۸) میمونہ (۹) خدیجہ (۱۰) تقیہ
(۱۱) عبداللہ اوسط (۱۲) محمد اوسط۔ ان بارہ اولاد کی ماؤں کے نام معلوم نہیں ہیں، یہ بات مسلّم ہے کہ سات اولادیں قبل از شہادت حضرت علیؑ وفات پا گئیں تھیں۔

حضرت امام حسنؑ سب سے بڑے صاحبزادے تھے اور عُمیر اصغر سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے مگر انھوں نے سب سے زیادہ زندگی پائی اور ۸۵ سال زندہ رہے ان کی ماں صہبا تھیں۔

لڑکیوں میں فاطمہؑ بنتِ علیؑ نے سب سے زیادہ عمر پائی اور اُن کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے صاحبزادوں کے نام:

۱۔ حضرت حسنؑ مجتبیٰ
۲۔ حضرت حسینؑ سید الشہدا
۳۔ حضرت محسنؑ شہید
] از حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

۴۔ حضرت محمد حنفیہ
] از جناب خولہ بنت جعفر بن قیس

۵۔ یحییٰ
۶۔ عون
] از اسماء بنتِ عمیس

۷۔ حضرت عباسؑ اکبر قمر بنی ہاشم
۸۔ حضرت عبداللہؑ
۹۔ حضرت عمرانؑ
۱۰۔ حضرت جعفرؑ
] از جناب اُم البنینؑ

۱۱۔	محمد اصغر	از جناب لیلیٰ بنتِ مسعود دارمیہ
۱۲۔	عبداللہ	
۱۳۔	عُمیر اطرف	از صہبا تغلبیہ (اُمّ حبیب)
۱۴۔	عباس اصغر	
۱۵۔	محمد اصغر	
۱۶۔	ابراہیم	
۱۷۔	عبداللہ اوسط	از اُمّ شعیب
۱۸۔	محمد اوسط	از اُمامہ بنت ابی العاص
۱۹۔	احمد	محیاۃ بنتِ امراء القیس

روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان ۱۹ صاحبزادوں سے چھ[۶] اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) حضرت محسن (۲) محمد اصغر از اُم ولد (۳) محمد اصغر از لیلیٰ دارمیہ (۴) ابراہیم از اُمّ ولد (ان کا نام بجز نصر بن مزاحم کے کسی مورّخ نے نہیں لکھا)۔ (۵) عبداللہ اوسط (۶) محمد اوسط

حضرت علی کی نسل پانچ صاحبزادوں سے چلی۔

حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت محمد حنفیہؒ، حضرت عباسؑ علمدار، حضرت عمیر اطرف (ان کا نام، زید بن علیؑ بھی لکھا ہے)۔

حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ نے اپنے بیٹوں کے نام۔ ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، کبھی نہیں رکھے۔ یہ نام عقیل، سہل، عمار، زید، سالم، عمران سے تبدیل کئے گئے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے علاوہ بارہ[۱۲] صاحبزادے کربلا میں شہید ہوئے یعنی قمر بنی ہاشم

حضرت عباسؑ، جناب عبداللہ، جناب عمران اور جناب جعفر پسران حضرت اُمّ البنینؑ
عونؑ پسر اسماء اور عباس اصغر پسر صہباء۔
دختران حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام میں سب سے افضل حضرت زینبؑ کبریٰؑ اور
حضرت اُم کلثومؑ تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی صاحبزادیوں کے نام:

	صاحبزادیاں	شوہر کا نام	اولاد
ا۔	حضرت زینبؑ کبریٰ	حضرت عبداللہ بن جعفر طیار	عون ومحمد عبداللہ وعباس
۲۔	حضرت اُمِ کلثوم	حضرت عون بن جعفر طیار (شہید کربلا)	قاسم بن عون
۳۔	حضرت فاطمہ بنتِ علی	حضرت محمد بن ابوسعید بن عقیل	سعید
۴۔	حضرت زینبؑ صغریٰ	حضرت محمد بن عقیل	عبدالرحمٰن وعبداللہ
۵۔	حضرت رقیہ (اُم کلثوم صغریٰ)	حضرت مسلم بن عقیل	عبداللہ، محمد اصغر محمد اکبر، ابراہیم
۶۔	اُمّ ہانی (فقیہہ)	حضرت عبداللہ اکبر بن عقیل	
۷۔	حضرت اُمّ سلمٰی (امینہ)	حضرت صلت ابن عبداللہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب	
۸۔	حضرت اُمّ کرام (رحمایہ)	بچپن میں انتقال ہوا	
۹۔	جُمانہ (اُمّ جعفر)	بچپن میں انتقال ہوا	
۱۰۔	حضرت میمونہ	حضرت عبداللہ اصغر بن عقیل	(عقیل بن عبداللہ بن عقیل)
۱۱۔	حضرت خدیجہ	حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل	قاسم بن عبدالرحمٰن

۱۲۔ حضرت نفیسہ (اُم کلثوم اوسط) حضرت کثیر بن عباسؑ بن عبدالمطلب

۱۳۔ اُمّ الحسن حضرت جعدہ بن ھُبیرہ علی بن جعدہ
(گورنر خراسان)

۱۴۔ رملہ کبریٰ حضرت ابوالھیاج بن عبداللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب

۱۵۔ سکینہ بچپن میں انتقال ہوا

۱۶۔ رُقیہ صغرا بچپن میں انتقال ہوا

۱۷۔ تقیہ بچپن میں انتقال ہوا

۱۸۔ رملہ صغریٰ حضرت جعفر بن عقیل

حضرت علیؑ کی بیٹیوں کی شادی حضرت علیؑ کے سگے بھائی حضرت عقیل اور جعفر طیار کے فرزندوں سے ہوئی۔ اور پھر حضرت علیؑ کے چچا زاد بھائی عبداللہ ابن عباس، عبیداللہ بن حارث بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹوں سے ہوئی، ایک بیٹی کی شادی حضرت علیؑ کے بھانجے جعدہ ابن ھبیرہ سے ہوئی یہ حضرت علیؑ کی بہن اُمّ ہانی کے فرزند ہیں۔

بحار الانوار میں تحریر ہے کہ رسول اللہؐ نے اولادِ علیؑ اور جعفرؑ طیّار کے فرزندوں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لیے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لیے ہیں''۔ اس حدیث کی روشنی میں اولادِ فاطمہؑ وعلیؑ کا غیر سے نکاح ناجائز تصوّر ہوگا۔

حضرت اُمّ کلثومؑ کی شادی خطّاب کے بیٹے سے ایک من گھڑت قصّہ ہے۔ خطّاب کا شجرہ بہت خراب تھا جو تاریخوں میں درج ہے۔

حضرت علیؑ کے جو بیٹے کربلا میں شہید ہوئے:

کربلا میں حضرت علیؑ کے بارہ فرزند شہید ہوئے۔ اِن میں چار اُمّ البنینؑ کے سگے بیٹے تھے۔

۱۔ حضرت امام حسینؑ	۵۷ برس	حضرت فاطمہ زہرؑا	مقاتل و تاریخ
۲۔ حضرت عباسؑ	۳۸ برس	اُم البنینؑ	اعیان الشیعہ
۳۔ حضرت عبداللہ	۳۰ برس	اُمّ البنینؑ	اعیان الشیعہ
۴۔ حضرت عمران	۲۸ برس	اُمّ البنینؑ	اعیان الشیعہ
۵۔ حضرت جعفر	۲۶ برس	اُمّ البنینؑ	اعیان الشیعہ
۶۔ محمد بن علیؑ		لیلیٰ بنتِ مسعود	بحار الانوار
۷۔ عبیداللہ بن علیؑ		لیلیٰ بنتِ مسعود	بحار الانوار
۸۔ ابراہیم بن علی		صہبا (اُمِّ حبیب)	مقاتل الطالبین
۹۔ عباسؑ اصغر		صہبا (اُمِّ حبیب)	تذکرۃ الخواص
۱۰۔ محمد اوسط بن علیؑ		اُمامہ بنتِ ابی العاص	زیارتِ ناحیہ
۱۱۔ عون بن علیؑ		اسماء بنتِ عمیس	ابومخنف
۱۲۔ عُمیر بن علیؑ		صہبا (اُمِّ حبیب)	ابن شہر آشوب

باب ۳۰

حضرت اُمّ البنینؑ
تاریخ کی نظر میں

یہ بات مسلّم ہے کہ اُمامہ اور خولہ اور اسما بنتِ عُمیس اور صہبا (اُمِّ حبیب) کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت اُم البنینؑ سے شادی کی۔ آپ کا نام فاطمہ وحیدیہ کلابیہ تھا اور کنیت اُم البنینؑ تھی۔ آپ وحید بن کعب اور کلاب بن ربیعہ کے خاندان سے تھیں جو عرب کے مشہور بہادروں میں تھے۔

اکثر سنّی وشیعہ مورخین نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل کو جو عرب کے علم الانساب میں سب سے زیادہ ماہر تھے بلایا اور آپ نے ان سے فرمایا کہ بھائی میرے لیے ایک ایسی بیوی کا انتخاب کیجئے جس سے ایک بہادر اور شہسوار فرزند پیدا ہو۔ حضرت عقیلؑ نے اُم البنینؑ کا نام پیش کیا اور کہا کہ تمام عرب میں کوئی شخص اِن کے باپ اور دادا سے زیادہ شجاع اور دلیر نہیں ہے۔ (الاصابہ صفحہ ۳۷۵ جلد ا، معارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ جلد ۳، آغانی صفحہ ۵۰ جلد ۱۵)

یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ حضرت اُم البنینؑ کی شادی ۲۰ ھ میں ہوئی اور اکثر مورخین

کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباسؑ کی عمر جنگ صفین کے وقت پندرہ اور سترہ برس کے درمیان تھی اور کربلا کے واقعہ کے وقت آپ کا سن مبارک ۳۲ اور ۳۸ سال کے درمیان تھا۔ حضرت عباسؑ کی ولادت ۲۲ھ میں ہوئی۔

جنگ صفّین حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے دوسرے یا تیسرے سال واقع ہوئی جو مطابق ۳۷ و ۳۸ ہجری ہوتی ہے حضرت عباسؑ کا سن اس جنگ کے وقت کسی مورّخ نے ۱۵ر سال سے کم اور ۱۷ سال سے زائد نہیں لکھا ہے، اس لیے آپ کا سن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ۱۸ سال اور کربلا میں ۳۸ سال ہوتا ہے۔ ہماری اس تحقیق کی تائید احادیث اور روایات سے ہوتی ہے۔

خاندانی تربیت:

حضرت عباسؑ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم البنینؑ کی تربیت بہت اچھی تھی، آپ علمی واخلاقی اوصاف میں ممتاز تھیں اکثر علمائے شیعہ نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے پدر بزرگوار، مادر گرامی، بھائیوں اور بہنوں سے بہت سے علوم حاصل کیے۔ باپ، بھائیوں، بہنوں (حضرت زینبؑ وحضرت کلثومؑ) کی علمیت کا مقام اظہر من الشّمس ہے لیکن اس خبر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ بھی جو دنیا کے عقلمند ترین بزرگ کی رفیقہ حیات تھیں۔ علمی، اخلاقی، اور تربیتی امور میں کافی ملکہ رکھتی تھیں۔ حجۃ السعادۃ اور روضۃ الشہداء میں روایت ہے کہ شمر نے جب وہ عبیداللہ ابن زیاد سے کوفہ میں حضرت امام حسینؑ کے قتل کرنے کی سازش کر رہا تھا اس قرابت کی بنا پر جو اس کو قبیلۂ بنی کلاب سے تھی (شمر کا شجرہ بنی کلاب میں نہیں تھا وہ شجرۂ خبیثہ سے تعلق رکھتا تھا) اُس نے حضرت اُمّ البنینؑ کو رشتہ دار ثابت کرنے کے لیے ان کے چاروں بیٹوں کے لیے جن کو وہ اپنا بھانجا بتاتا تھا امان حاصل کی اور شبِ عاشوران کے خیموں کے پیچھے آیا اور امان

کی خبر سنائی۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی امان ابن سمیہ کی امان سے بہتر ہے۔ (تاریخ طبری صفحہ ۲۳۹ جلد ۶)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ جُریرابن عبداللہ بن ابی المخلہ کلابی نے جو حضرت اُم البنینؑ کا دور پار کا بھتیجا تھا اور اس وقت جب عبیداللہ ابن زیاد نے پسر پیغمبرؐ کے قتل کا حکم صادر کیا اس کے دربار میں حاضر تھا اس سے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لیے امان کا پروانہ حاصل کیا اور شمر کو جو اُسی گروہ سے تھا دے دیا۔

شجرے سے رشتے داری واضح ہو جاتی ہے:-

حضرت اُمّ البنینؑ کے والد حزام کا چچا زاد بھائی عبداللہ تھا، عبداللہ کا بیٹا جُریر بن عبداللہ تھا۔ ایک دور پار کے رشتے سے وہ حضرت اُمّ البنینؑ کا چچا زاد بھائی ہوتا تھا۔
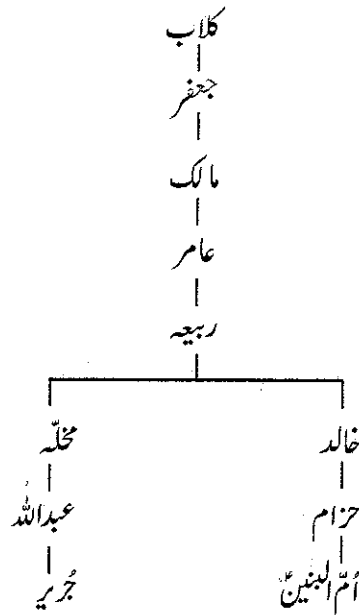
باب ۴

حضرت اُمُّ البنین

کا نام اور کُنیت

حضرت اُمّ البنینؑ فاطمہ دختر حزام کلابیہ کی ولادت ہجرت کے بعد ۵ ہجری میں واقع ہوئی۔

ان کی وفات ۱۳ جمادی الثانی روز جمعہ ۶۴ ہجری حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے تین سال بعد ہوئی۔ اور جنت البقیع میں حضرت زہرؑا سلام اللہ علیہا کی خوابگاہ اقدس کے نزدیک ان کا مدفن ہے۔ آپ کے شوہر حضرت علی علیہ السلام ہیں۔
ان کے بطن مبارک سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حضرت عباس فرزند گرامی علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ روز ولادت ۴ شعبان ۲۲ ہجری اس حساب سے روز عاشورا ۶۱ ھ آپ کی عمر ۳۸ سال تھی۔

۲۔ عبداللہ ابن علی بن ابی طالب علیہما السلام۔ واقعہ کربلا کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی۔

۳۔ عمران ابن علی بن ابی طالبؑ واقعہ کربلا کے دوران ان کی عمر ۲۸ سال تھی۔

۴۔ جعفر بن علی ابن ابی طالبؑ ان کی عمر شہادت کے وقت ۲۶ سال تھی۔

حضرت اُمّ البنین کی ولادت:

پرانی اور نئی تاریخی کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جناب فاطمہ اُمّ البنین کلابیہ حسب ونسب اور طہارت وعفت اور خاندانی اوصاف کے لحاظ سے اپنوں کے درمیان منفرد حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ کی ولادت تقریباً ۵ ہجری ہجرت کے بعد واقع ہوئی۔

کتب تواریخ میں انتہائی جستجو کے بعد اس کے سوا کوئی مستند تاریخ ولادت اور تضاد نظر نہیں آتا۔ (حیدر المرجانی)

حضرت اُمّ البنینؑ کا نام:

مرزا دبیرؔ نے کسی مقتل کے حوالے سے نام ''حمیدہ'' لکھا ہے۔

عمدۃ الطالب میں آپ کا اسم گرامی فاطمہ درج کیا گیا ہے۔ تاریخ الخمیس نے ''والیسی'' لکھا ہے۔ صفحہ ۳۱۷۔ لیکن آپ نے اُم البنینؑ کے لقب سے اس قدر شہرت حاصل کر لی ہے کہ اکثر مورخین کو آپ کا اسم گرامی معلوم ہی نہیں ہو سکا یا اُن لوگوں نے اس کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ چنانچہ حسبِ ذیل کتبِ تاریخ میں آپ کا تذکرہ اُم البنینؑ ہی کے نام سے کیا گیا ہے: کامل ۳ صفحہ ۲۰۰، مروج الذہب ۳ صفحہ ۶۲، الامامۃ والسیاسۃ ۲ صفحہ ۷، مقتل خوارزمی ۲ صفحہ ۲۹، سبائک الذہب صفحہ ۷۰، طبری ۶ صفحہ ۳۶۹، الاخبار الطّوال صفحہ ۲۶۹۔

واضح ہو کہ عربوں کے درمیان خواتین کے لیے فاطمہ کا نام بہترین اور پُر برکت سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر کرتے ہوئے فرماتے تھے **اَنَا بْنُ الْفُوَاطِمِ** میں فواطم (لفظ فاطمہ کی جمع) کا بیٹا ہوں۔ جب حضرت اُمّ البنینؑ کا نام

فاطمہ رکھا گیا اس زمانے میں فاطمہ نام کی تین خواتین موجود تھیں۔

۱۔ فاطمہ بنت اسد۔ والدۂ گرامی حضرت علی علیہ السلام

۲۔ فاطمہ دختر حمزہ یا فاطمہ دختر ربیعہ

۳۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا دختر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (زوجۂ حضرت علی علیہ السلام)

علامہ فیروز آبادی نے اپنے قاموس نامی کتاب میں بیس نفر خواتین صحابیہ کا ذکر کیا ہے۔ جن کے نام فاطمہ تھے۔

مذکورہ فواطم حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں صحابیہ میں شمار تھیں مختلف مقامات اور خدمات انجام دینے میں شریک رہی ہیں۔ ان میں سے ایک جناب فاطمہ اُمُّ البنینؑ تھیں۔ ان کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا تھا اور عصرِ رسالت مآبؐ میں موجود تھیں۔ اور دروس قرآن سے استفادہ کیا تھا اور احکام دین سے باخبر تھیں۔ اس لیے حضرت علی علیہ السلام نے ان کو اپنی زوجیت کے لیے انتخاب کیا ورنہ اور بھی خواتین اور صحابیہ موجود تھیں۔ ان کی تربیت و تعلیم حضرت علیؑ جیسے مدینۃ العلم کے گھرانے میں ہوئی۔ فاطمہ اُمُّ البنینؑ کا دل نور علم و معرفت سے روشن ہوا۔ یہی وجہ ہے جو کوئی مادر حضرت عباس علیہ السلام سے متوسّل ہوا تو اس کی حاجت پوری ہوئی اور کامیاب ہوا اور بیماریاں دور ہوئیں۔

اُمُّ البنینؑ کے لیے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ہمسری اور مادر حضرت عباسؑ ہونے کا شرف و فضیلت ہی کافی ہے۔ ایسا دلاور فدا کار فرزند عباسؑ جن کو کٹے ہوئے دو بازوؤں کے بدلے دو پر عطا کئے گئے وہ یومِ آخرت کو جنت کی فضا میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کریں گے اور اولین و آخرین ان کا یہ رتبہ و درجہ دیکھ کر رشک کریں گے۔

تاریخ کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں کے درمیان اُمُّ البنین کی کنیت سے بہت سی عورتیں مشہور تھیں۔ عرب کے درمیان رواج تھا کہ جس عورت کے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے ہوں اُس عورت کو اُمُّ البنین کی کنیت سے پکارتے تھے۔ ایام جاہلیت اور اسلام کے بعد بھی عربوں کے درمیان یہی رسم و رواج رہا۔

بعض عرب نیک شگونی کے طور پر بچی کو بچپنے میں اُمُّ البنین کی کنیت سے اس لیے پکارتے تھے کہ یہ کسی دن صاحب اولاد ہوگی۔ اسی طرح اُمُّ الخیر اور اُم المکارمہ کی کنیت رکھتے تھے تاکہ خیر و برکت اور اچھے اخلاق کی مالک بنیں۔

یہی وجہ ہے کہ کچھ مرد اور خواتین کے اصل نام سے ان کے اسم علم غالب آئے جیسے اُمّ ایمن، اُمّ سلمہ، اُمِ کلثوم ابوالحسن وغیرہ۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی کنیت کی شہرت:

کتب انساب و تواریخ، عورتوں کے دائرۃ المعارف، مشہور خواتین اور مردوں کے سوانح عمری میں اور گذشتہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں اُمُّ البنین کنیت رکھنے والی عورتیں بے شمار گزر چکی ہیں۔ جن کو اُمھات البنین کی فہرست میں تلاش کرنا پڑتا ہے۔ ان اُمھات میں سب سے زیادہ معروف فاطمہ اُمّ البنین مادر گرامی حضرت عباس علیہ السلام ہیں۔

اگر شرافت و فضیلت کا کوئی آخر ہے تو زوجۂ علی بن ابی طالبؑ اور مادر عباسؑ کا خطاب ہے یہ شرافت و کرامت کا آخری نقطہ ہے۔

اگر خاندانی شرافت کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے تو اُمّ البنین کے والد حزام ابن خالد ابن ربیعہ ابن کعب ابن عامر الوحید ابن کلاب ہیں۔ عربوں کے درمیان خاندان کلاب بہت مشہور و معروف تھا۔ اس زمانے میں قبائل عرب کے درمیان دو قبیلوں کا نام کلاب

تھا۔اور یہ دونوں قبیلے عرب میں بہت مشہور تھے۔

۱۔ کلاب ابن رؤ ابن کعب

۲۔ کلاب اُمُّ البنینؑ کے دادا (جد)

اُمُّ البنینؑ کی والدہ ثُمامہ دختر سُہیل بن عامر ابن مالک ابن جعفر ابن کلاب تھیں۔ اس زمانے میں بنی کلاب بادشاہوں کی طرح جاہ وجلال کے مالک تھے۔اور قبائل عرب کے سردار تھے۔

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباسؑ کی مادرگرامی کا نام فاطمہ کلابیہ تھا۔اور کنیت اُم البنینؑ تھی۔لیکن اس امر میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ آپ کی کنیت اُم البنین (بیٹوں کی ماں) کب سے قرار پائی۔اکثر مورخین کا بیان ہے کہ جب حضرت عباسؑ اور عبداللہ و جعفر پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت اُم البنینؑ قرار دی گئی علامہ کنتوری کہتے ہیں کہ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُمّ البنینؑ کنیت مادرِ جنابِ عباسؑ کی ہے کہ اُن کے ماں باپ نے بطور فالِ نیک کے اس سے نام نہاد کیا تھا۔اُن کا مطلب یہ تھا کہ خدا اس دختر کو صاحبِ اولاد پسری کرے۔ایسا ہی ہوا کہ چار بیٹے ہوئے اور چاروں اپنے امام پر نثار ہو گئے یعنی اُم البنین کی ماں لیلیٰ بنت شہید (ثُمامہ خاتون) اور باپ حزام بن خالد نے پہلے ہی آپ کی کنیت اُم البنینؑ قرار دی تھی۔یعنی شگون کے طور پر آپ کو بیٹوں کی ماں کہا تھا۔تا کہ اس سے اس بات کا مظاہرہ ہو کہ ہم لوگوں کے دل میں تمنائیں ہیں کہ خدا اسے صاحب اولاد اور بیٹوں کی ماں قرار دے۔(مائتین کنتوری صفحہ ۴۴۰) میرے خیال میں دونوں صورتیں قرین قیاس ہیں۔

وہ وقت کتنا حسین اور سہانا تھا جب مطلعِ وفا پر بنی ہاشم کا چاند طلوع ہو رہا تھا دنیائے ایثار جگمگا رہی تھی۔کائناتِ محبت کی رونق دوبالا ہو رہی تھی۔اُمّ البنین کی گود

رشک وادی ایمن بنی ہوئی تھی اور مولائے کائنات کا گھر منزل چراغِ طور تھا۔

آپ کی عمر مبارک بیس سے انتالیس سال تک لکھی گئی ہے، جنگ صفین میں آپ کی عمر پندرہ سے سترہ سال کے درمیان تھی اور حضرت زینبؑ آپ سے بیس سال بڑی تھیں۔ اس حساب سے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ حضرت عباسؑ کی عمر پینتیس سال سے کم اور اڑتیس سال سے زیادہ نہ تھی اور آپ کی مادر گرامی کا حضرت علیؑ سے رشتہ ازدواج ۲۲ ہجری سے قبل قائم نہیں ہوا تھا۔

اس بنا پر والد گرامی کی شہادت کے وقت آپ اٹھارہ سال کے تھے اور کربلا میں سینتیس ۳۷ سال کے تھے۔ روایت سے بھی ہماری اس تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔

(قمر بنی ہاشم صفحہ ۴۹، سردار کربلا صفحہ ۴۷۹ از علامہ عباس اسماعیلی یزدی)

بہر حال آپ کی ولادت کا سال ۲۲ ھجری تسلیم کرنا پڑے گا۔

علامہ عبدالرزاق مقرم نے علامہ السید محمد عبدالحسین بن السید محمد عبدالہادی الجعفری کی ''انیس الشیعہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ ۴ ر شعبان ہے۔

مولانا نجم الحسن کراروی نے مختلف حوالوں سے مختلف تاریخیں درج کی ہیں۔

۱۔ ۱۹ ر جمادی الاول یا ۱۸ ر رجب بحوالہ جواہر زواہر قلمی

۲۔ ۲۶ جمادی الثانیہ مولانا سلیم جرولی بحوالہ محرق الفواد۔

۳۔ ۱۸ ر رجب بحوالہ آئینہ تصوّف طبع رام پور ۱۲۱۱ھ۔

۴ ر شعبان کی روایت انیس الشیعہ کی ہے جسے اُس کے مؤلف نے یکم شعبان ۱۲۴۴ھ کو سلطان فتح علی شاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ یعنی اُس کا زمانہ تالیف تیرھویں صدی ہجری کے نصف سے پہلے کا ہے اس لیے ان مآخذ میں اس

کتاب کو اولیت کا درجہ حاصل ہے اور وہ نسبتاً زیادہ معتبر کہی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ قدیم مآخذ میں ذکر نہ ہونے کی بناء پر یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ ان میں سے کسی بزرگ نے بھی کوئی قول کسی کتاب سے اخذ کیا ہوگا۔

زیادہ احتمال یہی ہے کہ یہ سب امور بطور علمِ سینہ منتقل ہوئے تھے۔ اور علم سینہ میں ان روایات کی قدر و قیمت زیادہ ہے جن کا تعلق اس مقدس سرزمین سے ہو جہاں یہ ماہتابِ وفا روشن و تابندہ ہوا تھا۔

نجف اشرف وغیرہ میں ولادت کی تاریخ ۴؍شعبان ہی مانی جاتی ہے اس لیے احتمال قریب یہی ہے کہ یہ قول مطابق واقع ہو۔ اس کی ایک معنوی مناسبت بھی ہے جو اہتمامِ قدرت کے لحاظ سے زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ تیسری شعبان کو امام حسینؑ کی ولادت ہوئی ہے تو بہت ممکن ہے کہ چوتھی شعبان کو حضرت عباسؑ کی تاریخِ ولادت کے لیے منتخب کیا گیا ہو۔ تا کہ میر کاروان آگے آگے رہے اور وفا شعار ''تاریخی اعتبار سے'' اس کے نقشِ قدم پر چلتا رہے۔

اُمُّ البنینؑ نام رکھنے والی اُمہات:

گذشتہ تفصیلی بیان کے علاوہ کتب تواریخ میں سات اُمُّ البنینؑ مزید پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اُمّ البنینؑ والدۂ گرامی حضرت عباس علیہ اسلام

۲۔ اُمّ البنینؑ والدۂ گرامی حضرت امام رضا علیہ السلام، ان کا اصلی نام تکتم (نجمہ) تھا۔ ان کی جلالت و عصمت اور شرافت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان کے نام پر کنیت غالب آنے کی وجہ سے اُمُّ البنین کہہ کر پکارتے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی بحار الانوار کی بارھویں جلد میں۔ علامہ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں اور اردبیلی نے کشف الغمہ میں اور حر العاملی نے اعیان میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ اُم البنین لیلیٰ کلابیہ دختر عمرو ابن عامر ابن فارس الصعید۔

۴۔ وہ اُمُّ البنین جو صہبا الکلابیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کا نام بھی فاطمہ تھا۔ یہ جناب عقیل ابن ابی طالب کی زوجہ تھیں چنانچہ بطل العلقمی میں علامہ مظفری نے ذکر کیا ہے اور ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اُمُّ البنین کلابیہ (زوجہ حضرت عقیلؑ) کے بطن سے چار فرزند ہوئے۔

۱۔ ابوسعید (یزید) مشہور بہ متکلّم (آپ کی شادی فاطمہ بنتِ علی علیہ السلام ہوئی)

۲۔ عبدالرحمٰن بن عقیل

۳۔ حمزہ بن عقیل

۴۔ جعفر بن عقیل (شوہر اُم الحسن دختر گرامی حضرت علی علیہ السلام)۔

ابوسعید متکلم اور جعفر بن عقیل ابن ابی طالب حضرت سیّد الشہدا علیہ السلام کے سامنے کربلا میں روز عاشورا شہید ہو گئے۔

۵۔ اُمُّ البنین عابدہ دختر محمد ابن عبداللہ یہ خاتون بہت عبادت گزار تھیں۔ ۱۱ ذی القعدہ وفات پائی۔

۶۔ اُمّ البنینؑ بنتِ مالک بن خالد بن ربیع بن عامر بن صعصعہ بن بکر بن ہوازن۔ (یہ زوجۂ حضرت عقیل اُمّ البنین صہبا کلابیہ کی نانی تھیں)

۷۔ اُمُّ البنین الخنساء۔ اس کا نام سیدہ تماضر الخنساء تھا وہ عمرو بن شرید سلیمی کی بیٹی اور مشہور ترین شاعروں میں شمار ہوتی تھی۔ دوران حکومت معاویہ یہ دنیا سے چل بسی۔

حضرت اُم البنینؑ کے القاب:

آپ کا ایک لقب "ام الکرامات" ہے۔

"باب الحوائج" بھی ہے آپ کا لقب۔ اور امّ الشہداء اربعہ بھی۔

باب ۵

حضرت اُمّ البنینؑ

کا خاندان

انسانی زندگی کے امتیازات میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ مالک کائنات نے فطرتِ بشر میں کچھ ایسے جذبات بھی ودیعت کر دیئے ہیں جن سے انسان سلسلۂ نسل کو صرف وقتی جذبات کی تسکین نہیں سمجھتا..... بلکہ اس کی پشت پر بے پناہ احساسات و رجحانات کی کارفرمائی کا بھی تصور رکھتا ہے۔

خواہش اولاد..... جذبۂ اخوت..... احترام نسب یہ وہ جذبات ہیں جو ایک انسان کو سلسلۂ نسب کی ترتیب پر مجبور کرتے ہیں اور اُن کے نتیجہ میں انسان اپنے کو ایک رشتے کی زنجیر میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے۔

حیوانی نسل میں حلال و حرام کا گزر نہیں ہوتا..... اُس کے جنسی رابطہ میں شعور و ادراک کا دخل نہیں ہے۔ اس لیے وہ تسکینِ جذبات کے لیے حسنِ انتخاب کا بھی قائل نہیں ہے۔

اُس کی زندگی ''رزقِ سرِراہ'' پر گزرتی ہے۔ وہ نہ کسبِ معاش کا قائل ہے نہ تسکینِ

جذبات کا...... سرِ راہ اُفتادہ غذائیں اُس کے معاشیات کا حل ہیں۔ اور غیر شعوری تسکین اُس کے جذبات باطن کا علاج۔

انسانی زندگی اس سے بالکل مختلف ہے۔ اُس کے یہاں جذبات واحساسات بھی ہیں اور رشتہ وقرابت کے خیالات بھی۔ وہ نسل ونسب کا بھی قائل ہے اور سماجی جکڑ بند کا بھی۔

وہ زندگی کے راہ و چاہ سے بھی باخبر ہے...... اور نسلی اثرات کی کارفرمائی سے بھی...... اسی لیے ہر حسن وقبح کے پس منظر میں اُس کی جڑیں تلاش کرنے کا عادی ہے اور ظاہر سے باطن کا سراغ لگانا اُس کا طُرۂ امتیاز ہے۔ شجرۂ نسب کی اہمیت بھی انھیں انسانی جذبات کا نتیجہ ہے۔ انسانی ذہن میں ''نسلی اثرات'' اس حد تک راسخ ہیں کہ ایک زمانہ میں انسان جانوروں تک کا شجرہ مرتب کیا کرتا تھا اور اُس کا خیال تھا کہ اس نسل کا جانور اصیل ہوتا ہے اور اس نسل کا غیر اصیل۔

ظاہر ہے کہ جب حیوانی زندگی میں نسلی اثرات ظاہر ہو سکتے ہیں...... تو انسانی حیات تو بہرحال ان نتائج کی پابند ہے اور اُس میں ان حالات کا پیدا ہو جانا بہرصورت ناگزیر ہے۔

مولائے کائناتؑ نے جناب عقیل سے گفتگو کے دوران انھیں ''نسلی اثرات'' کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک بہادر خاندان کی عورت سے عقد کرنا چاہتا ہوں اور جناب عقیل نے اسی نکتہ کی تائید کی تھی کہ عرب میں اُم البنین کے بزرگوں سے زیادہ بہادر اور مردِ میدان کوئی قبیلہ نہیں ہے۔

اُمّ البنینؑ...... فاطمہ بنتِ حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر معروف بہ الوحید بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن زید بن جعفر بن ہوازن، جن کا آبائی سلسلہ حزام سے شروع ہو کر ہوازن تک پہنچتا ہے اور مادری سلسلہ میں

حسبِ ذیل نام آتے ہیں۔آپ کی والدہ.....ثمامہ بنتِ سہیل بن عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب۔

اُن کی والدہ.....عمرہ بنت الطفیل (فارس قرزل) بن مالک الاخزام (رئیس ہوازن) بن جعفر بن کلاب۔

اُن کی والدہ.....کبشہ بنت عروہ الرحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب۔

اُن کی والدہ.....اُم الخشف بنت ابی اسد فارس الہرار (شہسوار ہوازن) بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

اُن کی والدہ.....فاطمہ بنت جعفر بن کلاب۔

اُن کی والدہ.....عاتکہ بنت عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی۔

اُن کی والدہ .....آمنہ بنت وہب بن عمیر بن نُصیر بن قعین بن الحرث بن ثعلبہ بن ذودان بن اسد بن خزیمہ۔

ان کی والدہ.....بنتِ حجدر بن ضبیعہ الاغر بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ ابن صعب بن زید بن بکر بن وائل بن وبعیہ بن نزار۔

اُن کی والدہ.....بنتِ ملک بن قیس بن ثعلبہ۔

اُن کی والدہ.....بنتِ ذی الراسین خشین بن ابی عصم بن سمح بن فزارہ۔

اُن کی والدہ:بنت عُمیر بن حرمہ بن عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن الریث بن غطفان۔

آپ کے نانہالی بزرگوں میں عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب ''ملاعب الاسنہ'' کے لقب سے مشہور تھے اور اُن کی شجاعت کی وہ دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ اُن کو ''نیزوں سے کھیلنے والا'' کہا جاتا تھا۔آپ کی نانی کے بھائی عامر بن الطفیل بن مالک

بھی ''اشجع عرب'' تھے۔ ان کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ قیصرِ روم کے پاس جب بھی کوئی عرب آتا تھا تو وہ پہلا سوال یہ کرتا تھا کہ تمھارا عامر سے کیا رشتہ ہے؟

اگر کوئی رشتہ نکل آتا تھا تو بے حد احترام کرتا تھا۔ ورنہ قابلِ توجہ بھی نہیں سمجھتا تھا۔

آپ کے بزرگوں میں ایک نام ''عروہ رحال'' کا بھی آتا ہے۔ جنھیں رحال اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اکثر و بیشتر اُن کی آمد و رفت سلاطین اور امراء کے پاس رہا کرتی تھی اور بادشاہان وقت اُن کا کافی احترام کیا کرتے تھے۔

انھیں بزرگوں میں طفیل کا نام بھی ہے جو ''ملاعب الاسنہ'' کے بھائی اور شجاعت و جوانمردی میں شہرۂ آفاق تھے۔

لبید شاعر نے انھیں بزرگوں کی مدح میں وہ اشعار کہے ہیں جن کو سن کر نعمان کو خاموش ہونا پڑا اور دنیائے عرب میں کسی کو اعتراض کرنے کی مجال نہ ہوسکی۔

(مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی، ناسخ التواریخ جلد۳ صفحہ ۲۰۷)

حضرت اُمّ البنین کے والد کا نام حِزام یا حُزام ہے، حزام کے معنی لغت میں ''جوڑے سینے والا''۔ (مصباح اللغات صفحہ ۱۵۰)

حضرت اُمّ البنینؑ کی والدہ کا نام بعض مورخین نے ثُمامہ لکھا ہے۔ لغت میں اس لفظ کے معنی خوبصورت خودرو پھول یا خوبصورت گھاس جو لانبی نہیں ہوتی ہے''۔

(مصباح اللغات صفحہ ۹۶)

بعض مورّخین نے حضرت اُمّ البنین کی والدہ کا نام ثُمالہ لکھا ہے جس کے معنی لغت میں تالاب کا پانی یا شربت کا جھاگ ہیں''۔ (مصباح اللغات صفحہ ۹۶)

کامل السقیفہ میں آپ کا اسمِ گرامی لیلیٰ درج کیا گیا ہے۔ جو عمدۃ الطالب کے نقل کی بناء پر آپ کی والدہ کا اسم گرامی تھا۔ آپ کے پدرِ بزرگوار کے نام کے بارے میں بھی مورّخین میں ایک طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کامل ابن اثیر۔ الامامۃ والسیاسۃ

اور مروج الذہب نے حرام ''ز'' سے نقل کیا ہے۔ (لیکن علامہ مقرم نے کامل کو حزام کے حوالہ نقل کیا ہے۔ میں نے طبع بیروت میں بھی یونہی دیکھا ہے۔ باقی مورّخین نے حزام ''ز'' سے نقل کیا ہے۔ عمدۃ الطالب کے قلمی نسخہ میں ''خزام''، ''خ'' سے درج کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی والدہ ثمامہ خاتون:

حضرت اُمّ البنینؑ اپنی والدہ ثُمامہ اور والد حزام کی طرف سے خاندانی وقار اور اچھے نسب کی مالک تھیں، دوطرفہ اچھے خاندان سے تعلق نے اُمّ البنینؑ کو نہ صرف شجاعت کا مالک بنایا تھا بلکہ ادب اور فضیلت، صبر و شکر بھی آپ کو وراثت میں ملے تھے۔ اُمّ البنینؑ علم و اخلاق، زُہد و تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز تھیں۔ اپنی ان ہی فضیلتوں کے سبب شادی سے قبل بھی شہرت و وقار کی مالک تھیں۔

کلباسی نجفی نے **الخصائصِ العباسیہ** میں لکھا ہے کہ اُم البنینؑ کی والدہ کا نام ثمامہ بنتِ سہیل بن عامر تھا۔ ثمامہ خاتون کا شمار عرب کی صاحبِ دانش خواتین میں ہوتا تھا۔ ثماثہ خاتون ادیبہ بھی تھیں اور اریبہ بھی۔ زیرک و دانا خاتون تھیں۔ اُمّ البنینؑ کو آدابِ عرب آپ نے ہی تعلیم کیے تھے۔ اور وہ تربیت دی تھی جس کی ایک مودّب اور مہذّب دختر سزاوار اور اہل تھیں۔ اور ثمامہ خاتون ہی نے اُمّ البنینؑ کو تمام اخلاقِ پسندیدہ اور آداب حمیدہ تعلیم کیے تھے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کے آباؤ اجداد

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں:

ابو براء عامر بن مالک کلابی کو استسقا کا مرض تھا انہوں نے لبید بن ربیعہ کو ہدایا اور تحائف کے ساتھ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا آپ نے ان کے

ہدیئے تو قبول نہیں کیئے لیکن آپؐ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اس میں اپنا لعاب گرا کر لبید سے کہا اسے پانی میں ملا کر ابو براء کو پلا دو انہیں تعجب بھی ہوا مگر پیتے ہی شفاء ہو گئی۔ (اُم البنین علیہا السلام۔محمد رضا عبد الامیر انصاری۔ص ۸۱ بحوالہ الکنیٰ والالقاب۔ شیخ عباس قمی۔ج ا۔ص ۵۱ اور ادب الطف۔شبر۔ج ا۔ص ۲۷)

عامر بن طفیل کی ملاقات بصورت وفد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی انہوں نے آپؐ سے عرض کی میں ایک شرط پر اسلام لاؤں گا اگر آپؐ مجھے اپنے بعد اسلام اور امت کا امیر مقرر کر دیں آپ مسکرائے اور فرمایا ''یہ امر میرے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے''

(اُم البنین علیہا السلام سیدۃ النساء العرب۔۔سید مہدی سویج الخطیب۔ص ۴۳)

حضرت اُمّ البنینؑ کا قبیلہ اور جنگِ حُنین:

حضرت اُمّ البنینؑ کا قبیلہ کسی جنگ میں شریک ہوتا تھا تو اُسے فتح مندی اور اقبال مندی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا قدرت کا انتظام دیکھئے کہ حضرت عباسؑ کا ننھیال رسول اکرمؐ سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ یہ بھی حضرت عباسؑ اور اُن کی مادرِ گرامی اُمّ البنینؑ کے لیے باعثِ فخر ثابت ہوا۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۷۰۶)

جنگِ حُنین میں حضرت اُم البنینؑ کا قبیلہ بنی کلاب اور بنی کعب دونوں شریک نہیں ہوئے تھے۔ درید بن الصّمہ جشمی جو جشم کا سردار اور رئیس تھا وہ بوڑھا اور نابینا ہو گیا تھا اس نے جب سُنا کہ قبیلۂ بنی کلاب ہوازن کے ساتھ شریک نہیں ہے تو اس نے کہا کہ:-

''خوش نصیبی اور فتح مندی اس لشکر سے دور ہو چکی۔ اگر سعادت و سازگی ہوتی تو یہ دونوں قبیلے ان سے علیحدہ نہ رہتے۔ اور بنی ہوازن یہ جنگ رسول اللہ سے ہار گئے۔ (حیات القلوب صفحہ ۷۰۶)

انصارِ حسینؑ میں خاندانِ اُمّ البنینؑ کے افراد:

انصار حسین علیہ السلام میں شبیب بن جراد بن طھیہ بن ربعہ بن وحید جناب اُم البنین علیہا السلام کے ننھیالی خاندان کے تھے۔

(اُم البنین علیہا السلام سیدۃ النساء العرب۔۔ سید مہدی سوئج الخطیب۔ ص ۴۶)

حضرت اُمّ البنینؑ کے والد حزام کلابی:

آپ کے والد حزام بن خالد بن ربیعہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے ایک جگہ شب کے قیام میں خواب دیکھا کہ آپ ایک سرسبز زمین پر بیٹھے ہیں کہ ایک جانب سے ایک قطرہ ہاتھ پر گرا اور دُرّ بن گیا اور وہ اس کی صفا اور چمک پر متعجب ہوئے کہ ایسے میں ایک سوار آیا اور اس نے بعد تحیہ وسلام کے اس دُرّ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کیا آپ اسے فروخت کریں گے؟ تو حزام نے کہا میں اس کی قیمت نہیں جانتا لیکن کیا آپ اسے خریدیں گے۔ سوار نے کہا کہ میں بھی اسکے حقیقی مول کی معرفت نہیں رکھتا لیکن میں آپ سے یہ خواہش کرتا ہوں کہ آپ یہ دُرّ اس کو ہدیہ کردیں جو اسکا اہل ہے اور اسکا حقدار ہے کہ یہ اس کو تحفہ میں دیا جائے۔ اور میں آپ کو یہ ضمانت دیتا ہوں کہ اس کے پاس آپ کے لئے جو ہے وہ درہم و دینار سے کہیں اعلیٰ ہے۔

حزام۔ وہ کیا شئے ہے جو درہم و دینار سے اعلیٰ ہے؟

سوار۔ میں آپ کو ضمانت دیتا ہوں کہ اس کے اہل کے پاس جو ہے آپ کے لئے ایک مرتبہ اور درجہ خاص اسکی طرف سے اور ابدالآباد کے لئے شرف اور بزرگی کبھی نہ ختم ہونے والی۔

حزام۔ کیا آپ ضمانت لیتے ہیں۔

سوار۔ یقیناً میں اسکی ضمانت لیتا ہوں۔

حزام۔اور آپ اسکے لئے واسطہ اور کفیل بھی بنتے ہیں؟

سوار۔ بالکل، تمام عزم کے ساتھ میں اس کا کفیل اور واسطہ ہونے کو تیار ہوں اگر؟ آپ یہ معاملہ مجھے تفویض کرتے ہیں۔

تو حزام نے یہ معاملہ انکے سپرد کر دیا۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اپنے ہم نشینوں کو یہ خواب سنایا جس پر ایک صاحب نظر نے یہ تعبیر دی کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تمہارے یہاں ایک بیٹی پیدا ہوگی۔اور کائنات کے عظیم لوگوں میں سے ایک اسکی خواستگاری کرے گا اور اسی کے سبب سے تم وہ شرف پاؤ گے جو ابدی ہے۔ پھر جب سفر سے واپسی پر آپ کے یہاں ولادت کے آثار پیدا ہوئے تو آپ نے کہا کہ میں اپنے خواب کو سچ پایا۔ (الخصائص العباسیہ۔الحاج محمد ابراہیم الکلباسی نجفی۔ص۲۶،۲۷)

لسانِ حزام پر مدح مولائے کائناتؑ:

جب جناب عقیلؑ کی آمد پر حزام اپنی زوجہ کے پاس یہ خبر لے کر گئے کہ اُم ّالبنینؑ کے لئے رشتہ آیا ہے۔

زوجہ: کس کا رشتہ؟

حزام۔ **"لفلّال الكتائب، و مظهر العجائب، فارس المشارق و المغارب، اسد الله الغالب، على ابن ابيطالب (عليه السلام)"**

''تلواروں کو کند کر دینے والے، عجائبات کے مظہر، مشارق و مغارب کا یکتا شہ سوار، غالب آجانے والا اللہ کا شیر علی ابن ابیطالب (علیہ السلام)''

باب ۶

حضرت اُمّ البنین

کا شجرۂ نسب

فضیلت نسب و علم انساب:

روئے ارض پر مختلف قوموں نے متنوع علوم کے حصول پر ناز کیا ہے۔ اہلِ روم کے پاس علم طب تھا، اہلِ یونان نے حکمت و منطق پر فخر کیا اہلِ ہند نجوم و شماریات کے علم پر ناز کرتے تھے فارس والے آداب و اخلاق و نفس کے علم میں آگے بڑھ گئے اہلِ چین صنائع یعنی صنعتوں کے علم سے پہچانے گئے اور اہل عرب کو علم الامثال اور علم الانساب میں اہمیت حاصل تھی اور اسے وہ اپنے لیے شرف کا باعث سمجھتے تھے۔

روم و یونان و فارس و ترک و ہند میں نہیں تھا کہ وہ اپنے شجروں کی حفاظت کرتے اور ایک دوسرے کے نسب سے واقف ہوتے مگر عرب اپنے شجرے محفوظ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت آدم تک عربوں کے شجرے محفوظ تھے۔ اور ان شجروں کو بڑی جانچ پرکھ کے ساتھ اور نوک پلک سنوار کر رکھتے اور جس کا نسب مکرم و محترم ہوتا اُس شخصیت کے احترام کو اپنا فرض سمجھتے۔

جب اسلام آیا تو رعایت علم نسب اور اس کی معرفت کی تاکید کی گئی اور اسلام نے اپنی شریعت میں کئی احکامات کی بنیاد علم الانساب پر رکھی۔ اگر علم انساب نہ ہوتا تو میراث اور عاقلہ کے احکام کی کوئی حیثیت نہ ہوتی اسی طرح اگر نسب کی معرفت نہ ہوتو خمس وزکوٰۃ کے احکامات۔ بھی قابلِ عمل نہیں رہتے۔

جب عرب مناسک حج وعمرہ سے فارغ ہوتے تو عکاظ کے بازار میں اپنے اپنے شجرے اور فضیلت نسب حاضرین پر پیش کرتے اور اسے (یعنی اس رسم کو) تمام رسوم حج وعمرہ پر فوقیت حاصل تھی۔

جب قرآن نازل ہوا تو آیت آئی۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۰۰۔

''پس جب تم مناسک حج بجالا چکو تو ذکر خدا کرو اس طرح جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرو بلکہ اُس سے زیادہ''۔

گویا جہاں ایک طرف اسلام نے فضیلت نسب کے اظہار کی مروجہ رسم پر پابندی نہیں لگائی وہیں دوسری طرف اسے پسند بھی کیا کہ ہاں یہ اچھا طریقہ ہے اسی طرح ذکر خدا بھی کرو۔

ھوازن کا ایک وفد رسول اکرمؐ کے پاس آیا دوران گفتگو آپؐ نے سوال کیا کہ تم مال کو اختیار کرتے ہو یا اولاد کو، انہوں نے (اہل ھوازن نے) کہا یا رسول اللہ اگر ہمیں مال اور نسب میں اختیار دیا جائے تو ہم نسب کو اختیار کریں گے اور پسند کریں گے۔

رسولؐ اکرم نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا۔

حضرت ختمی مرتبتؐ کی حدیث ہے۔

"اعرفو أنسابكم تصلو بهٖ ارحامكم"

اپنے نسب اور شجروں کو پہچانوں اور معرفت حاصل کروتا کہ اس طرح تم صلہ رحم کر سکو۔

ایک اور حدیث میں رسولؐ اکرم فرماتے ہیں۔

"تعلّمو مِن انسابکم ما تصلون بہٖ ارحامکم فانّ صلة الرحم محبتے فی الاهل، مثراة فی المال، نساة فی الاثر"۔

''اپنے شجروں کی تعلیم دو اور حاصل کروتا کہ صلہ رحم کر سکو کیونکہ صلہ رحم خاندان میں محبت کا باعث ہے اور مال کی زیادتی اور اپنے آثار اور سنت کی حفاظت کا سبب ہے''۔

(المشجر الوافی فی سلسلة الموسویہ، جلدا، سیّد علی ابو سعید)

محقق سید مہدی رجائی کتاب شجرۃ المبارکہ ''فخر الرازی'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''ارشاد پروردگار ہے سورۂ انساء کی پہلی آیت میں۔

''اے انسانوں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اُس سے اس کی زوجہ کو خلق کیا اور ان دونوں سے بہت مردوں کو اور عورتوں کو، اور اُس اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو اور صلہ رحمی کرو، اس آیت کی تفسیر علم انساب کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں''۔

اس کے بعد سید مہدی رجائی کہتے ہیں کہ اسی طرح آیت مودت

قل لآ اسئلکم ......

کہو اے حبیب کہ میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا مگر صرف قربٰی کی مودت اجر رسالت میں چاہتا ہوں''۔

کی رو سے رسولؐ اکرم کے شجرے کی معرفت حاصل کرنا واجب نہیں اوجب ہے اس لیے کہ جب شجرہ رسالت کی معرفت ہی نہ ہوگی تو مودت کیونکر کی جائے اور کس

سے کی جائے کہ قُربیٰ کون ہیں۔

امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ خطبہ ۹۳ میں رسولؐ اکرم کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

''کہ آپ کا قبیلہ بہترین قبیلہ، آپ کی عترت بہترین عترت، اور آپؐ کا شجرہ بہترین شجرہ ہے (کیا کہنے اس شجرے کے) جو صحن حرم میں پھولا پھلا اور کرمِ الٰہی کے سائے میں پروان چڑھا''۔

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح میں اس خطبہ کی پیغمبرؐ اسلام کی متعدد احادیث جو بنی ہاشمؑ کی شان میں ہیں درج کی ہیں۔

ان احادیث میں سے چند یہ ہیں۔

اس حدیث کو ذخائر عقبیٰ میں محبّ الدین طبری نے عائشہ کی روایت سے لکھا اس کو بیہقی نے دلائل میں، طبرانی نے اوسط میں اور ابن حجر نے امالی میں اس فرق سے لکھا ہے کہ (آپؐ کے آبا میں ہاشم سے کسی کو افضل نہیں پایا)''

رسولؐ اکرم فرماتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا اے محمدؐ میں نے روئے ارض پر آپ سے زیادہ مکرم کسی کو نہیں پایا اور نہ کسی خاندان کو مکرم پایا سوائے بنی ہاشم کے نہ شرق میں نہ غرب میں''۔

فرمایا رسولؐ اکرم نے ''اہل محشر کے سیّد و سردار بھی وہی ہونگے جو دنیا میں سیّد و سردار ہیں اور وہ میں ہوں، علیؑ ہیں، حسنؑ و حسینؑ ہیں، حمزہؑ ہیں اور جعفرؑ ہیں''۔

رسولؐ اللہ فرمایا کرتے تھے۔

انا النبی لاکذب   **انا ابن عبدالمطلبؑ**

میں نبیؐ ہوں کہ سچ یہی ہے   اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

اورآپؐ ہی نے فرمایا کہ "انا ابن الاکرمین"

میں کریم اشخاص (کی اولاد ہوں) کا بیٹا ہوں

ایک اور حدیث یہ ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے (حدیث قدسی)

''اے بنی ہاشم نہیں بغض رکھتا تم سے کوئی مگر یہ کہ میں اُسے جہنم کی پستی میں اوندھے منہ پھینک دوں گا''۔

رسولؐ اکرم فرماتے ہیں۔

گھٹیا لوگ ہیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت فائدہ نہیں دیتی، یقیناً میری قرابت نفع بخش ہے اور باتحقیق میرے اہل سے کوئی بغض نہیں رکھے گا مگر یہ کہ اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا''۔

یہ وہ احادیث تھیں جنھیں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ خطبہ ۹۳ کے ضمن میں صفحہ ۱۸۱ پر تحریر کیا ہے جلد ۲۔

اسی طرح رسولؐ اکرم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آپؐ نے فخر کرتے ہوئے فرمایا۔

"انا ابن الذبیحین"

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں (ایک ذبیح اللہ اسماعیلؑ اور دوسرے ذبیح اللہ عبداللہ)

حدیث:- "انا ابن العواتك والفواطم"

میں عاتکاؤں کا بیٹا ہوں میں فاطماؤں کا بیٹا ہوں۔

"کلھُن طاھرات سیّدات"

اور وہ سب کی سب پاک و پاکیزہ اور سیدانیاں ہیں۔

یہ رسولؐ اکرم کا اپنے نسب پر فخر اور ناز تھا۔

جناب ہاشم کی والدہ کا اسم گرامی عاتکہ، جناب وھب کی والدہ عاتکہ، جناب

عبدمناف کی والدہ عاتکہ اسی طرح رسولؐ اکرم کی جدّہ گرامی یعنی جناب عبداللہ اور ابوطالبؑ کی والدہ کا اسم گرامی، فاطمہ تھا جناب قصیؑ کی والدہ فاطمہ تھیں، جناب آمنہ کی والدہ فاطمہ تھیں، جناب خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہؑ تھا، جناب حمزہؑ کی بیٹی فاطمہ تھیں رسولؐ اکرم کی دختر فاطمہؑ تھیں، جناب امیرؑ کی والدہ فاطمہؑ تھیں، امام حسینؑ اور امام حسنؑ کی بیٹیوں کے نام فاطمہؑ تھے اور پھر بعد تک ہر امام کی بیٹیؑ کا نام فاطمہؑ۔

ماؤں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے یہ رسولؐ کا شجرہ سب سے بلند اور ارفع واعلیٰ شجرہ نسب ہے اسی لیے آپؐ نے فرمایا:-

"کلُ حسبٍ و نسبٍ یَنقطِعُ فی القیامۃِ اِلّٰہ حسبیِ و نسبی"

''ہر حسب ونسب قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے''

حسب ونسب کی یہ بلندی نہ کسی اور گھرانے نے پائی اور نہ اللہ نے کسی کو عطا کی کہ صرف رسولؐ کی نسبت اور نسب کا یہ احترام اور عظمت ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ جس نے اولاد عبدالمطلبؑ میں سے کسی پر احسان کیا اور روز محشر اگر اس کے پاس پروانہ جنت نہ ہوا تو میں اُسے پروانہ جنت عطا کروں گا''۔

(صاحب وسیلۃ النجاۃ فرنگی محلی صفحہ ۵۵ لکھنؤ)

اسی نسبی احترام اور عظمت کے سلسلے میں ایک اور حدیثِ رسولؐ ہے کہ جو میری اولاد میں قیامت تک گناہگار رہیں ان کا احترام میری وجہ سے کرو اور جو متقی ہیں ان کا احترام خدا کی وجہ سے کروٗ''

نہ صرف یہ کہ احترام اور تعظیم بلکہ اپنی معاشرت میں خاندان رسولؐ اور افراد بنی ہاشم کو مقدم کرنا اور ترجیح دینا بھی حکم رسولؐ ہے۔

محبّ الدین طبری نے ذخائر عقبیٰ صفحہ ۲۵ پر زید بن اسلم سے اس نے اپنے باپ

سے اس نے عمر ابن خطاب سے کہ :-

ابن خطاب نے کہا زبیر سے (زبیر بن عوام) کہ حسنؑ ابن علی علیل ہیں کیا تم نے عیادت کی زبیر نے عذر ظاہر کیا تو عمر ابن خطاب نے کہا کہ :- بنی ہاشم کی عیادت فریضہ ہے اور زیارت نافلہ یعنی مستحب یا سنت ہے۔

قرآن مجید نے آل رسولؐ کو خواہ معصوم یا غیر معصوم سب کو مصطفیٰ کہا ہے اور آئمہ علیھم السلام سے خصوصاً امام رضا علیہ السلام سے، امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور امام زین العابدین علیہ السلام سے سورۃ فاطر کی آیت ۳۲ کی تفسیر میں تیس ۳۰ احادیث ہم تک پہنچی ہیں جن میں آپ نے فرمایا اس آیت کا مصداق سادات ہیں آل رسولؐ ہیں۔ آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

سورۂ فاطر آیت ۳۲

''پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان بندوں کو بنایا ہے جنھیں ہم نے مصطفیٰ کیا ہے ان میں سے بعض ظالم النفسہ ہیں، بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے یہ لوگ جنت عدن میں جائیں گے۔ الاخر۔

امام نے فرمایا ظالم النفسہ (یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہونگے) سے مراد گنہ گار ہیں، میانہ رو سے مراد متقی ہیں اور سابق" بالخیرات سے مراد آئمہ معصومین ہیں۔ یہ سب اولادرسولؐ اور سادات ہیں۔

رسولؐ اکرم نے فرمایا:-

''جس نے قیامت تک میری اولاد کے کسی فرد سیّد کے ہاتھ کو بوسہ دیا گویا اُس نے میرے ہاتھ پر بوسادیا''۔

حضرت علیؑ اور اُمّ البنین کا شجرہ:

حضرت ابراہیمؑ۔اسمٰعیلؑ۔قیدار۔نبت۔سلامان۔ہمیسع۔

الیسع۔عود۔عدنان معد۔نزار۔مضر

۱۔ الیاس	قیس
۲۔ مدرکہ	غیلان
۳۔ خُزیمہ	عکرمہ
۴۔ کنانہ	منصور
۵۔ نضر	ہوازن
۶۔ مالک	جعفر
۷۔ فہر	زید
۸۔ غالب	صعصعہ
۹۔ لوی	عامر
۱۰۔ کعب	ربیعہ
۱۱۔ عدی	عامر
۱۲۔ مرّہ	کلاب
۱۳۔ کلاب	عامر
۱۴۔ قصیٰ	کعب
۱۵۔ عبدمناف	عامر معروف بہ الوحید
۱۶۔ ہاشم	ربیعہ
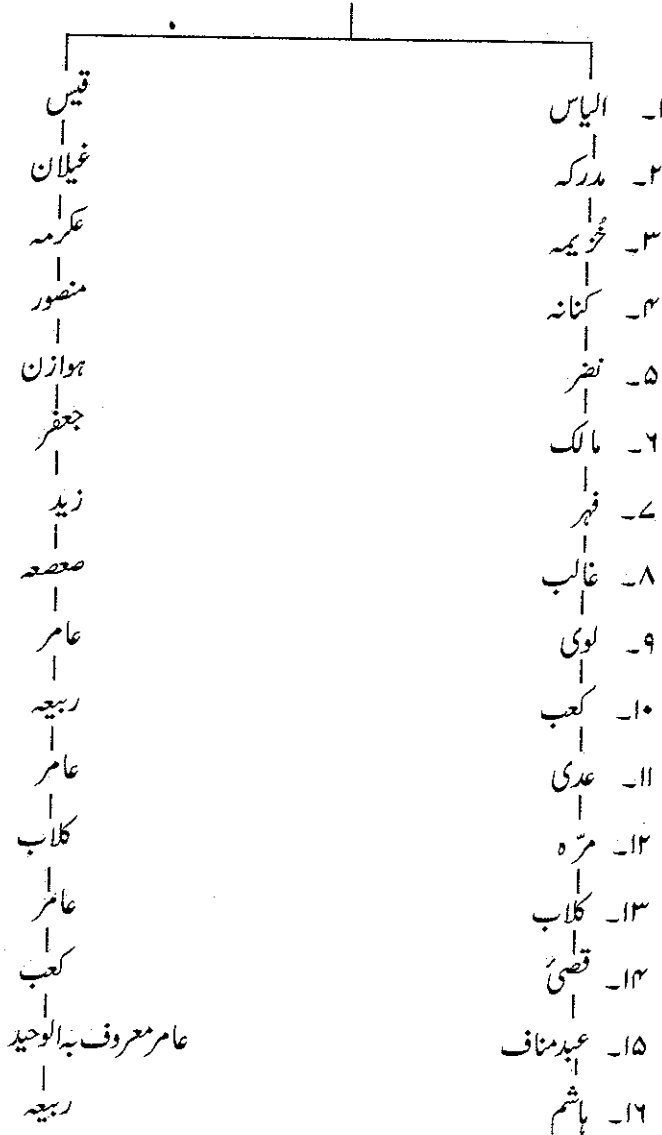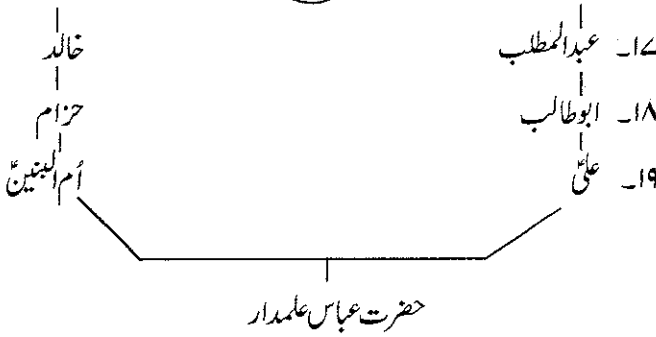
جناب اُمّ البنین کا باپ کی طرف سے نسب نامہ:

مورخین کا بیان ہے کہ اُم البنین یعنی فاطمہ کلابیہ کا نسب نامہ یوں ہے:- فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ بن عامر المعروف بالوحید بن کعب ابن عامر بن کلاب بن عامر بن ربیعہ ابن عامر بن صعصعہ بن زید بن بکر بن ہوازن (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۸۔ مقتل عوالم صفحہ ۹۳ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷۔ عمدۃ المطالب صفحہ ۳۳۴۔ ابصار العین صفحہ ۲۶۔ مطالب السؤل صفحہ ۲۱۵۔ ابن ابی الحدید جلد ا۔ صفحہ ۵۰۶ تنقیح المقال طبع ایران ۱۲۶۷ھ)

جناب اُمُّ البنینؑ کا ماں کی طرف سے نسب نامہ:

صاحبِ ''ابصار العین'' لکھتے ہیں کہ اُمّ البنین کی ماں ثمامہ بنت سہیل بن عامر بن مالک ابن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور ثمامہ کی ماں عمرہ بنت طفیل (فارس قرزل) ابن مالک الاخزم بن جعفر ابن کلاب (رئیس الہوازن) تھیں۔ اور عمرہ کی ماں کبشہ بنت عروۃ الرجال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور کبشہ کی ماں اُم الخشف بنتِ فارسِ ہوازن بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصہ تھیں۔ اور اُم الخشف کی ماں فاطمہ بنت جعفر بن کلاب تھیں اور فاطمہ کی ماں عاتکہ بنت عبد شمس بن عبد

مناف ابن قصی ابن کلاب تھیں۔اور عاتکہ کی ماں آمنہ بنت وہب بن عُمیر بن نُصیر بن قعین بن حرث بن ثعلبہ بن ذودان بن اسد بن حزیمہ تھیں۔اور آمنہ کی ماں دختر حجدر بن ضبیعہ الاغر بن قیس بن ثعلبہ بن عکاشہ بن صعصعہ بن زید بن بکر بن وائل بن ربیعہ بن نزار تھیں اور ان کی والدہ دختر مالک بن قیس بن ثعلبہ تھیں۔اور ان کی ماں دختر ذوالراسین۔خشین بن ابی عصم ابن شمخ بن فزارہ تھیں اور ان کی ماں دختر عمرو بن حرمہ بن عوف بن سعد بن زیبان بن بغیض بن الریث ابن غطفان تھیں (ناسخ التواریخ جز ۳ صفحہ ۷۰۳۔طبع ایران) علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔

''حضرت اُمّ البنینؑ کا نسب نہایت ہی عمدہ اور آپ نہایت ہی شریف خانوادے سے ایک شریف النفس اور انتہائی پاک و پاکیزہ خاتون تھیں'' (مائتین صفحہ ۴۴۰)

باب ۔۔۔۔۔۔ ۷

اُمُّ البنین اور حضرت علی علیہ السلام

کی شادی

حضرت اُمّ البنینؑ کا خواب:

فاطمہ اُمّ البنین صلواۃ اللہ علیہا کسی دن صبح سویرے اپنی ماں ثُمامہ دختر سہیل کلابی کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی میں نے رات خواب میں ایک خوبصورت جوان کو دیکھا ہے۔ والدہ نے کہا تمہارے لیے خیر ہو۔ یہ اچھا خواب ہے۔ فاطمہ نے مزید عرض کی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ آسمان سے چاند اور تین ستارے میری گود میں نازل ہوئے ہیں۔ میں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا۔ جس سے مجھے خوشی محسوس ہو رہی تھی ایسے میں خواب سے اچانک بیدار ہوئی تو دامن میں کوئی چیز نہیں پائی جس سے میں غمگین ہوئی۔

میری ماں نے فرمایا چلو میرے ساتھ تا کہ کسی سے اس کی تعبیر دریافت کرلیں۔ اپنے قبیلے کے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہوسکتی ہے اس نے جواب

دیا تیرے لیے اور بیٹی کے لیے خوشخبری ہے کہ اس لڑکی کا ایک شریف و عظیم ذات سے جلد رشتہ ہوگا۔ اس کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہونگے۔ سب سے بڑا بیٹا تیرے قبیلے کے درمیان ایسا نمایاں اور ممتاز ہوگا جیسے کہ ستاروں کے درمیان چمکنے والا قمر ہوتا ہے۔ جب تعبیر کرنے والے سے یہ خوشخبری سنی تو والدہ ثمامہ کلابی نے اپنی بیٹی کو غور سے دیکھا اور فاطمہ کلابیہ نے شرم وحیاء سے سر نیچے جھکا دیا۔ اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئیں جب ماں اور بیٹی گھر پہنچے اور ابھی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، دیکھا تو جناب عقیل ہیں کہ حضرت علیؑ کی طرف سے منگنی کے لیے تشریف لائے ہیں۔

حالانکہ اس وقت بڑے بڑے خاندان اور قبیلے کے سرداروں کے گھروں میں بہت عورتیں رشتے کے قابل موجود تھیں۔ جیسے قبیلہ ربیع۔ بنی تمیم بنی غطفان اور بنی ھوازن وغیرہ۔ اور عقیل خود انساب عرب کو اچھی طرح جانتے تھے اس لیے رشتے کا انتخاب بنی کلاب سے کیا۔ (حیدر الرجانی)

عقد جناب اُمّ البنینؑ:

افسوس کی بات ہے کہ قدیم ترین موءرخین نے بہت سے اہم تاریخی واقعات کے ساتھ اس عقد کے تذکرہ کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اس کی ''انفرادی'' نوعیت کا تقاضا تھا کہ اُس کے حالات نقل کئے جاتے اور یہ بتایا جاتا کہ امیر المومنینؑ نے ایک ''مخصوص'' فرزند کی تمنا میں جس عقد کا اہتمام کیا تھا اُس کا انداز کیا تھا......اور اُس عقد کے کیفیات کیا تھے؟۔

بعض فارسی مقاتل نے کسی قدر تفصیل بیان کی ہے۔ صاحبِ بصیرت انسان حالات و مقدمات کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ جناب امیرؑ نے اس عقد کے لیے کیا اہتمام کیا ہوگا اور جناب اُم البنینؑ کا اس مقدس گھر میں کیا کردار رہا ہوگا۔

حالات و کیفیات پر نظر رکھنے والا انسان اس واقعہ کی تصدیق کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ''جناب اُمّ البنینؑ نے مولائے کائناتؑ کے بیت الشرف میں قدم رکھتے ہی آستانِ مبارک کو بوسہ دیا اور شہزادوں کی خدمت میں عرض کی ''میں تمھاری ماں بن کر نہیں آئی ہوں بلکہ ایک خادمہ کی حیثیت سے آئی ہوں''۔

اس واقعہ کا عرفانی ثبوت یہ ہے کہ جناب اُمّ البنینؑ مولائے کائنات کے علاوہ صدیقہ طاہرہؑ کی عظمت سے بھی باخبر تھیں۔ اُنھیں یہ معلوم تھا کہ فاطمہ زہراؑ اسی جلیل القدر خاتون کا نام ہے جس کے عقد کا اہتمام خالقِ کائنات نے بالائے عرش کیا تھا اور جس سے شادی کی ہر خواہش کو سرکارِ دو عالمؐ نے رد کرتے ہوئے وحی کا یہ فیصلہ سنایا تھا کہ ''اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔

ایسے مقدس گھرانے میں قدم رکھتے ہوئے حضرت اُمّ البنینؑ کو یہ احساس ہونا ناممکن ہے کہ میں فاطمہؑ زہرا ہی کی طرح علیؑ کی ایک زوجہ ہوں۔ یا مجھے واقعاً مادرِ سبطینؑ کہے جانے کا حق حاصل ہے حاشا و کلا۔

جناب اُم البنین کی بلندیِ نفس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اُن کے ذہن میں صرف یہی احساس رہا ہوگا کہ اسلام کو ایک مجاہدِ راہِ خدا کی ضرورت ہے اور اس ضرورت نے مجھے اس آستانۂ مقدس تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں بیتِ زہراؑ؟

حضرت اُمّ البنینؑ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مالکِ کائنات نے شہزادیٔ کونینؑ کو یہ بھی شرف عطا کیا ہے کہ اُن کی موجودگی میں مولائے کائناتؑ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا اور یہ شرف تاریخ میں صرف دو ہی خواتین کو عطا ہوا ہے ایک جناب فاطمہؑ اور ایک اُن کی والدۂ گرامی جناب خدیجہؑ۔

سرورِ کائنات نے جناب خدیجہؑ کی حیات تک کسی خاتون سے عقد نہیں فرمایا۔ اور مولائے کائنات نے صدیقۂ طاہرہؑ کی زندگی بھر عقدِ ثانی نہیں فرمایا۔ الٰہی مصالح کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسلام نے عقدِ ثانی کو ''عدالت'' سے مشروط کیا ہے اور یہ قانون بنادیا ہے کہ جب تک تمام ازدواج میں عدالت وانصاف ممکن نہ ہو ایک عقد کے بعد دوسرا عقد کرنا جائز نہیں ہے۔

عدالت کے حدود کے بارے میں روایات میں جو اشارے ملتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری سلوک کی برابری تو بہر حال ضروری ہے۔ حتیٰ الامکان یہ سعی بھی ہونی چاہیئے کہ قلبی رجحان میں بھی فرق نہ آنے پائے..... یہ بات صرف اُن حدود تک معاف کی جاسکتی ہے جہاں تک اسلام کے احترامِ فضائل وکمالات کے قوانین اجازت دیتے ہوں۔ اس کے بعد زوجیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ گھر کا سہانا ماحول ''وحشت کدہ'' میں تبدیل ہوجائے گا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ کسی بھی قیمت پر دیگر ازواج کو جناب خدیجہؑ کے برابر نہیں قرار دے سکتے تھے۔ خدیجہ صرف زوجۂ رسولؐ نہیں تھیں کہ انھیں دیگر ازواج کے برابر قرار دے دیا جائے۔ اُن کو کچھ الگ امتیازات حاصل تھے۔ اُن کے عقد کی ایک انفرادی شان تھی جس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ اُن کے ساتھ عام خواتین جیسا برتاؤ کیا جائے۔ یہ عدم مساوات کا اندیشہ معاذ اللہ نفسِ رسولؐ کی کمزوری کی بناء پر نہیں تھا کہ اُس کے مقابلے میں عصمت کو لایا جاسکے۔ اُس کی بنیاد فضائل وکمالات کا امتیاز تھا جسے کسی منزل پر نہیں مٹایا جاسکتا تھا۔

خود سرورِ کائناتؐ نے بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جب حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ آپ ایک ضعیف عورت کو برابر یاد کئے جارہے ہیں، مالک نے آپ کو اُس سے

بہتر ازواج عطا کردی ہیں..... تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ خدیجہؑ کے برابر کون ہوسکتا ہے۔ وہ اُس وقت ایمان لائیں جب کوئی ایمان لانے والا نہ تھا..... اُنھوں نے اُس وقت میری تصدیق کی اور اپنے اموال سے میری مدد کی جب کوئی سہارا دینے والا نہ تھا.....اُن کے ذریعہ مالک نے مجھے اُس وقت صاحبِ اولاد بنایا۔ جب لوگ ابتر کے طعنے دے رہے تھے، کسی اور خاتون کو یہ شرف حاصل نہیں ہے''۔

خدیجہ بنیادِ کوثر ہیں۔ خدیجہؑ جوابِ طعنۂ ابتر ہیں.....خدیجہؑ کے ازدواج میں کسی مصلحت و سیاست کا امکان نہیں ہے۔ خدیجہؑ کی زندگی پر کسی حرص و طمع کا الزام نہیں ہے.....خدیجہؑ نے سماجی بندھنوں کو توڑ کر عقد کیا ہے.....خدیجہؑ نے رسم و رواج پر ضربِ کاری لگا کر پیغمبری مشن کو تقویت پہنچائی ہے، خدیجہؑ نے دولت کو فضائل کا احترام سکھایا ہے۔ خدیجہؑ نے مال و علم کی قدر و قیمت کو واضح کیا ہے۔

خدیجہؑ کے علاوہ کسی خاتون کے عقد کو یہ امتیازات حاصل نہیں ہیں۔ قدرت نے بھی نہیں چاہا کہ خدیجہؑ کی انفرادی شخصیت پر حرف آنے پائے اس لیے اُس وقت تک اپنے حبیب کو دوسرے عقد کی اجازت نہیں دی جب تک خدیجہؑ کو اس دنیا سے اُٹھا نہیں لیا۔

جناب فاطمہ زہراؑ کے عقد کی مصلحت اور بھی زیادہ واضح ہے کہ جب قدرت خدیجہؑ جیسی غیر معصومہ ہستی کی صحبت میں دوسری خاتون کو شریک نہیں بنا سکتی اور اُس کے مراتب و مناقب کا اِس انداز سے تحفظ کرنا چاہتی ہے تو فاطمہؑ تو بہر حال معصومہ ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں کسی دوسری خاتون کے آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ کائنات کا اول و آخر عقد ہے جو اس نوعیت سے واقع ہوا ہے.....ورنہ ہر عقد میں ایک ہی فریق معصوم ہوا ہے اور دوسرے فریق کو درجۂ عصمت حاصل نہیں رہا ہے۔ یہ صرف عقدِ زہراؑ و علیؑ کا امتیاز ہے کہ شوہر بھی معصوم ہے اور زوجہ بھی معصومہ۔

اور شائد یہی وجہ ہے کہ کائنات کا ہر عقد روئے زمین پر ہوا ہے لیکن عقدِ زہراؑ عرشِ اعظم پر کیا گیا ہے .....کہ غیر معصوم کا عقد زمین پر ہوگا تو جب طرفین معصوم ہوں گے تو عقد کا اہتمام بھی مالکِ کائنات کی طرف سے کیا جائے گا۔

ایسے حالات کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد جناب اُم البنینؑ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے کو ''زوجیت'' کے اعتبار سے جناب فاطمہؑ کے برابر سمجھتی ہوں.....اور زہراؑ مرضیہ کے بیت الشرف کو اپنا ''خانۂ زوجیت'' تصور کرتی ہوں...... یا اُن کے شہزادوں کے لیے اپنے کو ماں کا درجہ دیتی ہوں۔

اُمّ البنینؑ عرفانِ کامل کی منزل پر فائز تھیں۔ اُن سے عقد ایک اہم مصلحت کے تحت ہوا تھا۔ اُن کے بارے میں اعزاز و احترامِ بیتِ رسالت کا جو تصور بھی قائم کیا جائے وہ کم ہے۔ تاریخ کے واقعات ان واقعات کی شہادت دیں یا خاموش رہ جائیں۔ حقیقت خود اپنی ایک زبان رکھتی ہے۔ (قمر بنی ہاشم از علامہ سیّد ذیشان حیدر جوادی)

حضرت علیؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ کی شادی مرزا دبیر کے الہامی کلام میں:

مرزا دبیر کی زندگی کا آخری مرثیہ ہے:-

انجیلِ مسیحِ لب شبیرؑ ہیں عباسؑ

یہ مرثیہ ابھی ۸۱ بند تک پہنچا تھا کہ مرزا دبیر کا انتقال ہو گیا۔ مرثیے کے ابتدائی ۲۴ بند حضرت عباسؑ کے مناقب و فضائل میں ہیں پچیسویں بند سے مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے حضرت اُمّ البنین کے عقد کی روایت نظم کی ہے۔ تیس بند شادی کی تفصیلات و منظر نگاری کو بیان کرتے ہیں۔ مرزا دبیر نے اس عقد کی تاریخ ۱۷ر رجب لکھی ہے۔

﴿۱﴾

القصہ عزیزوں میں ہوا شوق یہ سب کو
شادی ہو شبِ ہفتدہم ماہ رجب کو
پیغام تقرر کا گیا شاہ عرب کو
زوجہ نے کیا یاں طلب اُس خیر طلب کو
پوچھا مرا داماد پیمبرؐ کا وصی ہے
یہ بولا کہ ہاں نام خدا نام علیؑ ہے

﴿۲﴾

اورنگِ نشین ہل اتیٰ اور خواجۂ قنبر
معراج گزین فلک دوش پیمبرؐ
سب اُن کے ہیں محکوم چہ خاقان چہ قیصر
سب زیرِ نگیں ہیں چہ سلیمان چہ سکندر
ہے یہ برکت نامِ مبارک میں اُسی کے
گرتے ہوئے تھم جاتے ہیں کہنے سے علیؑ کے

﴿۳﴾

بولی وہ عفیفہ میں ہوئی شاد خوشاحال
اے شکر یہ شادی ہے خداداد خوشا حال
کی فاطمہؑ کی روح نے امداد خوشا حال
دامادِ خدیجہ میرا داماد خوشا حال
دھیان اُن کو ہے لونڈی کی غریبی کا جناں میں
لونڈی یہی تو دم بھرتی ہے بی بی کا جہاں میں

﴿۴﴾

تھی دختر پاک اُس کی مسمےٰ بحمیدہ
بسم اللہ مجموعۂ اوصاف حمیدہ
تقویٰ و طہارت کے جریدے میں جریدہ
دل روزِ ازل سے تھا مگر درد رسیدہ
سقائے سکینہؑ کی وہ مظلومہ جو ماں تھی
اک نہر فرات آنکھوں سے ہر وقت رواں تھی

﴿۵﴾

ہاجر ادب و سارا نسب آمنۂ ایمان
حور ارم و زہد و درع مریم دوران
پوشاک بدن پردۂ ستّاری یزدان
دامان تھا سجادۂ بلقیس سلیمان
رُخ اپنے ہی پر تو کا جو برقع میں نہاں تھا
خورشید صفت کنبہ میں مخفی وعیاں تھا

﴿۶﴾

حجرے میں حمیدہ کے جو ماں اُس کی در آئی
فانوس میں اک شمع درخشاں نظر آئی
لینے کو بلائیں جو وہ نزدیک تر آئی
چپکے سے کہا لے مری امید بر آئی
اب فخر عرب قوم ہماری ہوئی بیٹا
نسبت شہِ مرداں سے تمہاری ہوئی بیٹا

﴿۷﴾

ناگاہ وہ شام آئی کہ جو صبح سے لے باج
غازہ رخ عیدین کا نوروز کی سرتاج
حُسنِ شبِ قدر و شبِ بدر و شبِ معراج
تھی رات بھی نازاں کہ علیؑ کی ہے برات آج
کثرت وہ ستاروں کی شب جلوہ فگن پر
مشاطوں کا جھرمٹ تھا شب عقد دولہن پر

﴿۸﴾

سج دھج تھی عروس شب شادی کی نرالی
پھولی شفق شام کے لالے کی جو لالی
ہلکی سی لبِ بام فلک اُس نے جمالی
پازیب بھی اور کان کے بندے بھی ہلالی
موباف زری نظم کیا کاہ کشاں کو
مضمون بھی چوٹی کا ملا اہلِ زباں کو

﴿۹﴾

ایوان مبارک سے برآمد ہوئے حیدرؑ
جس طرح محل سے شب معراج پیمبرؐ
عرشی فلکی فوج پہ فوج آئی زمیں پر
ملبوس بدن عطر سے جنت کے معطر
تھا ساتھ ہر اک وقت خدا اپنے ولی کے
آتی تھی ندا ہم بھی براتی ہیں علیؑ کے

﴿۱۰﴾

دارم کے قبائل میں گیا نور کا آیا
اس قبلہ کے لینے کو قبیلہ وہ سب آیا
ایک ایک نے آنکھوں کو سر راہ بچھایا
یوں دوڑ کے قدموں پہ گرے جیسے کہ سایا
جتنے تھے براتی وہ رہے راہ گذر میں
تنہا یہ درِ علم گیا بیاہ کے گھر میں

﴿۱۱﴾

حجلے میں حضور آئے کہ داخل ہوئی رحمت
پردے میں دلہن دولہا پہ نازل ہوئی رحمت
سب ہٹ گئے رحمت کے مقابل ہوئی رحمت
ہرحال حمیدہ کے یہ شامل ہوئی رحمت
حجلے میں عجب نور کی کشتی نظر آئی
آراستہ پوشاکِ بہشتی نظر آئی

﴿۱۲﴾

وہ تافتہ و سندس و استبرق جنت
تھا بافتۂ رشتۂ نور ید قدرت
سنجاف کی جا گردِ رقم آیۂ رحمت
دیکھا جو حمیدہ نے سراپا ہوئی حیرت
فرمان خدا سے یہ منادی نے ندا کی
لے زوجۂ حیدر یہ عنایت ہے خدا کی

﴿۱۳﴾

لکھتا ہوں میں ایجاب و قبول طرفین اب
رو رو کے ہوئے نعرہ زناں اسدِ رب
واللہ کہ اس عقد میں عمدہ ہے یہ مطلب
ہو دفترِ افواجِ خدا جلد مرتب
شبیرؑ ہے عباسؑ خوش اطوار نہیں ہے
سردار ہے دنیا میں علمدار نہیں ہے

﴿۱۴﴾

اک دن میرے شبیرؑ سے پھر جائیں گے سب ہائے
دوپہر میں لٹ جائے گا گھر ہائے غضب ہائے
زینبؑ پہ رہے گا چھ مہینے یہ تعب ہائے
دربار میں دن گذرے گا زنداں میں شب ہائے
ہم ماتمِ شبیرؑ پہ امداد کریں گے
زہراؑ بھی اسی غم میں موئیں ہم بھی مریں گے

﴿۱۵﴾

اس عقد میں یہ عہد یہ پیماں ہیں ہمارے
بخشے گا تجھے ربّ عُلا چار ستارے
یہ ہوئیں گے پیارے کہ بنی فاطمہ پیارے
یہ فرش کے تارے ہیں وہ ہیں عرش کے تارے
چاہے گی زیادہ کسے بیٹوں میں علیؑ کے
عباسؑ کو اپنے کہ نواسوں کو نبیؐ کے

﴿۱۶﴾

اُجڑا میرا گھر مر گئیں خاتونِ خوش اطوار
دو بیٹیاں بن ماں کی ہیں دو بیٹے دل فگار
ہوگا میرا شبیرؑ مصیبت میں گرفتار
یثرب میں نہ کعبہ میں اماں دیں گے جفا کار
پر ماریہ کی صبح غضب شام غضب ہے
عاشور کی ظہرین کا انجام غضب ہے

﴿۱۷﴾

اُس روز میرے کہنے کا دھیان کرے گی
پوتوں کے تو سہرے کا نہ ارمان کرے گی
مجھ پر میرے اللہ پر احسان کرے گی
فرزندوں کو شبیرؑ پہ قربان کرے گی
پہلے تیرے بیٹوں پہ رواں تیغِ ستم ہو
پھر بوسہ گہہ احمدِؐ مختار قلم ہو

﴿۱۸﴾

یہ سنتے ہی حجلہ میں ہوا شیون و ماتم
وہ بیاہ کا گھر تعزیہ خانوں سے نہ تھا کم
گھونگھٹ میں حمیدہ کو ہوا سکتے کا عالم
گوندھا ہوا سر کھول کے زانو پہ کیا خم
ایمان پکارا یہ نہیں وقت حیا کا
اقرار کرو شاہ شہیدان کی ولا کا

۱۹

چلائی حضور آپ جو فرمائیں میں راضی
بیٹے میرے شبیرؑ کے کام آئیں میں راضی
بابا سے میرے آپ یہ لکھوائیں میں راضی
سب کنبے کی مہریں ابھی ہوجائیں میں راضی
طاعت نہ کروں میں جو حسینؑ ابنِ علیؑ کی
لونڈی نہ خدا کی نہ تمھاری نہ نبیؐ کی

۲۰

حضرت نے کہا اجر و جزا دے تجھے غفار
بی بی ترے ممنون ہوئے احمدِؐ مختار
شبیرؑ پہ تھے فاطمہ زہرؑا کے یوں ہی پیار
حاجت نہیں لکھنے کی تو ہے صادق الاقرار
جنت سے پیمبرؐ کی ندا آئی میں شاہد
اور عرش سے آواز خدا آئی میں شاہد

۲۱

لکھتا ہوں باب آیات اور اخبار سے یہ عقد
باندھا گیا اس رشتۂ اقرار سے یہ عقد
خالق نے پڑھا عرش پہ کس پیار سے یہ عقد
قدسی پہ کُھلا عالم اسرار سے یہ عقد
کونین میں دولت تھی جو تسلیم و رضا کی
اسباب جہیز میں انہیں حق نے عطا کی

﴿۲۲﴾

انجم کی چراغاں ابھی باقی تھی جہاں میں
جو نوبتِ رخصت کا ہوا شور مکاں میں
بے رنگ ہوا حجلہ چمن جیسے خزاں میں
ماں باپ دولہن کے ہوئے مشغول فغاں میں
باہر سے محافہ جو گیا بیاہ کے گھر میں
سیاروں نے پھر گشت نہ کی راہ گذر میں

﴿۲۳﴾

نازل جو محافہ میں ہوئی آیت رحمت
پھر بخت کنیزوں کے کُھلے رحل کی صورت
ہاتھ آئی محافہ کے اُٹھانے کی جو دولت
کاندھوں پہ فرشتوں کے ملا پایۂ رفعت
رتبے میں ملائک کے مقابل تھیں کنیزیں
بالائے زمیں عرش کی حامل تھیں کنیزیں

﴿۲۴﴾

القصہ بدلتی ہوئیں کاندھا دم رفتار
پہنچیں عقبِ در جو کنیزانِ خوش اطوار
چلائی محلدار خبردار خبردار
پردہ میں اُٹھاتی ہوں اُدھر کون ہے ہشیار
باہر سے ندا دی ملک و حور نے ہم ہیں
سب حلقہ بگوشاں شہنشاہ امم ہیں

﴿۲۵﴾

ہم تابع فرمانِ علیؑ ہیں دل و جاں سے
آئے ہیں محافے کو اُٹھانے کو جناں سے
یہ کہہ کے پڑھا سورۂ اخلاص زباں سے
کاندھے پہ محافے کو لیا شوکت و شاں سے
اندھیر تھا مشعل کا دھواں چشم ملک میں
روشن تھے چراغ آنکھوں کے فانوسِ پلک میں

﴿۲۶﴾

تھی شب کو محافے میں وہ بلقیس زمانی
یا سورۂ واللیل میں خورشید معانی
یاں خواہشِ تقدیر پہ دل ہوتا ہے پانی
آئی تھی جو یثرب میں بہتّر کی سنانی
دروازے یہ نعلین بھی چادر بھی پڑی تھی
انبوہ میں سر ننگے یہی بی بی کھڑی تھی

﴿۲۷﴾

القصہ کنیزوں نے حمیدہ کی سواری
بیت الشرف شاہ ولایت میں اُتاری
ویران محل دیکھ کے رقت ہوئی تاری
زینبؑ کو کلیجہ سے لگایا کئی باری
کیا دونوں کی آداب شناسی کا بیاں ہو
یہ کہتی تھیں لونڈی ہوں وہ فرماتی تھیں ماں ہو

﴿۲۸﴾

ناگاہ ہوا خانۂ خورشید ضو افگن
لوح فلک سبز پہ لکھا خط روشن
کیا دیکھتے ہیں شاہ نجف نائب ذوالمن
بازوئے حمیدہ پہ ہے اک لوح مزیّن
نقش اُس پہ ہے باریک مگر خط سے جلی ہے
یہ دستخطِ خاص قدیر ازلی ہے

﴿۲۹﴾

پوچھا جو علیؑ نے تو یہ بولی وہ خوش ایماں
اے نقطۂ بائے سر بسم اللہ قرآں
پیدا ہوئی جس شب یہ کنیز شہ مرداں
اماں کو ندا آئی کہ ہشیار و نگہباں
ایں بدر شبستانِ شہِ بدر و حنین است
ایں مادرِ عباسؑ علمدار حسینؑ است

﴿۳۰﴾

فرمایا علیؑ نے کہ ہماری تھی وہ آواز
کی عرض سنا آج یہ اے قبلۂ اعجاز
خالق نے کیا عہد ولادت سے سرافراز
بالیں کے تلے مل گئی یہ لوح خدا ساز
اللہ کرے لوح جبیں پر یہ لکھا ہو
شبیرؑ پہ لونڈی مع اولاد فدا ہو
(مرزا دبیر)

مرزا دبیر کہتے ہیں:-

حضرت اُمّ البنینؑ کے والد گرامی حزام کلابی کے یہاں جب حضرت علی علیہ السلام کا پیغام پہنچا، حضرت اُمّ البنین کی والدہ ثمامہ کلابیہ نے خوشی کے عالم میں اپنے شوہر سے پوچھا کیا رسول اللہؐ کا داماد اور وصی میرا داماد بنے گا۔

حزام نے کہا:- مبارک ہو، ہاں علیؑ اب ہمارے داماد ہوں گے۔

وہ علیؑ جو شاہِ ہل اتیٰ ہیں، خواجۂ قنبر ہیں، دوشِ پیمبرؐ پہ جن کو معراج ہوئی ہے، دنیا کے عظیم شہنشاہ سلیمان، سکندر، خاقان وقیصر اُن کے محکوم ہیں۔

نامِ علیؑ میں ایسی برکت ہے کہ گرتے ہوئے انسان بھی سنبھل جاتے ہیں۔

۱۷ رجب عقدِ اُمّ البنین کی تاریخ طے پائی۔

ثمامہ کلابیہ نے عالم مسرت میں کہا:-

میری بیٹی ایک عظیم گھرانے میں بیاہ کر جائے گی یہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی امداد ہے۔

حضرت بی بی خدیجہؑ کا داماد میرا داماد ہوگا۔ جناب سیدۃ النساء نے جنت میں مجھے اور میرے گھر کو یاد رکھا۔ اِسی لیے میں شہزادی کی مودّت کا دم بھرتی ہوں۔

حضرت اُمّ البنینؑ کا نام حمیدہ تھا۔ وہ مجموعۂ اوصافِ حمیدہ تھیں۔ تقویٰ وطہارت میں انتخاب تھیں۔ مگر دل میں درد بھرا ہوا تھا۔ اللہ نے اُن کو ہاجرہ بی بی جیسا دل عطا کیا تھا جس میں صبر ہی صبر تھا۔ اُن کا نسب بی بی سارہ کے نسب کی طرح پاکیزہ تھا۔ دل میں جناب آمنہ کے ایمان کی طرح ایمان کا چراغ روشن تھا۔ زُہد وخوفِ الٰہی حضرت مریم کی طرح تھا۔ سر کی چادر کا آنچل ایسا تھا کہ جناب بلقیس کے سجدے کا سجادہ تھا۔

جناب اُمّ البنین پردے کی پابند تھیں گھر کے افراد کے علاوہ کسی نے انھیں بغیر برقع

و مقنع کے نہیں دیکھا تھا۔

مولائے کائنات کا رشتہ کیا آیا ثمامہ کلابیہ مادر اُمّ البنینؑ پھولے نہیں سمارہی تھیں، حضرت اُمّ البنینؑ کے حجرے میں آ کر بیٹی کی بلائیں لے کر چپکے سے کہا بیٹی تیری نسبت فاتح خیبر سے ہوگئی آج ہماری قوم ہمارا قبیلہ فخر عرب ہوگیا، ملکِ عرب میں ہم عزت دارین پا گئے۔

عقد کی شام آئی ______

وہ شام کہ جو دو عیدوں کی سُرخی لیے ہوئے آئی، وہ شام جس نے صبح سے خراج وصول کیا، وہ شام جس میں شبِ قدر کا جلوہ تھا، چودھویں کے چاند والی رات کا پرتو تھا، شب معراج کا حسن تھا۔ علیؑ کی برات چلی شام سے رات ہوگئی۔

اُمّ البنینؑ کے گھر پر مہمانوں کا ہجوم ستاروں کا جھرمٹ معلوم ہوتا تھا، دولھن کو سجانے کے لیے سہیلیوں نے دولھن کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔

شادی کی شب کی رنگارنگی نرالی تھی آسمان نے شفق کا سرخ جوڑا پہنا، اور مہِ نو آسمان کے کانوں کا گوشوارہ اور پاؤں کی پازیب بنا ہوا تھا، اور کہکشاں یوں معلوم ہورہی تھی کہ جیسے آسمانوں کے بالوں کی چوٹی گندھی ہو۔

حضرت علیؑ دولت کدے سے برآمد ہوئے اور اس شان سے برآمد ہوئے جیسے شبِ معراج اپنے گھر سے پیغمبرؐ برآمد ہوئے تھے اور عرش کی تمام مخلوقات جنت کے عطر کپڑوں میں لگا کر زمین کی طرف اترنے لگے اور اللہ بھی یہ کہتا ہوا اپنے ولی کے ساتھ تھا کہ ہم بھی علیؑ کے براتی ہیں۔

وہ علیؑ جو اللہ کے نور کی آیت ہے قبیلۂ بنی دارم کی طرف برات لے کر گئے جیسے ہی، برات کو دیکھا قبیلۂ بنی دارم نے آنکھیں فرشِ راہ کیں اور اس طرح قدم بوسی کی جیسے

سایہ قدموں سے جڑا رہتا ہے۔ تمام براتی رُکے اور علیؑ جو بابِ شہرِ علم ہیں وہ جناب اُمّ البنین کے گھر میں تنہا داخل ہوئے۔

حضرت علیؑ شادی کے گھر میں رحمت کی طرح داخل ہوئے اور دولہا دلہن رحمتوں کے سائے میں آ گئے چاروں طرف رحمت ہی رحمت تھی اور حجلۂ عروسی میں چاروں طرف نور برستا دکھائی دیا حضرت علیؑ کا لباس جنت کے دھاگوں سے بنا ہوا تھا۔ تافتہ سندس اور استبرق کے کپڑوں کا لباس حضرت علیؑ کے زیبِ بدن تھا اور اس لباس کا ہر تار دستِ قدرت نے بُنا تھا اور کپڑوں پر آیاتِ قرآنی کی بیلیں تھیں یہ لباس دیکھ کر حضرت حمیدہ خاتون کو حیرت ہوئی اور اسی عالمِ حیرت میں صدائے قدرت آئی کہ اے علیؑ کی زوجہ یہ تم پر خدا کی عنایت و کرم ہے۔

دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہوا اور علیؑ نے اس عقد کا سبب بیان کیا اور یہ سبب بیان کرتے ہوئے علیؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے علیؑ نے کہا کہ اس عقد کا سبب یہ ہے کہ اللہ کی فوج مکمل ہو جائے کیونکہ اللہ کی فوج کا سردار حسینؑ کی شکل میں تو موجود ہے لیکن عباسؑ جیسا علمدار نہیں ہے۔ ایک دن وہ آئے گا کہ میرے حسینؑ سے زمانہ برگشتہ ہو جائے گا، ایک دن میں سارا گھر لٹ جائے گا اور میری بیٹی زینبؑ چھ مہینے مصائب و آلام میں اس طرح دن گذارے گی کہ کبھی ظالم کے دربار میں جانا ہو گا کبھی زندان کو بسانا ہوگا۔

حضرت علیؑ جنابِ حمیدہ سے فرما رہے ہیں کہ تمھیں اللہ چار بیٹے عطا کرے گا، فاطمہ کے بیٹے عرش کے تارے ہیں اور تمھارے بیٹے فرش کے تارے یہ بتاؤ کہ تم نبیؐ کے نواسوں کو زیادہ چاہو گی یا اپنے بیٹے عباسؑ کو زیادہ چاہو گی۔

فاطمہ زہراؑ کی شہادت کیا ہوئی میرا گھر ہی اجڑ گیا میرے گھر میں دو بیٹے حسنؑ اور

حسینؑ اور دو بیٹیاں زینبؑ و اُمّ کلثوم بن ماں کے بچے ہیں۔

میرا حسینؑ بلا اور مصیبت میں گرفتار ہوگا، اس کو لوگ نہ تو کعبے میں رہنے دیں گے نہ مدینے میں چین لینے دیں گے کربلا میں عاشور کی ظہر کو میرے حسینؑ پر قیامت گذر جائے گی۔

اے حمیدہ! اس دن تم مجھ پر یہ احسان کرنا کہ اپنے پوتوں کی خوشیوں کو فراموش کر کے میرے حسینؑ پر اپنے بیٹوں کو قربان کر دینا اور یہ اہتمام رہے کہ پہلے تمھارے بیٹوں کے سر جدا ہوں بعد میں حسینؑ کا سرتن سے جدا ہو۔

علیؑ کے ان جملوں سے دلہن کے حجرے میں شیون و ماتم شروع ہوگیا اور وہ شادی کا گھر تعزیہ خانہ بن گیا، جناب حمیدہ کو یہ سن کر سکتہ ہوگیا اور پھر سر کے بال کھول کے سر کو جھکا لیا اور کہا اے میرے والی جو بھی آپ فرمائیں میں اس پر راضی ہوں، میرے بیٹے حسینؑ پر سے قربان، میں کیا میرے بابا اور میرے تمام گھر والے راضی ہیں اور خادمہ کا کام ہی ہے کہ مالک کے ہر حکم کو بجا لائے۔ آپ میرے مالک ہیں اور میں آپ کی اور آپ کے بچوں کی خادمہ ہوں۔

مولا علیؑ نے جناب حمیدہ کو دعائیں دیں کہ اس قربانی کا اجر تمھیں خدا دے گا اور اے حمیدہ جنت میں رسولؐ اللہ تمھارے شکر گذار ہیں اور فاطمہ زہراؑ بھی اسی طرح حسینؑ کو ہر شے سے عزیز سمجھتی تھیں، مجھے معلوم ہے کہ جو وعدہ تم نے کیا ہے اس کو پورا کرو گی علیؑ کی اس بات پر جنت سے رسولؐ اللہ کی آواز آئی کہ اے علیؑ میں اُمّ البنین کے وعدے کا گواہ ہوں اور عرش سے اللہ نے کہا میں بھی اس عہد کا شاہد ہوں۔

اللہ نے عرش سے علیؑ و اُمّ البنین کا عقد پڑھا، تمام قدسی اس عقد میں موجود تھے اور معبود نے زمین و آسمان کی دولت۔ اُم البنینؑ کو جہیز میں عطا کر دی۔

ابھی شب تمام نہیں ہوئی تھی کہ جناب حمیدہ کی رخصت کا وقت آ گیا اور وہی حجلہ جو ابھی بقعۂ نور بنا ہوا تھا خزاں رسیدہ چمن کی طرح ہو گیا اور دلہن کے ماں باپ بیٹی کی جدائی پر رونے لگے۔ دلہن کو لینے کے لیے پالکی گھر میں بھیجی گئی، اس محافے میں دلہن آیتِ رحمت کی طرح نازل ہوئی، جس طرح قرآن کے لیے رحل کھلتی ہے اسی طرح کنیزوں کی قسمت بھی کھلی، اور کنیزوں نے دلہن کی پالکی کو کاندھے پر اٹھایا تو اس وقت فرشتوں کے مرتبے کنیزوں کو حاصل ہوئے اس لیے کہ یہ پالکی نہیں تھی گویا فرش پر کنیزوں نے عرش کو اٹھایا ہوا تھا۔

غرض کہ کاندھا بدلتے ہوئے کنیزیں دلہن کے محافے کو در تک لائیں ایک مرتبہ ایک کنیز پکاری کہ دوسری طرف کون ہے ہٹ جائے اس لیے کہ دلہن کے محافے کا پردہ ہٹایا جا رہا ہے تا کہ دولہن سوار ہو تو دوسری طرف سے آواز آئی کہ ہم جنت کے ملائکہ اور حوریں ہیں اور ہم سب علیؑ کے حلقہ بگوشوں میں ہیں۔ ہم علیؑ کے حکم کے غلام ہیں اور ہم جنت سے اس پالکی کے اٹھانے کو آئے ہیں اور سورۂ قل ھواللہ پڑھ کے حوروں نے اور ملائکہ نے پالکی کو کاندھے پر اٹھا لیا راستے میں مشعل کی نہیں بلکہ حور و ملائکہ کی آنکھوں کی روشنی تھی۔

جناب حمیدہ محافے میں رات کو حضرت بلقیس کی صورت جلوہ گر تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے قرآن کے سورۂ واللیل میں آفتاب چمک رہا ہو۔ ایک یہ وقت تھا اور ایک وہ وقت کہ جب مدینے میں حسینؑ بن علیؑ کے قتل کی خبر پہنچی تو یہی بی بی یعنی جناب حمیدہ بغیر نعلین اور چادر کے دوڑتی ہوئی اس مجمع میں پہنچیں۔ جہاں حسینؑ ابنِ علیؑ کے قتل کی خبر سنائی جا رہی تھی۔

الغرض کنیزوں نے جنابِ حمیدہ کی سواری کو علیؑ شاہِ ولایت کے دولت کدے میں

اتارا۔ بی بی حمیدہ نے گھر کی ویرانی دیکھی بڑھ کے جناب زینبؑ کو کلیجے سے لگایا۔ اور اِس وقت جنابِ زینبؑ اور جناب حمیدہ کی گفتگو کیا بیان کی جائے کہ جناب حمیدہ اپنے کو جناب زینبؑ کی کنیز کہتی تھیں اور جناب زینبؑ جنابِ حمیدہ کو ماں کہتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی نظر جنابِ حمیدہ کے بازو پر پڑی تو دیکھا ایک نورانی لوح جنابِ حمیدہ کے بازو پر بندھی ہے اور اس پر باریک اور واضح نقش سے قدرت کے دستخط تحریر تھے۔ حضرت علیؑ نے جناب حمیدہ سے پوچھا تمھیں معلوم ہے یہ کیا ہے۔ جناب حمیدہ نے فرمایا کہ مولا جس شب یہ آپ کی کنیز پیدا ہوئی اسی شب میری ماں کو یہ آواز آئی کہ ہاں خبردار ہو جاؤ کہ تمھاری یہ بیٹی علیؑ کے گھر کا چاند بنے گی یہ بیٹی حسینؑ کے علمدار کی ماں بنے گی۔

تو حضرت علیؑ نے کہا کہ وہ ہماری آواز تھی۔ جناب حمیدہ نے خوش ہو کے کہا کہ یہ راز آج مجھ پر کُھلا کہ وہ آپ کی آواز تھی۔ اللہ نے ولادت کے وقت ہی ایک وعدے سے ممتاز فرمایا اور یہ لوح میرے سرہانے سے دستیاب ہوئی۔ اور اب میری یہ دعا ہے کہ میری پیشانی پر یہ تحریر بھی لکھی ہو کہ یہ کنیز حسینؑ ابنِ علیؑ پر اپنی اولاد کے ساتھ قربان ہو جائے۔

بنتِ رسولؐ کے بعد، حضرت علیؑ کے عقد:

اُمامہ کے بعد خولہ بنتِ جعفر پھر اسما بنتِ عمیس اور ایک روایت کے مطابق اُمّ حبیب بنتِ عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن علقمہ تغلبیہ سے جنگ یمامہ یا عین التمر کے بعد عقد ہوا، یہ بی بی عمیر اطرف اور رقیّہ بنتِ علیؑ کی والدہ ہیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ سے حضرت علیؑ کا پانچواں یا چھٹا عقد تھا۔

عقیل ابن ابی طالبؑ سے حضرت علیؑ کی فرمائش:

حضرت علی علیہ السلام نے عقیل سے فرمایا **اِخْتَرْ لِیْ اِمْرَأَةً مِنْ ذَوِی الْبُیُوْتِ**

وَالشُجَاعَةِ لَا تَزَوَّجَهَا لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّرْزُقَنِی مِنْهَا وَلَدًا

میرے لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کرو جو اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ اور اس گھرانے کے افراد شجاعت اور دلیری میں انتخاب ہوں۔ میں ایسے خاندان کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے ایک شجاع فرزند عطا کرے۔

اس میں شک نہیں کہ جناب عقیل اس زمانے میں انساب عرب کے عالم تھے اور حالات سے باخبر تھے۔ رشتہ کی تلاش کے لیے جناب عقیل جیسی شخصیت کا انتخاب دو طرح کی حکمت عملی پر مبنی تھا۔

۱۔ جناب اُمّ البنین کی فضیلت کا اظہار ہو۔

۲۔ لوگوں کو یہ بات بتانے کے لیے کہ رشتہ کا انتخاب صالحہ عورت اور صالح مرد ہونا چاہیئے۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے جانتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اور تمنا سے حضرت یحیٰؑ پیدا ہوئے (قرآن مجید سورۂ مریم والنفس المہموم صفحہ ۲۳ طبع نجف اشرف وتوضیح المقاصد بہائی صفحہ طبع بمبئی ۱۳۵۱ھ) اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی دعا اور تمنا سے حضرت علی متولد ہوئے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ا طبع بمبئی) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی دعا اور تمنا سے علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ اور جناب عقیلؑ میں گفتگو:

یہ ظاہر ہے کہ فرزند رسولؐ الثقلین امام حسینؑ پر حتمی واقع ہونے والے حادثہ کربلا سے حضرت علی علیہ السلام بخوبی واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس نازک دور میں میرا وجود نہ رہے گا کہ میں اپنے نور نظر کی امداد کرسکوں۔ آپ کو اس موقع پر نہ ہونے کا

افسوس اور اپنے فرزند کی مصیبت میں ظاہراً بھی شریک نہ ہونے کا رنج تھا۔ متفکر تھے ہی کہ دل کی گہرائی میں اِک جوش تمنا پیدا ہوا۔ منہ سے نکلا۔ اے کاش! میری کوئی ایسی اولاد ہوتی جو حسینؑ کے آڑے وقت میں کام آتی۔

دِل میں تمنا کا پیدا ہونا تھا کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عقیلؑ کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ اے بھائی مجھے واقعہ کربلا کی تفصیلات معلوم ہیں۔ میرا دل بے چین ہے میں چاہتا ہوں کہ:

"انظر الی اِمراۃٍ فد ولد تھا الفحولة من العرب لا تزوجھا فتلدلی غلاماً فارساً یکون ھونا ولدی الحسین فی کربلا تنفیح المقال مامقانی باب العباس صفحہ ۲۸، طبع ایران۔ اسرار الشہادۃ صفحہ ۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ وشرح شافیہ لابی نواس و عمدۃ المطالب صفحہ ۳۵۲۔ ومعتہ ساکبہ صفحہ ۳۲۷ وناسخ التواریخ جلد ۳ صفحہ ۵۳

"آپ عرب کی کسی ایسی عورت کو تلاش کیجئے کہ جو بہادروں کی نسل سے ہوتا کہ میں اس سے عقد کروں اور اس کے بطن سے ایسا بہادر لڑکا پیدا ہو، جو رزمگاہ کربلا میں میرے فرزند حسینؑ کی کمال انہماک اور توجہ و جانفشانی سے مدد کرے۔

حضرت عقیل جو انساب عرب سے واقف تھے۔ حضرت علیؑ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے: **بام البنین الکلابیه** اے علی آپ اُم البنینؑ کلابیہ کے ساتھ عقد کرلیں **لیس فی العرب اشجع من آباء ھا ولا افوس** اس لیے کہ اس کے آباواجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی نہیں **لقد کان لبید یقول فیھم** سنئے لبید شاعر نے ان کے خاندان کی نسبی بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

"نحن خیر عامر بن صعصعه" ہم ہی خاندان عامر بن صعصعہ ہیں۔ بڑی عزت ومنزلت کے مالک ہیں۔ جس سے کوئی عرب کا باشندہ انکار نہیں کرسکتا اور اے بھائی علی سنو! **من قومها ملاعب الاسنة ابوبراء** ۔اُم البنین کے خاندان ہی سے ابوالبراء بھی تھے۔ جن کو ملاعب الاسنۃ یعنی نیزوں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا۔ **الذی لم یعرف فی العرب مثلہٖ فی الشجاعۃ** ۔جس سے بڑا شجاع سرزمین عرب نے آج تک پیدا نہیں کیا۔(تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸ طبع ایران)

جناب اُم البنینؑ کی خواستگاری کے لیے حضرت عقیل کا جانا:

حضرت عقیل نے حضرت علیؑ سے جناب اُم البنینؑ کی کمال مدح وثنا کرنے کے بعد کہا۔ اگر اجازت دیں تو میں خواستگاری کے لیے جاؤں۔ حضرت عقیل کو وکیل بنا کر کثیر مہر دے کر قبیلہ کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عقیل خانہ حزام میں جا پہنچے۔ آپ کو صدر مجلس میں جگہ دی گئی۔ ادائے مراسم کے بعد جناب اُم البنینؑ کے والد حزام سے اُم البنینؑ کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ حزام نے پوچھا میری لخت جگر کس کے لیے چاہتے ہو"۔ فرمایا:

از جہت خورشید سپہر امامت، جمشید سریر کرامت۔ واقف معارج لاہوت۔ عارف مدارج ناسوت ناشرِ ناموس ہدایۃ۔ کاسر ناقوس۔ غوایۃ۔ خطیب منبرِ سلونی۔ وارثِ رتبہ ہارونی، نورِ جمالی ازلی شعاع بے مثال لم یزلی۔ حضرت علی ولی علیہ السلام برادر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی میں تاجدار مملکت کمالات حضرت علیؑ برادر پیغمبر اسلام علیہ السلام کے لیے خواستگاری کی خاطر آیا ہوں یہ سن کر حزام فرط مسرت سے بیخود ہوگئے اور فوراً یہ کہتے ہوئے داخل خانہ ہوئے کہ میں ابھی ابھی عرض کرتا ہوں۔

جناب اُمّ البنینؑ اور حزام میں گفتگو:

حزآم نے گھر میں جا کر جناب اُمّ البنینؑ سے کہا کہ عقیل بن ابی طالب آئے ہیں اور علی بن ابی طالب تیرے خواستگار ہیں۔ بیٹی! تیری کیا رائے ہے؟ اُم البنینؑ نے جب یہ سنا۔ بے انتہا خوش ہوئیں اور کہا۔ بابا جان آپ کو اختیار ہے البتہ اتنا عرض کیے دیتی ہوں کہ میرے دل میں پہلے سے تمنا تھی کہ میرا شوہر بے مثل و بے نظیر اور یکتا و بے ہمتا ہو۔ خوشا نصیب کہ دلی مراد بر آنے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ میں بالکل راضی ہوں اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حزام گھر سے باہر آئے۔ حضرت عقیل نے پوچھا۔ ''حزام کیا کہتے ہو'' عرض کیا "جَعِلْتَ فَدَاكَ" میں آپ کے قربان، کہنا کیا ہے علیؑ سے رشتہ قائم کرنا عین سعادت ہے۔ اس سلسلہ میں علیؑ کو فروغ نہ ہوگا بلکہ ''شرف و افتخار ما باشد'' میری خوش قسمتی کا باعث ہے۔ عقیل! جب دن تاریخ درست سمجھو میری نور نظر لخت جگر کو علیؑ کی خدمت گزاری کے لیے لے جاؤ''۔ جناب عقیل نے واپس آ کر صورت حال حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت علیؑ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ **فترو جها امیر المومنین** ۔اور اُمّ البنین کے ساتھ عقد کر لیا۔ پھر چند عورتوں کو خانہ حزام میں بھیجا گیا۔ کہ وہاں سے اُم البنین کو لے آئیں۔

جناب اُمّ البنینؑ خانہ امیر المومنینؑ میں:

عورتیں گئیں اور جناب اُم البنینؑ کو آراستہ و پیراستہ کر کے لے آئیں اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اُم البنینؑ فرماتی ہیں کہ میں ساری دنیا کی عورتوں پر اس بارے میں فخر کیا کرتی تھی کہ:۔ ''کنیز حضرت زہراؑ و زوجہ شاہم'' میں فاطمہ زہراؑ کی کنیز اور تاجدار عالم کی زوجہ ہوں۔

علامہ قزوینی رقمطراز ہیں:-

''کہ حضرت اُم البنین نے حضرت علی کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی کو بوسہ دیا اور داخل حجرہ ہو کر سب سے پہلے حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کو جو بیمار تھے اٹھا کر بٹھایا۔ اور دونوں کے گرد تین دفعہ قربان ہوئیں پھر منہ چوما۔ (زلفیں سونگھیں) اور رو کر عرض کی، اے میرے آقا اور میرے آقا زادو۔ مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرو میں تم پر نثار۔ میں تمہاری خدمت کے لیے آئیں ہوں تمہارے کپڑے دھوؤں گی اور بدل و جان تمہاری خدمت کروں گی۔ تم مجھے اپنی خدمت کے لیے قبول کرو۔ (ریاض القدس جلد۲)

ناظرین کرام! جناب اُم البنینؑ کے اس طرز عمل سے حضرت علیؑ کے ساتھ ساتھ روح فاطمہ زہراؑ بھی مسرور ہوگئی اس لیے کہ ان کی دلی تمنا یہی تھی کہ میرے بعد علیؑ جو بھی عورت لائیں وہ میرے بچوں کی صحیح نگراں ہو۔

مولانا اظہر حسن زیدی مرحوم نے شادی کا منظر اس طرح پیش کیا ہے:-

ایک دن امیرالمومنینؑ نے اپنے بڑے بھائی حضرت عقیلؑ کو بلایا...... عقیل آئے ...... علیؑ تعظیم کو اُٹھے...... اور عقیل کہتے ہیں۔

''یا علیؑ! تم امامِ زمانہ ہو...... تم میری تعظیم نہ کرو......'' مولا نے فرمایا۔ ''عقیل بھائی! میں نے بحیثیت امام نہیں بلایا...... بلکہ بھائی کی حیثیت سے آپ کو بلایا ہے...... آپ بڑے بھائی ہیں...... اور بڑا بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے...... میں آج آپ سے خاص بات کہنا چاہتا ہوں......''۔ عقیل نے پوچھا ''یا علیؑ! کون سی بات؟'' مولا نے فرمایا۔ ''عقیل بھائی! میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ عرب کے تمام خاندانوں سے

واقف ہیں..... کسی ایسے خاندان میں میرا عقد کرادیں جو عرب بھر میں بہادری میں مانا ہوا خاندان ہو..... میں ایک بہادر خاندان کی بہادر لڑکی سے عقد کرنا چاہتا ہوں تاکہ اُس لڑکی کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہو..... وہ میری شجاعت کا وارث ہو.....'' عقیلؑ نے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... میں رات بھر غور کروں گا۔ کل صبح بتاؤں گا''۔ اگلے دن صبح عقیل تشریف لائے اور کہنے لگے۔ ''یا علیؑ! میں نے وہ خاندان ڈھونڈ لیا ہے..... جہاں تمہاری شادی کرانا ہے.....'' مولاؑ نے پوچھا ''کون سا خاندان.....؟ تو جنابِ عقیلؑ نے فرمایا ''بنی کلاب''..... عرب کا مانا ہوا بہادر خاندان ہے..... لوگ اُس خاندان کے آدمیوں کے نام اپنی تلواروں پر ''کندہ'' کرا لیتے ہیں..... علیؑ اس خاندان میں تمہارا عقد ہوگا.....''۔

خاندان ''بنی کلاب'' خیموں میں رہتا تھا..... اتفاق سے (بنی کلاب) مدینے سے دس، بارہ میل کے فاصلے پر خیمے ڈالے ہوئے تھے..... آپ نے کہا ''علیؑ! وہ آئے ہوئے ہیں..... میں ابھی وہاں تمہاری خواستگاری کے لیے جاتا ہوں.....''۔

چنانچہ عقیل خود چل کے قبیلہ ''بنی کلاب'' کے پاس پہنچے..... اور قبیلہ کے سردار سے ملے۔ جس کا نام تھا ''حزام'' قبیلہ کے سردار نے پوچھا آپ کون ہیں؟، جناب عقیل نے جواب دیا ''میں عقیل ہوں''، ''کون عقیل.....؟'' ''ابوطالبؑ کا بڑا بیٹا.....''

اب جو سردار نے یہ سنا کہ ابوطالبؑ کا بڑا بیٹا میرے سامنے کھڑا ہے تو اُس نے عقیل کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا اور کہنے لگا ''اے بیضۃ البلدؑ کے بیٹے! سیّد العربؑ کے بیٹے! امیر القومؑ کے بیٹے! ابو طالبؑ کے بڑے فرزند! آپ یہاں کہاں ٹھہر گئے..... ہم خادموں کے گھر جو موجود ہیں.....''

چنانچہ تمام قبیلہ استقبال کر کے عقیل کو اپنے قبیلے میں لے گیا..... ایک بہترین خیمے

میں ٹھہرایا..... تین دن تک جب فرائض مہمانی ختم ہو گئے.....تو سردار قبیلہ عرض کرتا ہے۔

''اے امیر العربؑ کے بیٹے! آپ نے کیوں زحمت فرمائی.....آپ حکم فرمائیں.... ہمارے لیے کیا حکم ہے.....؟''

جناب عقیلؑ کہتے ہیں ''شیخ! تو ہمارے خاندان کو جانتا ہے .....؟''

''سبحان اللہ.....وہ کون ہوگا۔ جو تیرے خاندان کو نہیں جانتا.....وہ تو کوئی نابینا ہی ہوگا.....جس نے تیرے خاندان کی عظمت نہ دیکھی ہو.......بنی ہاشم کا خاندان آفتاب ومہتاب کی طرح روشن ہے......اور ابو طالبؑ کی اولاد ساری دنیا سے زیادہ معزز ومحترم ہے.....حضور حکم فرمائیں''۔

''سردار! میں چاہتا ہوں کہ میرے خاندان کا ''رشتہ'' تیرے خاندان میں ہو جائے''۔شیخ پوچھتا ہے۔''حضور! اس سے بڑھ کے ہماری عزت اور کیا ہوگی...... آپ حکم فرمائیں کس کا رشتہ چاہتے ہیں.....؟''

تو آپ نے فرمایا''میں اپنے چھوٹے بھائی علیؑ کا رشتہ تیرے خاندان میں چاہتا ہوں.....''بس اُدھر عقیل نے ''علیؑ'' کا نام لیا.....ادھر قبیلے کا شیخ جھوم اٹھا''قبلہ! کس کا رشتہ.....؟''''علیؑ کا.....''۔ پھر اُس نے پوچھا.....حضور ایک دفعہ پھر کہیں...... کس کا رشتہ؟۔''علیؑ کا.....''۔ بار بار پوچھتا ہے وہ...... ہاتھ اٹھاتا ہے......''خدایا! کس کا نام آیا.....علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر.....ہمارے خاندان میں!''۔

''حضور! میری بچی موجود ہے......جب حکم دیں.....''

جناب عقیلؑ نے کہا''سردار! مجھے یہی توقع تھی.....تم یہی جواب دو گے......جاؤ ذرا لڑکی سے دریافت کرلو.....''۔

''قبلہ.....لڑکی سے کیا پوچھنا ہے.....میں جو لڑکی کا باپ کہہ رہا ہوں.....''تو

جناب عقیل نے کہا ''سردار! یہ اسلامی قانون ہے......لڑکی سے پوچھنا چاہیے......پھر رشتہ طے ہو جائے گا......''۔

بہر نوع ''حزام'' سردار بنی کلاب......گھر آیا......آ کے بیوی سے کہا......''سنتی بھی ہو......قسمت یاور ہوگئی......نصیب جاگ گیا......بیٹی کا رشتہ آیا ہے......''

چونکہ حزام کی ایک ہی اکلوتی لڑکی تھی۔ جس کا نام فاطمہ تھا......بیوی نے سمجھا کہ کسی بادشاہ کا رشتہ آیا ہوگا......آخر بیوی نے پوچھا ''بتاؤ تو سہی......کس کا رشتہ آیا ہے......''

حزام نے جواب دیا ''پہلے شکریہ کی دو رکعت نماز پڑھ لو......پھر بتاؤں گا......''

جب اُس مومنہ کو پوری طرح متوجہ کر لیا......تو کہنے لگا ''ہمارے گھر......ہماری لڑکی کے لیے......علیؑ کا رشتہ آیا ہے......'' وہ خاتون کہتی ہے ''کیوں تم ایسی باتیں کرتے ہو......علیؑ کا رشتہ اور ہمارے گھر......محمدؐ کا داماد......اور ہمارا داماد بنے......ہمیں خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہماری اتنی عزت ہو......''۔

حزام بولا!

واقعاً......علیؑ کا رشتہ آیا ہے......''

تو خاتون نے جواب دیا

''سبحان اللہ......پھر دیر کیا ہے......''

''ذرا لڑکی سے پوچھنا ہے......''

''کیوں......اُس سے کیا پوچھنا ہے......''

''وہ کہتے ہیں کہ اُس سے پوچھ لو......'' چنانچہ سہیلیاں بلوائی گئیں......سہیلیوں کے ذریعے پوچھوایا گیا......تو انہوں نے فرمایا۔

''میرے رشتے کا اختیار ماں، باپ کو ہے......مگر رات میں نے ایک خواب دیکھا

ہے......وہ میری اماں کو جا کے بتا دیں......

''میں نے خواب میں دیکھا ہے......کوئی محترم خاتون ہیں......جنہوں نے مجھے دلہن بنایا ہے......دلہن بنا کے مجھے پیار کیا ہے......اور پیار کر کے یہ فرمایا......'' تجھے مبارک ہو......تو میرے بیٹے عباسؑ کی ماں بنی ہے......''

بہر نوع۔ سہیلیوں نے آ کے کہہ دیا......رشتہ طے ہو گیا......اور چند دن بعد۔ خاندان بنی ہاشم برات لے کر گیا......علیؑ کا عقد ہوا......''فاطمہ کلابیہ''......جو بعد میں ''اُم البنینؑ'' کہلائیں......رخصت ہو کر علیؑ کے گھر آئیں......دروازے پہ محمل بٹھائی گئی......تمام بنی ہاشم ننگی تلواریں لیے ہوئے محلے کا پہرہ دے رہے تھے۔

لوگو! خبردار......کوئی سواری پر سوار ہو کے نہ گذرے......کوئی مکان کی چھت پر نہ چڑھنے پائے......علیؑ کی ''ناموس'' آئی ہے......علیؑ کی حرم آئی ہے......''

چنانچہ بی بیؑ محمل سے اُتریں......دروازے پہ آئیں......چوکھٹ کو چوما......شکر کا سجدہ کیا......دروازے کے اندر قدم رکھا......اور وہیں زمین پہ بیٹھ گئیں......جناب زینبؑ نے آ کے کہا ''اماں! اندر آؤ......'' بی بی کہنے لگیں ''فاطمہؑ کی بیٹیو! مجھے اماں نہ کہو......میں تمہاری خدمت کے لیے آئی ہوں......میں تمہاری خادمہ ہوں......''

حسنینؑ آئے ''اماں! چلو اندر......''

بی بی نے کہا ''شہزادو! میں تمہاری خدمت کے لیے آئی ہوں......تمہارے باورچی خانے میں کام کرنے کے لیے......تمہارے نعلین صاف کرنے کے لیے......یہ گھر سیدہؑ کا گھر ہے......تم سیدہؑ کی اولاد ہو......میں تمہاری کنیز بن کے رہوں گی......''

بہر نوع۔ بی بی نے عقیدت کی انتہا کر دی......اور حسنینؑ نے محبت کی انتہا کر دی......

پورا ایک سال گذرا اس شادی کو......تو خداوند عالم نے وہ بیٹا عطا فرمایا۔ جس کی

علیؑ کو تمنا تھی..... علیؑ مسجد میں بیٹھے تھے..... اطلاع دی گئی۔ ''یا علیؑ! مبارک ہو..... خدا نے بیٹا عطا فرمایا ہے.....'' علیؑ گھر میں آئے..... ماں کی گود میں بچہ کو دیکھا..... دیکھ کے کہتے ہیں۔ ''ماشاءاللہ..... وہی ہے جس کی مجھے تمنا تھی.....'' علیؑ۔ اُم البنینؑ سے کہتے ہیں۔ ''اُم البنین! مبارک ہو..... تو اس بیٹے کی ماں بنی.....'' اُم البنینؑ فرماتی ہیں۔ ''یا علیؑ! اس نے آنکھ نہیں کھولی.....'' علیؑ جواب میں فرماتے ہیں۔ ''ہاں..... مجھے پتہ ہے..... یہ آنکھ نہیں کھولے گا..... آخر میرا بیٹا ہے نا.....'' پھر مولاؑ فرماتے ہیں۔ ''حسینؑ کو بلاؤ'' حسینؑ آ گئے..... ''حسینؑ! ذرا بھائی کو گود میں لینا.....'' اب جو حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے تو بچے نے آنکھ بعد میں کھولی..... ہاتھ دونوں پہلے پھیلا دیئے، غالباً ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ تھا۔ ''حسینؑ! آنکھ تو کھلتی ہی رہے گی..... پہلے میرے دونوں ہاتھوں کا نذرانہ قبول فرما.....

آقا! میں دونوں ہاتھ ابھی سے تیری نذر کرتا ہوں.....'' چنانچہ حسینؑ نے گود میں لے لیا..... بھائی کا منہ چوما..... بچے نے آنکھیں کھولیں..... اور سب سے پہلے حسینؑ کا چہرہ دیکھا..... پھر علیؑ نے گود میں لے کر ایک کان میں اذان کہی..... ایک کان میں اقامت کہی..... اور فرمایا۔

''مجھے رسولؐ نے وصیت کی تھی۔ کہ اس بچے کا نام ''عباسؑ'' رکھنا..... چنانچہ ''عباسؑ'' نام رکھا گیا.....

اب جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں۔ ''اسے میری گود میں دو.....''

بہن نے گود میں لے لیا..... اور کان پہ منہ رکھ کے کچھ بات کہی..... تو امیر المومنینؑ پوچھتے ہیں۔ ''زینبؑ! کیا بات کہی ہے.....'' ''بابا جان! اماں کی ایک وصیت تھی۔ وہ سنائی ہے.....'' مولاؑ نے پوچھا ''زینبؑ! کونسی وصیت.....؟ بی بیؑ نے فرمایا ''اماں نے

وقتِ رحلت فرمایا تھا...... کہ ایک بچہ پیدا ہوگا......عباسؑ اُس کا نام ہوگا......جب وہ پیدا ہو تو گود میں لے کے اس کے کان میں یہ کہہ دینا۔'' اماں سلام کہتی تھیں......

(خطیبِ آلِ محمدؐ صفحہ ۱۷۱ تا ۱۸۰)

خطبہ ٔ عقد:

امیر المومنینؑ کی طرف سے خطبہ ٔ عقد جناب عقیلؑ نے پڑھا۔

خطبہ ٔ عقد کا ترجمہ

''تمام حمد پروردگار کے لئے اور درود اسکے رسولؐ اور انکے اہلِ بیت طاہرینؑ پر۔اے بنی کلاب اور اے بنی عامر بن صعصہ اللہ نے یقیناً ہم پر احسان کیا کہ ہم ہی میں سے محمد صلّ اللہ علیہ وآلہ سلم کو رسول مبعوث کیا اور وہؐ ہماری طرف آئے اللہ کے اُستوار اور پائیدار دین کے ساتھ جسے اللہ نے ہمارے لئے پسند کرلیا جب یہ فرمایا'' اللہ کے پاس دین فقط اسلام ہے۔'' (القرآن) اور یہ بھی کہ'' جو اسلام کے علاوہ کوئی دین لے کر آئے گا اس قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ انجام کار میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا۔'' (القرآن) اور ہمیں حکم دیا بغض وکینہ سے قلعہ بند رہنے کا۔ اور ایک دوسرے کی پہچان اور صلہ رحم کو ہمارے لئے سزاوار قرر دیا جب یہ فرمایا'' اے بنی نوع انسان یقیناً ہم نے تمہیں ایک مرد و ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے لئے قوم اور قبیلے قرار دیئے تا کہ تم ایک دوسرے سے پہچوائے جاؤ۔ بتحقیق تم میں وہ اتنا ہی مکرم ہے جو جتنا زیادہ صاحبِ تقویٰ ہے بتحقیق اللہ خوب جاننے والا اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔'' (القرآن) اور زنا اور سفاح کو ہم پر حرام قرار دیا اور ہمارے لئے زواج اور نکاح کو حلال کیا جب یہ فرمایا'' اللہ کی آیتوں میں سے ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے جوڑے بنائے تا کہ تم اس میں تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی بتحقیق اسمیں فکر

کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (القرآن) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ یقیناً میں امتوں پر اِسکے سبب مباہات کرنے والا ہوں'' (الحدیث) اور یہ علی ابن ابیطالب بن عبد المطلب بن ہاشم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی اور تمہارے نبی کے چچازاد ہیں۔ امام ہیں۔ مومنین کے امیر ہیں۔ یقیناً یہ تمہارے لئے بہترین سمدھیانہ ہے اور اِنہوں نے خواستگاری کی ہے تم میں سے کریمہ بی بی

فاطمہ امّ البنین بنت حزم بن خالد بن ربیعہ کے لئے کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقیناً اللہ نے فرمایا ہے کہ'' وہ زمین اور آسمانوں کی ایجاد کرنے والا ہے اسی نے تمہارے لئے تمہی میں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں بھی جوڑے بنائے اور اس میں

تمہاری نسل کی بڑھوتی رکھی، کوئی شئے اسکے جیسی نہیں اور وہ خوب سنتا اور کیا خوب نگراں ہے'' (القرآن)۔ (خصائص العباسیہ۔۔ محمد ابراہیم الکلباسی نجفی۔۔ ص ۳۴، ۳۵)

خانہ امیر المومنینؑ میں آمد پر چند کلمات کی ادائیگی:

جب جناب امّ البنینؑ رخصت ہو کر آئیں اور ڈیوڑھی کے قریب پہنچیں جبکہ وہاں سارے بنی ہاشم موجود ہیں تو فرمایا۔

'' مجھے ٹھہراؤ۔ یہاں تک کہ میں خانۂ سید و سردار امیر المومنینؑ اور اپنی پیش رو اور سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اذن لے لوں اپنے شہزادوں حسن و حسین (علیہما السلام) اور شہزادیوں زینب وام کلثوم (علیہما السلام) سے'' اور پھر داخل ہوئیں اور شہزادوں اور شہزادیوں کے قریب آ کر فرمایا۔'' اے سرداروں۔ اے مصطفیٰؐ کے خانہ داروں اور اے فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے پارۂ قلب میں

تمہاری خادمہ بن کر آئی ہوں کیا آپ مجھے اپنی خادمہ کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں''

پس شہزادوں اور شہزادیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کا استقبال کیا۔

پھر آپ نے گھر میں آنے کے بعد امیر المومنینؑ سے عرض کی۔

''یا اباالحسن میری آپ سے ایک استدعا ہے''

مولائے کائناتؑ۔ ''کہیئے! انشاءاللہ میں پورا کرونگا''

جناب امّ البنینؑ۔ مجھے فاطمہ (جو میرا نام ہے) کہہ کر نہ پکاریں اس لئے کہ یہ شہزادوں اور شہزادیوں کے حزن کا سبب ہوگا۔ یہ انکی والدہ کا اسم گرامی ہے اور اس طرح انہیں انکی یاد تڑپائے گی۔ آپ مجھے امّ البنین پکاریئے گا''

(اُمّ البنین علیہا السلام۔۔شیخ نعمۃ الساعدی۔۔ص ۳۶،۳۷)

باب ۸......

حضرت اُمّ البنینؑ

بحیثیت زوجہ

حضرت اُم البنینؑ اور شہادت حضرت علی علیہ السلام:

۲۱ / رمضان ۴۰ ھ کی وہ حشر انگیز اور قیامت خیز تاریخ ہے۔ جس میں اسلام کے مالک دین وایمان کے سردار رسولؐ کے حقیقی جاں نثار و جانشین نے مسجد کوفہ میں زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے شہادت پائی۔ آپ کی شہادت واقع ہونے میں کس کا ہاتھ تھا۔ اور کون آپؑ کی شہادت کا سبب اعظم تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی کا ایک دن کوفہ کی گلیوں سے گذر ہوا۔ اس نے ایک مکان میں کثیر مہ رخان عالم کو آتے جاتے دیکھا اور عمدہ باجوں کی آوازیں سنی۔ اس مکان کے قریب گیا، جس میں سے عورتوں کا ایک گروہ نکلا۔ اس کی نظر قطامہ نامی عورت پر پڑی۔ اس کے حسن نے اس کمینہ کے دِل میں جگہ کر لی۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کیا تو شوہر رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا چونکہ میری پسند کا شوہر مجھے نصیب نہیں

ہوا۔اس لیے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ابن ملجم نے کہا۔"کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تو مجھے قبول کرلے"۔اُس نے کہا۔میرے عزیزوں سے کہو"۔عزیزوں سے جب تذکرہ کیا گیا،تو انہوں نے قطامہ کی مرضی پر چھوڑا۔قطامہ جو بہت آراستہ غرفہ بیت (کھڑکی) میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا اگرتم تین قسم کے مہر ادا کرسکتے ہوتو مجھے تم سے ہمکنار ہونے میں عذر نہیں ہے۔(۱) تین ہزار درہم نقد ادا کرو۔(۲) ایک اچھی گانے بجانے والی کنیز خدمت کے لیے لاؤ۔ (۳) حضرت علیؑ کا سر کاٹ کر لاؤ۔یہ سن کر ابن ملجم نے کہا اول کی دو شرطیں تو منظور اور ممکن ہیں مگر تیسری شرط سے میں عاجز ہوں علیؑ وہ ہے جس کی شمشیر کا لوہا مشرق و مغرب کے بہادروں کے قلوب مانے ہوئے ہیں۔ بھلا مجھ سے یہ کیوں کر ہوسکے گا کہ ایسے بہادر کا سر کاٹ سکوں۔اس نے جواب دیا کہ مجھے تو دراصل سرِ علیؑ ہی درکار ہے میں نے پہلی دو شرطیں تجھ سے اٹھالیں۔اب مہر میں صرف علیؑ کا سر چاہتی ہوں۔

اگر مجھ سے لطف حیات اٹھانا چاہتا ہے تو علیؑ کا سر لا ورنہ تو میری صورت بھی نہ دیکھ سکے گا۔اس بدبخت مرادی نے اس زن نامراد کی شرط قبول کرلی۔اور مہر میں علیؑ کا سر دینے کا وعدہ کرلیا۔قطامہ کی مدد سے چند آدمیوں کو لے کر روئے بخدمت امیر نہاد۔ حضرت علیؑ کے قتل کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا(روضۃ الشہدا باب ۵ صفحہ ۱۹۸)

صاحب تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں کہ واقعہ نہروان کے واقعہ کے بعد تین خارجیوں نے رائے دی کہ تین شخصوں۔معاویہ،عمرو ابن العاص اور حضرت علیؑ کی وجہ سے یہ انتشار بڑھ رہا ہے۔اِن کو قتل کردیا جائے۔اس کے لیے ۱۹ ررمضان مقرر ہوئی۔چنانچہ تینوں خارجی اپنی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ایک دمشق میں معاویہ کے لیے،دوسرا فسطاط مصر میں عمرو بن العاص کے

لیے۔ تیسرا ابن ملجم حضرت علیؑ کے لیے۔ معاویہ اور عمرو ابن العاص تو بچ گئے مگر ابن ملجم جب اس ارادے سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں چھپ رہا۔ حضرت علیؑ ایک شب حضرت امام حسنؑ کے پاس اور ایک شب حضرت امام حسینؑ کے پاس افطار کرتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے۔ جب ۱۹/ رمضان ۴۰ھ کو حضرت نماز صبح کے لیے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطخیں چیخنے لگیں۔ حضرت پر اس کا اثر ہوا اور مسجد میں تشریف لائے۔ اذان دی۔ جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے سر پر تلوار ماری۔ جس سے مغز تک شگافتہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "**فزت برب الکعبة**" بخدا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ (تاریخ آئمہ صفحہ ۲۷۴) ان حضرات کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت یا تو قطامہ کی حرکت سے عمل میں آئی یا ان خارجیوں کی سازش اس کا سبب قرار پائی ہے۔ لیکن جب آپ کی شہادت کے متعلق محققانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

علیؑ کی شہادت میں حکومت شام کا ہاتھ:

معاویہ اور عمرو بن العاص جنگ جمل اور صفین کی حشر انگیز اور قیامت خیز جنگ دیکھ ہی نہیں بلکہ بھگت چکے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ علیؑ کی زندگی میں ہمیں چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی نہ کسی صورت سے انہیں راہیٔ جنت کر دیا جائے تا کہ اطمینان کی سانس لینا ممکن ہو سکے اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور کامیاب کیوں نہ ہوتے۔ جب کہ سازش کرنا ان کا ''طبیعت ثانیہ'' بن گیا۔ معاویہ نے ابن ملجم مرادی کو قتل امیر المومنین کے لیے تیار کیا۔ چونکہ وہ خوارج میں سے تھا۔ اس لیے فوراً قتل امیر المومنین پر راضی ہو گیا۔ اور اس نے مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کو شہید کر دیا۔

صاحب مناقب مرتضوی نے لکھا ہے کہ قدوۃ المحققین حکیم ثنائی کہتے ہیں:-

یعنی ملجم کا بیٹا وہ بے دین کتا جو لعنت و نفرین کا سزاوار ہے۔ ایک عورت پر عاشق ہو گیا اور اس بد بخت کے لیے کہا جائے راہب روم سے بھی زیادہ کمینہ تھا وہ عورت معاویہ کے عزیزوں میں سے تھی اور خوشحال و مالدار اور خوبصورت و جوان تھی۔ معاویہ کو ابن ملجم کی عاشقی کا راز معلوم ہو گیا اسی وجہ سے وہ تباہ ہو گیا، معاویہ نے اس سے کہا۔ اے ابن ملجم اگر تو چاہتا ہے کہ در مقصود ہاتھ آئے اور قطامہ جیسی حسین عورت تیرے لیے حلال ہو جائے تو سُن۔ ایک ذرا بہادری تو کرنا پڑے گی اور حضرت علیؑ کا سر لانا پڑے گا۔ اس لیے کہ اس کا مہر ''خونِ علیؑ'' ہے چنانچہ اس نے حضرت کے سر اقدس پر ضرب لگا دی۔ جب اس سے لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب میں کہا:-

''میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کہ کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا''

(مناقب مرتضوی صفحہ ۱۲۷)

الغرض سر اقدس پر ضرب لگی۔ منادی فلک نے "**الا قتل امیر المومنین**" کی ندا دی۔ آپ کی اولاد اور اصحاب مسجد کوفہ میں جا پہنچے۔ اپنے آقا کو خون میں غلطاں دیکھ کر فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کیں۔ پھر حسب الحکم مکان لے چلنے کا سامان کیا ایک گلیم میں لٹا کر آپ کو اس صورت سے لے چلے کہ سرہانے امام حسن۔ پائنتی امام حسینؑ اور وسط میں حضرت عباسؑ گلیم اُٹھائے ہوئے تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ نے صبح کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''اے صبح تجھے اسی خدا کی قسم ہے جس کے حکم سے تو برآمد ہوئی ہے مجھے بتا تو نے کبھی مجھے سوتا ہوا پایا ہے؟ یعنی تو گواہی دینا کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ ابتدائے جوانی سے یعنی جب سے نماز پڑھنی شروع کی ہے۔ تو نے مجھے کبھی سوتا نہ پایا۔

جب تو برآمد ہوئی جاگتا ہوا پایا۔ بارالہا تو گواہ رہنا کہ میں تیرا حکم بجالایا۔ تُو نے جس چیز سے روکا اس سے باز رہا۔ جس کا حکم دیا اس پر عمل کیا۔ تیرے پیغمبرؐ کے خلاف کوئی بات دل میں نہ لایا۔ (الکرار صفحہ ۴۰۲ طبع بنارس ۱۳۲۷ھ) اس کے بعد آپ کو غش آ گیا''

جب غش سے افاقہ ہوا حضرت امام حسنؑ نے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ تھوڑا سا پی کر آپ نے منہ ہٹالیا اور فرمایا اسے اپنے اسیر ابن ملجم کو دے آؤ۔

(اخبار ماتم صفحہ ۱۴۴۔ وکتب تواریخ)

حضرت علیؑ کا دست امام حسینؑ میں علمدارؑ کربلا کا ہاتھ دینا:

اب حضرت علی علیہ السلام کی عمر کے آخری لمحات گذر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹوں کا انتظام شروع فرمایا اور ہر ایک کو مناسب امور واحکام سے باخبر کیا۔ سب سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ ''تم لوگ فرزند رسولؐ الثقلین حسنؑ وحسینؑ کی نصرت و اطاعت سے منہ نہ موڑنا پھر امام حسنؑ کے ہاتھوں میں تمام اولاد کا ہاتھ دیا اور امام حسینؑ کے ہاتھوں میں دست حضرت عباسؑ دیا۔

حضرت علیؑ کا اپنی اولاد کو وصیت فرمانا:

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عباسؑ اور دیگر اولاد کو جو بطن فاطمہؑ سے نہ تھی طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ ''وصیت میکنم شمار آباں کہ مخالفت نہ کیند حسن و حسین راخدا شمار اصبر دہد در مصیبت من'' میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ فرزندان رسول الثقلین صلعم حسن حسینؑ کی ہمیشہ نصرت کرنا اور کبھی ان کی مخالفت دھیان میں بھی نہ لانا۔ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں خدا تمہیں صبر عطا کرے۔

(کشف الانوار ترجمہ بحار۔ جلد ۹۔ صفحہ ۲۱۷)

علامہ کلینی چھ سندوں سے ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے

اپنے بارہ بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: "دیکھو یہ میرے دونوں نورِ نظر حضرتِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ ان کے فرمان کو بگوش دل سننا اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا اور ہر قسم کی امداد میں سینہ سپر رہنا۔ (اصول کافی صفحہ ۱۴۱ طبع ایران ۱۲۸۱ھ)

حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کے ہاتھ میں سب بیٹوں کے ہاتھ دے دیئے:

وصیت فرمانے کے بعد آپ نے حضرت عباسؑ کے علاوہ اپنے تمام فرزندوں کے ہاتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیئے۔ یعنی آپ نے سب کو امام حسن علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ (کتب تواریخ ومقاتل)

جناب اُم البنینؑ کا اضطراب:

جناب اُم البنینؑ مادر گرامی حضرت عباسؑ نے جب یہ دیکھا کہ اپنے سب فرزندوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا ہے۔ مگر میرے نور نظر عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا تو آپ بے انتہا پریشان ہوئیں اور کمال اضطراب میں گھبرا کر عرض کرنے لگیں۔ میرے سرتاج! میرے آقا! میرے مالک! کیا اس ناچیز کنیز سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے۔ یا حسنینؑ کے خادمِ عباسؑ سے کوئی قصور ہوگیا ہے؟ سردار دو عالم جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے دریافت فرمایا کیوں اُم البنینؑ کیا بات ہے۔ عرض کی مولا! آپ نے سب بیٹوں کو امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا اور خادمہ زادہ "عباسؑ" کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ میرا دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہے۔

حضرت علی کا گریہ:

جناب اُم البنینؑ کے اِس مضطربانہ سوال پر حضرت علیؑ رو پڑے، اور فرمایا اے اُم

البنینؑ اگر تم اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ عرض کی، مولا آگا فرمائیے۔ میں تو یہی چاہتی ہوں کہ میرے فرزند کا ہاتھ بھی حسنؑ کے دستِ مبارک میں دے دیا جائے۔

دستِ حسینؑ میں علمدارؑ کا ہاتھ:

حضرت علیؑ نے تاجدار کربلا امام حسین علیہ السلام کو قریب بلایا اور عباسؑ علمدار کو بھی طلب فرمایا اور امام حسینؑ کے دستِ مبارک میں اُن کے قوت بازو علمبردار کربلا عباسؑ بن مرتضیٰؑ کا ہاتھ دے کر ارشاد فرمایا۔ ''بیٹا! یہ تمہارے سپرد ہے۔ میں اسے تمہاری غلامی میں دیتا ہوں۔ پھر حضرت عباسؑ سے فرمایا۔ ''بیٹا! یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی رفاقت اوران کی امداد تمہارا عین فریضہ ہے جب یہ کربلا کے میدان میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا۔ (ریاض القدس۔ صفحہ ۶۹ خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۰۰ طبع نولکشور ۱۲۹۳ھ فضائل الشہداء باب ۲ ف ۹ صفحہ ۱۱۱)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ ''حضرت علیؑ نے جناب عباسؑ کو امام حسین علیہ السلام کے سپرد کیا اور کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ (مائتین صفحہ ۴۴۱۔ مرقات الایقان جلد ۱ صفحہ ۴۰) جناب اُم البنینؑ اس خصوصی اعزاز کو ملاحظہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔

شہادتِ حضرت علیؑ پر جناب عباسؑ کا سر ٹکرانا:

حضرت امیر المومنین وصیت سے فارغ ہو چکے۔ اور تمام ضروری امور سے فرصت کے بعد خالقِ کائنات کی طرف روانگی سے حالات ظاہر فرمانے لگے اور ۶۳ سال کی عمر میں شب جمعہ ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو نصف شب گذرنے کے بعد تمام اعزا و اقربا احباب، خادم اور اولاد کو ہاتھ ملتا چھوڑ کر راہیِ جنت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا انتقال فرمانا تھا کہ اہل بیت کرام نے فلک شگاف نالے شروع کر دیئے۔ کوفہ کی ہر گلی وکوچہ سے صدائے گریہ بلند ہوگئی۔ تمام بیبیاں بے حال تھیں۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ محونالہ تھا۔ ہر ایک اپنے احساس کے موافق رونے میں مشغول تھا۔

مُلاّ محمد حسین واعظ لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عباس فرط غم کی وجہ سے اپنے سر کر بار بار دیوار خانہ سے ٹکرا رہے تھے۔ (اخبار ماتم صفحہ ۱۵۲ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ)

مرزا دبیرؔ نے اس منظر کو نہایت پُر اثر اسلوب سے نظم کیا ہے:-

﴿۱﴾

شیعوں میں اس بیان سے ہوا اور شور و شین
لائے پسر گلیم پئے شاہ مشرقین
یوں لے چلے گلیم میں حیدر کے نور عین
کاندھا دیئے سرہانے حسنؑ پائنتی حسینؑ
آکر جلو میں روح امیں ننگے سر چلا
لاشہ کنندۂ در خیبر کا گھر چلا

﴿۲﴾

پہنچا جو لاشۂ شہ مرداں قریب در
بے ساختہ نکل پڑی زینبؑ برہنہ سر
بعد اس کے یوں ہی آئیں تھیں اکبرؑ کی لاش پر
یہ واقعہ تھا باپ کا وہ ماتم پسر
رکھ رکھ کے ہاتھ آنکھوں پہ سب خلق ہٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ لاش سے زینبؑ لپٹ گئی

﴿۳﴾

لاشے کی پیشوائی کو سب اہلِ بیت آئے
سر کو سنبھالے ہاتھوں پہ بیت الشرف میں لائے
اُم البنین زمین پر تڑپ کر پکاری ہائے
عباسؑ ہے کہاں ارے جرّاح کو بلائے
جلد آئے زخم سینے کو مرہم لگانے کو
بولا کوئی حسینؑ گئے ہیں بلانے کو

﴿۴﴾

اُم البنینؑ کو پایا جو صدمہ میں مبتلا
باہیں گلے میں ڈال کے عباسؑ نے کہا
اے اماں صدقہ دینے سے رد ہوتی ہے بلا
بھائی حسنؑ حسینؑ ہیں زہرؑا کے دلربا
روشن کرو جہان میں تم اپنے نام کو
صدقہ اُوتارو شاہ نجف پر غلام کو

﴿۵﴾

یہ سن کے اُس ہراس میں سنبھلی وہ بیقرار
لے کر بلائیں بولی چلو میرے گلعذار
بابا پہ تم نثار ہو تم پر یہ ماں نثار
چلائی بڑھ کے مجمع ماتم میں ایکبار
سیدانیو رنڈاپے کی غم سے پناہ دو
صدقہ اُتارنے کو میں آتی ہوں راہ دو

﴿۶﴾

آگے سے ہٹ کے بیبیاں سب پوچھنے لگیں
کیا لائی ہے علی کے تصدق کو اے حزیں
بولی وہ باوفا کہ یہ فرزند مہ جبیں
اب مانگ پر بنی ہے خبر کوکھ کی نہیں
اس لعل بے بہا کو میں والی پہ واروں گی
شاہِ نجف پہ دُرِ نجف کو اوتاروں گی

﴿۷﴾

بھاری زمین مجھ پہ رنڈاپے کے غم سے ہے
اس یاس میں امید خدا کے کرم سے ہے
مطلب نہ بیٹوں سے ہے نہ مال و درم سے ہے
میری تو سلطنت مرے صاحب کے دم سے ہے
خیر النساؑ سی بیبیاں جنت میں سوتی ہیں
ہم سی جو بے نصیب ہیں وہ بیوہ ہوتی ہیں

﴿۸﴾

بولے علی تو ہوش میں اے نوحہ گر نہیں
عباسؑ کے وقار کی تجھ کو خبر نہیں
یہ فاطمہؑ کا بیٹا ہے تیرا پسر نہیں
شبیرؑ کے لیے کوئی ایسی سپر نہیں
صدقے میں لاکھ جان سے اس نورِعین پر
یہ کربلا میں ہوئیگا قرباں حسینؑ پر
(مرزا دبیرؔ)

انیسویں رمضان کی شب امام علی علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:-

اے علیؑ ! موت پر کمرِ ہمت کو کس لو، وہ رات آگئی جس رات کی خبر رسولِؐ خدا مخبرِ صادق نے دی تھی۔ یہ وہی رات ہے جس کا وعدہ مجھ سے کیا گیا تھا۔

اُمّ البنینؑ امیر المومنینؑ کو مضطرب دیکھ کر پوچھتی ہیں کہ اے امیر المومنینؑ آج شب قدر ہے؟

انیسویں رمضان کی سحر جب امام علیؑ یہ شعر پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے:-

اشدد حیازیمك للموت فان الموت لاقیك

موت کے لیے اپنی کمر مضبوطی سے باندھ لو کہ موت تیرے پاس آرہی ہے۔

اس وقت اُمّ البنینؑ نے یہ احساس کیا کہ یہ وداع کی رات ہے اور اشک آلود آنکھوں سے الوداع کہا۔

آخرکار جبرئیلؑ نے زمین و آسمان کے درمیان سے آواز دی جسے ہر بیدار شخص سن سکتا تھا: خدا کی قسم، ہدایت کے ستون ویران ہوئے، علی مرتضیٰؑ گئے۔ اس وقت اُم البنینؑ نے پکار کر کہا: اے رسولؐ اللہ کے وارث! آپ ہمیں تنہا چھوڑ گئے۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے موقع پر حضرت اُم البنینؑ کے اضطراب کو میر انیسؔ نے بھی نظم کیا ہے:-

۱

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوست دار
زینبؑ بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
آؤ مرے قریب کہ ہے وقت احتضار

یہ سن کے روتے روتے دم اُن کے الٹ گئے
بارہ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے

﴿۲﴾

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا
اور ہاتھ اُن کے ہاتھ میں نو بیٹوں کا دیا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاس ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں اُن کو دیکھتی تھی وہ منہ ماں کا تکتے تھے

﴿۳﴾

اُمّ البنینؑ قدم پہ گری کھولے سر کے بال
کی عرض یا علیؑ ولی شیر ذوالجلال
عباسؑ سے ہے خاطر اقدس پہ کچھ ملال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
رہتا یہ خدمت حسنؑ خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا اُن کے ہات میں

﴿۴﴾

اُم البنینؑ سے رو کے علیؑ نے کہی یہ بات
دیتا حسنؑ کے ہاتھ میں کیوں کر میں اُس کا ہات
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرؑ خوش صفات
اور عاشقِ حسینؑ ہے عباسؑ نیک ذات

شانِ بہادری ہے ترے نورعین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دستِ حسینؑ میں

﴿۵﴾

عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا
ہاتھ اُس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے با وفا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو صدا
آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
اُس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

﴿۶﴾

عباسؑ سے کہا کہ سُن اے میرے نونہال
تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفٰےؐ کا لال
رکھیو ہمیشہ خاطر شبیرؑ کا خیال
اس کا ملال احمدؐ مرسل کا ہے ملال
پیش خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
مجھ کو بھی پاس رہتا ہے اس نور عین کا

﴿۷﴾

خدمت سے کیجیو نہ کسی حال میں قصور
تو ایک مشت خاک ہے یہ ہے خدا کا نور
دلبند فاطمہؑ کا ہے پاس ادب ضرور
جواس کے دل سے دور ہے وہ ہے خدا سے دور

آقا کا ساتھ تا دم مردن نہ چھوڑیو
سب چھوٹیں پر حسینؑ کا دامن نہ چھوڑیو

﴿۸﴾

بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر
پہلے مرے حسینؑ سے تو باندھیو کمر
پہنچے جو کربلا میں یہ سلطان بحر و بر
خیمے کی چوکی شام سے تو دیجو تا سحر
روز نبرد معرکہ آرائی کیجیو
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو

﴿۹﴾

یہ سن کے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار
اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
دو دن تک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار
فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی

﴿۱۰﴾

اک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
بغلوں میں ہاتھ دے کے اُٹھاؤ مجھے ذرا
آئے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفےٰؐ
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتا
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے

غل پڑ گیا کہ حیدرؑ کرّار مر گئے

﴿۱۱﴾

فوج ملک میں شور قیامت ہوا عیاں
تھرا گئی زمین ۔ لگا ہلنے آسماں
جنّات پیٹنے لگے با نالہؔ و فغاں
مابین آسماں و زمیں تھا یہی بیاں
وا حسرتا کہ تخت امامت اُلٹ گیا
بس آج زور آلِ محمدؐ کا گھٹ گیا

حضرت علیؑ سے حضرت اُمّ البنینؑ کا عقد ۱۷ رجب ۲۱ھ میں ہوا تھا۔ ۲۱ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علیؑ کی شہادت ہوگئی۔ تقریباً بیسؔ برس دونوں کا ساتھ رہا۔ بحیثیت زوجہ اُمّ البنینؑ نے تن من دھن سے شوہر اور شوہر کی اولاد کی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ شادی کے بعد کبھی گھر سے نہیں نکلیں۔ چاروں بیٹوں اور ایک بیٹی کی پرورش میں انہماک تھا۔ بیسؔ برس تک خاندان اہلِ بیتؑ میں اُن کو مرکزیت حاصل تھی۔ عیدین پر خاندان حضرت علیؑ کے پاس آتا تھا۔ حضرت اُمّ البنینؑ ایک باوفا اور باوقار بزرگِ خاندان خاتون تھیں، حضرت علیؑ کی زوجہ ہونے کے سبب سبھی انھیں سلام کرتے تھے۔ وہ بھی پورے خاندان کی سلامتی کی دعائیں کرتی رہتی تھیں۔

حضرت امام حسینؑ جب ۲۸ رجب ۶۰ھ کو کربلا (عراق) جا رہے تھے تو حضرت اُمّ البنینؑ کو اِسی احترام کے سبب اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔

حضرت اُمّ البنینؑ مدینے میں رہ گئیں اور وہ حضرت فاطمہ صغراؑ کی تنہائی و پریشانی میں اُن کی غمگسار تھیں۔

باب ۔۔۔۔۔۔۹

حضرت اُمّ البنینؑ

بحیثیت ماں

مولانا سیّد آغا مہدی مرحوم لکھتے ہیں:۔

شہزادہ عباس کی ماں کا نام فاطمہ اور کنیت اُم البنین (بچوں کی ماں) ہے، عرب میں فاطمہ نامی جناب معصومہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے پہلے اور بعد جو عورتیں گذری ہیں اُن میں یہ خاتون بڑی خوش بخت تھیں، فاطمہ بنت اسد کی بہو ہونا، علیؑ کی رفیقۂ زندگی قرار پانا غیر فانی عزت ہے جس کی قبائل عرب کے دل میں آرزو تھی اور خصوصی شرف خاتون کو یہ تھا کہ خود مشکلکشا طلبگار ہوئے، عقیل ایسا دانشمند واسطہ ہوا اُس گھر میں آئیں جہاں فاطمہ زہراؑ کی ثانوی حیثیت پائی، سب سے بڑا فخر یہ تھا کہ سردار جوانان جناں اور ثانیٔ زہراؑ کی ماں کہلائیں۔ دونوں فرزند حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ درجۂ عظمیٰ امامت پر فائز اور گوشوارہ عرش تھے مگر اُم البنینؑ ان کی بھی ماں تھی۔ ان حضرات کا قاعدہ یہ تھا کہ پرورش کرنے والی عورت اور (کھلائی) پر کھانے میں سبقت نہ کرتے تھے چہ جائیکہ باپ کی رفیقِ زندگی، اور وہ خاتون جس کا انتخاب بڑے گہرے مقاصد کے تحت میں ہوا یہ شادی عیش کے لیے نہ تھی ایک نسل کا منبع سمجھ کر تزویج ہوئی۔

دستور اسلامی کے تحت میں وہ عورت قابل عزت نہیں جو بانجھ ہو اُس عورت کو مذہب سر آنکھوں پر جگہ دیتا ہے جو صاحب اولاد ہو۔ پیغمبرؐ کی حدیث جو فریقین روایت کرتے ہیں...... کہ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ میں روز قیامت اکثریت امت پر فخر کروں گا۔ (۱) جامع الاخبار (۲) مفاتیح الغیب تفسیر کبیر جلد دوئم صفحہ ۴۰۲

حضور سرور دو عالمؐ کا ارشاد ہے کہ ایسی عورت سے شادی کرو جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو (جامع الاخبار) اُم البنینؑ کا خاندان کثرت نسل کے لحاظ سے مشہور تھا اور وہ بھرے گھر میں رہنے والی لڑکی تھیں عرب کیا بلکہ اسلام میں بھی یہ نظریہ عام تھا کہ نسب باپ کی طرف سے ہے اور ماں ایک ودیعت گاہ ہے جو مدت حمل کے بعد بچہ کو پرورش کے لیے باپ کو سپرد کر دیتی ہے لیکن اُم البنینؑ کے صرف آبائی سلسلہ کا علم انساب میں تحفظ نہیں ہوا بلکہ ان کے ننھیال اور پھر نانی کے ننھیال کا سلسلہ بارہ طرح سے ضبط تدوین میں آیا جو تاریخ عرب میں ایک حیرتناک بات ہے آج کل کے لوگوں نے جو دور ارتقاء کہا جاتا ہے اس مبحث زندگی کو کالعدم کر رکھا ہے حالانکہ اس کی بڑی اہمیت ہے اور علوم وفنون میں یہ علم بہت ممتاز ہے بعض محققین علم الآثار علم الامثال علم الاوائل کے بعد لکھتے ہیں۔

علم الانساب وہ علم ہے جس سے لوگوں کے نسب اور قواعد کلیّہ و جزئیہ نسبت تعلقات وشرافت نسبی معلوم ہوتے ہیں اس علم سے تمدنی فوائد بہت کچھ حاصل ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ **رجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا** اور گردانا ہم نے تم کو گروہ وقبیلہ تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے **تعلموا انسابکم تعلوا ارحامکم** یعنی اپنے انساب کو جانو تاکہ صلہ رحم یعنی نیکی کر سکو اُن کے ساتھ جو کہ اقرباء نسبی ہیں اور دوسری حدیث میں ہے اپنے نسب

کوصلہ رحم کے لیے گزشتہ ستر پشت تک شمار فرمایا ہے۔ عرب میں تحقیق نسب کا ہمیشہ سے بہت لحاظ تھا مجہول النسب کو اُس کے مسکن و حرفہ سے منسوب کر کے نام لیتے تھے۔

(فلسفۃ الاسلام جلد اوّل صفحہ ۴۶ معیار پریس رستم نگر لکھنؤ)

اس جذبہ کو عرب نے ایسا حد سے فزوں کیا تھا کہ تلوار کے نسب، گھوڑوں کا پشت نامہ بھی اُن کی زبان پر تھا اور آج تک موجودہ متمدن دنیا میں اشرف مخلوق انسان اپنے باپ، دادا، نانا کے اسماء کو بھول جائے مگر شوق کے جانوروں کے نام اوپر تک اُن کو یاد ہیں اور یہ لہر کہاں نہیں دوڑی۔

اسلام نام ہے صراط مستقیم کا اُس نے ہر اچھائی کا اپنے حدود میں حکم دیا اور گھٹنے اور بڑھنے سے روکا۔ کوتاہی اور تجاوز کو عصیاں بتایا ہے۔

کیا حضرت امیرؑ کی نظر امامت جو بالائے منبر جبرئیلؑ کو پہچان لیتی ہے بہادر خانوادہ ڈھونڈ نہ سکتی تھی۔ اُم البنین کا گھر اُن کی نگاہ عصمت سے چھپا ہوا تھا ایسا نہیں ہے عقیل نے علم الانساب میں جو معلومات بہم پہنچائے تھے اُس سے رجوع ایک پیکرِ علم کے لیے صحیح قدردانی اور ہمت افزائی تھی وہ سن وسال میں دس برس بڑے تھے اُن سے رجوع کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ آنے والے نوجوان اپنے شادی بیاہ کے مسرت افزا اوقات میں اپنے بزرگ کو بھول نہ جائیں اور خدا جانے کتنے بھید ہونگے جس کو ہماری ناقص عقل دریافت نہیں کرسکتی اور ثواب تو اس مقصد خیر کا کہیں نہیں گیا پیغمبرؐ خدا صلعم کی حدیث ہے جو تزویج (شادی) میں کوشش کرے اور مرد و عورت کو ایک جگہ جمع کر دے خدا اس کی حوروں سے شادی کرے گا اور ان تمام مساعی کے عوض میں ایک ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (جامع الاخبار)

بغیر مشورہ ذاتی تجویز پر نہ عقیل کارثواب کے حقدار ہوتے نہ اس خاندان کا ویسا

تعارف ہوتا جیسا کہ عقیل کے درمیان میں ہونے سے ہوا عقیل کی شخصیت ادبی دنیا میں بڑی ممتاز تھی دو بھائیوں کی اس سلسلہ میں بات چیت پر ملاحظہ ہو۔ مولا ایک ایسے گھرانے کی لڑکی بتایئے جو بہادران عرب کی نسل سے ہو میں اس سے نکاح کروں اولاد جو ہو وہ بڑی بہادر اور دلیر جنگ آزما ہو۔

عقیل اُم البنینؑ کلابیہ سے نکاح کیجئے جس کے باپ دادا سے زیادہ شجاع اور بہادر سرزمین عرب میں کوئی نہیں۔ حضرت امیرؑ کو بھائی کی تحقیق پر اعتماد تھا اب پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں اور لڑکی والے بھی اگر مسلمان ہیں تو شوہر بتول کا نام سنتے ہی جبینِ نیاز خم کریں گے عقیل کی بات رد نہیں ہوسکتی اُم البنینؑ دوشیزہ ہیں اُن کا ابھی تک کوئی پیام عملی جامہ پہن نہ سکا تھا حافظ حقیقی نے اُن کو عام رشتے سے منسلک ہونے نہیں دیا۔ ان کے کنبہ میں وہ فردیں تھیں جو نیزہ و سنان میں کھیل کر بڑے ہوئے اُن کے نام شجاعانِ عرب کی فہرست میں ثبت رہیں گے۔ اسی خاندان کا لبید بن ربیعہ عامری وہ شاعر ہے جس کا کلام سبعہ معلقہ میں آج تک موجود ہے اور یہ واقعہ ہے کہ زوجہ امیرالمومنین سے پہلے بھی اس نسل میں اُم البنینؑ نامی ایک خاتون گزریں اُن کے بھی چار ہی بہادر فرزند تھے شجرہ اُم البنین کی ماں اور ان کی ماں کے کئی سلسلوں تک نام محفوظ ہیں شجرہ میں ستّر ناموں سے زیادہ محفوظ ہیں (العبدالصالح)

محترمہ اُم البنینؑ اور مولا کا ساتھ کم و بیش بیس[۲۰] برس رہا ۲۱ ماہ رمضان ۴۰ھ کو بیوہ ہونے کے بعد ۲۱ برس امام حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ رہیں اور کربلا کے بعد گریہ وزاری میں اُن کی عمر ختم ہوئی شہادت حسینؑ کے بعد حکومت بنی اُمیہ کی کالی گھٹائیں بڑی مدت تک مدینہ پر چھائی رہیں ۶۴ھ میں شمع حیات گل ہوگئی۔ واقعۂ کربلا کے بعد تقریباً تین برس حضرت اُمّ البنینؑ حیات رہیں۔

حضرت عباسؑ کی ولادت:

انساب کی کتابوں اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ اپنی پیدائش کے لحاظ سے حضرت علیؑ کے پانچویں صاحبزادے تھے۔

(۱)۔ حضرت حسن مجتبیٰ سال پیدائش ۳ھ سال شہادت ۵۰ ہجری۔

(۲)۔ حضرت حسینؑ سال پیدائش ۴ ہجری، شہادت ۱۰ محرم ۶۱ ہجری۔

(۳)۔ حضرت محسنؑ جن کی شہادت ۱۱ ہجری میں ہوئی۔

(۴)۔ حضرت محمد حنفیہ سال پیدائش ۱۵ ھجری، سال شہادت ۸۱ ہجری۔

(۵)۔ حضرت عباسؑ اکبر سال پیدائش ۲۲ ھجری زیادہ معتبر ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ خولہ والدہ محمد حنفیہ کا عقد نکاح حضرت اُم البنینؑ سے پہلے ہوا تھا۔

جس دن حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی حضرت علیؑ نے ان کو اپنے پاس منگایا اور دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور ان کا نام عباسؑ بروزن فعال رکھا اور ان کا لقب ابوالفضل اور کنیت ابوالقربہ رکھی، (قربہ کے معنی ہیں مشک پانی سے بھری ہوئی)، حضرت علیؑ اکثر عباسؑ کو اپنے زانو پر بٹھاتے تھے اور شیرخوار کے کرتے کی آستین اونچی کرتے تھے اور دونوں بازو چومتے تھے اور روتے تھے۔ ایک روز حضرت اُم البنینؑ نے رونے کا سبب پوچھا، حضرت نے فرمایا کہ ایک دن اس بچہ کے ہاتھ اس کے بھائی کی نصرت میں قطع ہو جائیں گے، میں اس وجہ سے روتا ہوں۔

ولادتِ عباسؑ پر حضرت علیؑ، حضرت زینبؑ اور حضرت اُم البنینؑ کی گفتگو:

جب عباسؑ پیدا ہوئے تو عقیلۂ بنی ہاشم، ربیبۂ وحی و عصمت جناب زینبِ کبریٰ

سلام اللہ علیہا نے امیر المومنینؑ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔

''بابا ! آپ نے مولود کا نام کیا رکھا اور کنیت اور لقب کیا قرار دیا؟''

مولائے کائناتؑ نے بصد عاطفیت وشفقت کے فرمایا۔

''ہاں بیٹا ! ہم نے انکا نام بھی رکھ دیا ہے اور کنیّت ولقب بھی قرار دے دیا''

جناب زینب علیہا السلام۔

''بابا ! وہ کیا؟''

امیر المومنین علیہ السلام۔

''بیٹا ! نام۔ تو پس ان کا نام ''عباس'' ہے۔

اور کنیّت۔ تو وہ ہے ''ابو الفضل'' اور لقب۔ تو وہ ہیں ''قمر بنی ہاشم'' و ''مہ دودمان رسالت'' اور ''سقاء''۔''

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے بصد تعجب کے عرض کیا۔

''بابا ! بے شک یہ جو نام ہے ''عباسؑ'' ۔ یہ شجاعت اور دلیری کی علامت ہے اور یہ جو کنیّت ہے ''ابو الفضل'' ۔ یہ زکاوتِ قلب ونجابت کا نشان ہے اور یہ جو لقب ہیں یہ ''قمر بنی ہاشم'' اور ''مہ دودمان رسالت۔'' یہ جمال وکمال اور ہیبت وجلال کا پتہ دیتے ہیں لیکن بابا ! یہ ''سقاء'' لقب قرار دینے کا کیا سبب ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے روتے ہوئے فرمایا۔

''بیٹا! میرا یہ لال کربلا کے پیاسوں کی سقائی کرے گا۔'' یہ کہہ کر گریہ کیا آپ کے گریہ اور بیان کربلا سے جناب زینبؑ پر رقت طاری ہوئی اور مادر گرامیؑ کے بتائے ہوئے واقعات کے یاد آنے پر چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ کیفیت قلب دگرگوں ہوئی۔ گریہ گلوگیر ہوا۔ امیر المومنینؑ نے حدیث ام ایمن بیان کی۔ بی بی کے گریہ کی صدا بلند

ہوئی۔

مولاؑ نے فرمایا۔

'' اے بیٹا! صبر کے ساتھ اپنے دل کو قوی رکھو۔ اپنے آنسوؤں کو روک لو۔ اور اپنے بھائی کو اسکی ماں کے پاس لے جاؤ یقیناً اس مولود کے لئے تمہاری معیت میں اعلیٰ شرف اور شانِ عظیم ہے۔'' تو آپ مولودِ نبیل وبطلِ جلیل کو لے کر جناب امّ البنینؑ کے پاس آ گئیں اور انکے اس استفسار پر کہ ''میرے والی وسیّد وسردارؑ نے اس مولود کا نام کیا رکھا؟''۔

سارا واقعہ بیان کیا۔ جسے سن کر جنابِ امّ البنینؑ نے فرمایا۔

''ساری تعریف اس پروردگار کے لئے کہ جس نے میرے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور میرے لئے اپنے وعدے کو پورا کیا۔''

یہ سن کر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے استفسار کیا کہ۔ ''وہ خواب کیا تھا''

جناب امّ البنین علیہا السلام نے وہ خواب بیان کیا جس میں آپ نے اپنی آغوش میں چاند کا اترنا دیکھا تھا۔ (الخصائص العباسیہ۔ محمد ابراہیم الکلباسی نجفی۔ ص ۶۹ تا ۷۱)

حضرت عباسؑ، حسن اخلاق، پاک سیرت، روشن ضمیر، اور دل کش شمائل کے مالک تھے:

مقاتل الطالبین میں روایت ہے کہ **"بین عینیہ اثر السجود"** (ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا)

ابن جوزی نے ہشام بن محمد سے اور انھوں نے قاسم بن اصبغ مجاشعی سے روایت کی ہے کہ جب شہیدوں کے سر کوفہ لائے گئے تو میں نے ایک سر کو دیکھا کہ نہایت خوب صورت اور وجیہ تھا اور اس کی صورت مثل چاند کے چمکتی تھی اور سجدہ کا نشان اس

کی پیشانی پر تھا، میں نے دریافت کیا کہ یہ سرکس کا ہے؟۔ایک شخص نے کہا کہ عباسؑ بن علیؑ کا ہے۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں حرملہ بن کاہل الاسدی ہوں۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں نے حرملہ کو پھر دیکھا اُس وقت اس کی صورت مثل کوئلہ کے سیاہ ہوگئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہوئی کہ تمھاری صورت مسخ ہوگئی، اس نے جواب دیا کہ جب سے میں نے سر کو نیزہ پر رکھا اور جگہ جگہ پھرایا میری صورت سیاہ ہوگئی جیسی کہ تم اب دیکھتے ہو۔

ان روایتوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ اس قدر عبادت فرماتے تھے کہ ان کی پیشانی پر سجدہ کا نشان پڑ گیا تھا اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ اس مقدس باپ کے بیٹے اور اس بزرگ کے بھائی تھے جو ایک رات میں ہزار ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے اور یہ قول امیر المومنینؑ اور سیّد الشہدا کے بارے میں ہے جس کو فریقین کے سب آدمی مانتے ہیں۔

حضرت عباسؑ کی اہلِ بیتؑ سے غمخواری اور نگہبانی اور سقایت کا ہر شخص معترف ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے چچا عباس بصیرت نافذ، دور بینی اور محکم ایمان کے حامل تھے۔انھوں نے راہ خدا میں اپنے بھائی کے ساتھ جہاد کیا اور امتحان میں پورے اترے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

شیخ صدوق نے روایت کی ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے ایک دن عبید اللہ بن حضرت عباسؑ کو دیکھا اور رو کر فرمایا:-

رسولؐ خدا پر احد، کے دن سے زیادہ سخت دن نہیں پڑا جس دن کہ ان کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اسد اللہ واسدِ رسولؐ اللہ شہید ہوئے، اور میرے بابا حسینؑ پر روز عاشورہ

سے زیادہ سخت دن نہیں پڑا جس دن ان کو تیس ہزار آدمیوں نے گھیر لیا تھا اور وہ سب یہ جانتے تھے کہ امام علیہ السلام پیغمبرؐ کے لخت جگر ہیں لیکن ان کا قتل کرنا باعث خوشنودی خدا سمجھتے تھے اور باوجود اس کے کہ حضرت ان کو رسالت مآبؐ سے اپنی قرابت یاد دلاتے تھے لیکن وہ کچھ نہ سنتے تھے یہاں تک کہ ظلم وستم سے ان کو شہید کر دیا۔

پھر حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا کہ اللہ پاک میرے چچا عباسؑ پر رحمت نازل فرمائے کیونکہ انھوں نے اپنے بھائی کی نصرت میں اپنی جان قربان کردی اور بہت اچھا امتحان دیا۔ اپنے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے جس کے عوض خداوند عالم نے ان کو بھی دو پر مثل حضرت جعفر طیارؓ کے عطا فرمائے۔ جن کے ذریعہ سے وہ ملائکہ کے ساتھ بہشت میں پرواز کرتے ہیں۔ میرے چچا عباسؑ کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا مرتبہ ہے جس پر قیامت کے دن تمام شہداء رشک کریں گے۔

شیخ صدوق نے ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے ایک روز رسالت مآبؐ کو غمگین دیکھا انھوں نے سبب پوچھا، حضورؐ نے فرمایا:-

"ھاۃ شوقی ان اخوانی من بعدی"

میرے دل کو اپنے بھائیوں کے دیکھنے کا جو میرے بعد آئیں گے اشتیاق پیدا ہوا۔ ابوذر غفاری نے کہا کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم میرے اصحاب ہو اور وہ لوگ وہ ہوں گے جو رضائے الٰہی کے لیے اپنے ماں باپ، بھائیوں، بہنوں اور عزیزوں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے تاکہ میرے حسینؑ کی نصرت کریں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے ابوذر اُن کی شہادت کا ثواب شہدائے بدر کے ثواب سے ستر گُنا زیادہ ہوگا۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بلند مقام کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ تمام شہداء مقام عباسؑ پر رشک کریں گے، ابن شہر آشوب نے مناقب میں، سمعانی نے "

رسالہ القوامہ'' زعفرانی نے ''فضائل الصحابہ'' میں، عکبری نے ''ابانہ'' میں، ابن موذن نے ''اربعین'' میں ابن بابویہ قمی نے ''عیون اخبار الرضا'' میں، مجلسی نے بحار میں اور تمام مورخین نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ روزِ قیامت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا محشر کے میدان میں وارد ہوں گی اور دادخواہی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں فریاد کریں گی۔

حضرت رسالت مآبؐ فرمائیں گے کہ اے میری پیاری فاطمہ آج شفاعت کا دن ہے نہ کہ دادخواہی کا۔ یہ روایت بہت مفصل ہے خبر کے آخر میں درج ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی ہیں کہ میری شفاعت کا سامان لاؤ اس کے بعد فرمایا۔ "**کفانا الشفاعة یدان مقطوعتان ولدی العباس**"۔

اس روایت سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اولاً حضرت زہراؑ نے عباسؑ کو مانند حسینؑ اپنی اولاد کہا اور اس کے بعد فرمایا کہ شفاعت کے لیے عباسؑ کے دو دست بریدہ کافی ہیں۔ اس روایت سے حضرت ابوالفضل العباس کا مقام اس درجہ کو پہنچتا ہے جو مقام امامت کے پہلو بہ پہلو ہے۔

ہاں! انھیں فضائل کی وجہ سے اللہ پاک نے عباس علیہ السلام کی بارگاہ کو لاکھوں اہلِ دل وادب کی جائے طواف قرار دیا اور ان کو حاجت مندوں کا باب الحوائج بنایا۔

میر انیسؔ نے حضرت عباسؑ کے بلند مرتبہ کی کیا خوب تصویر کشی کی ہے:-

اللہ رے نسب واہ ری توقیر زہے جاہ — دادا تو ابوطالبؑ غازی سا شہنشاہ
عمّ جعفر طیّار ہزبرِ صفِ جنگ گاہ — اور والدِ ماجد کو جو پوچھو اسداللہ

فخر ان کو غلامی کا حسین ابن علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

حضرت عباس اپنی والدہ ماجدہ کی نظر میں:

خلقت کے دائرۂ محبت کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ محبت نزولی جو ماں باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔

۲۔ محبت صعودی، جو اولاد کو اپنے ماں باپ سے ہوتی ہے۔

۳۔ محبت عرضی، جو زن و شوہر اور بھائی بہن میں ہوتی ہے۔

۴۔ محبت فطری، جو درمیان منعم و شاکر ہوتی ہے۔ یہی محبت حقیقی ہے۔

۵۔ محبت خیالی، وہ مجازی محبت جو انسانوں کے درمیان ہوتی ہے۔

ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے محبت نزولی ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ چونکہ آدم ابوالبشر خاک سے پیدا کیے گئے، خلقت کا سبب محبت بنی، اس پہلو سے تخلیق آدم نے حرکت نزولی اولاد میں کی، اسی وجہ سے ہر باپ اور ماں اپنی اولاد کو مجبوراً دوست رکھتے ہیں اور یہ دوستی حیوانات میں بھی بدیہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ فلاسفہ نباتات اور جمادات میں بھی دوستی کے قائل ہیں۔

چونکہ اولاد رشتہ جگر سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اولاد کو پارہ جگر کہا جاتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کی نگہبانی میں خلاف معمول دلیری دکھلاتی ہیں اور ہر درندہ کے مقابل بچہ کو بچانے کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتی ہیں۔

جو عورتیں تربیت یافتہ اور خاندانی ہوتی ہیں شوہر کا ہر حکم بسر و چشم مانتی ہیں اور اپنے شوہروں کی خواہش کے مطابق اولاد کی پرورش اور تربیت کرتی ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے حضرت اُم البنین کا انتخاب اپنی زوجیت کے لیے کیا تاکہ بہادر اور صاحب غلبہ لڑکا پیدا ہو۔ حضرت اُم البنین نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا تھا اور اپنے شوہر کی اطاعت و فرماں برداری میں، خانگی امور کے انتظام اور اولاد کی

پرورش میں بالخصوص عباسؑ کی تربیت میں انتہائی دلچسپی لیتی تھیں۔

عباسؑ سے حضرت علیؑ کو بے حد محبت تھی، جب اُم البنینؑ نے یہ دیکھا تو خود بھی بوجہ اس کے کہ عباسؑ حضرت علیؑ کی اولادِ ارشد میں سے تھے ان کی تربیت نہایت محبت سے فرمائی۔ جس قدر حضرت عباسؑ اپنی تربیت وادب میں ترقی کرتے جاتے تھے اتنا ہی حضرت علیؑ کی محبت بڑھتی جاتی تھی یہ دیکھ کر حضرت اُم البنینؑ کی محبت بھی دو چند ہوتی جاتی تھی، وہ حضرت عباسؑ کی کسی تکلیف کو گوارا نہ کرتی تھیں اور ایک لمحہ کے لیے یہ نہیں چاہتی تھیں کہ کسی قسم کا رنج یا صدمہ ان کو پہنچے۔

ایک روز حضرت علیؑ نے عباسؑ کو اپنے زانو پر بٹھایا اور اُن کی آستینیں اونچی کیں اور ان کے بازوؤں کو بوسہ دیا۔ اور گریہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر حضرت اُم البنینؑ کو بہت تکلیف ہوئی اور انھوں نے امیر المومنینؑ سے رونے کا سبب دریافت کیا، حضرت نے جواب دیا کہ اس کے ہاتھ اپنے بھائی حسینؑ کی نصرت میں قطع کیے جائیں گے، آپ بوجہ محبت مادری بیتاب ہوگئیں، لیکن جب حضرت علیؑ نے عباسؑ کا مقام ومرتبہ بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ دونوں ہاتھ جدا ہونے کے بعد خداوند تعالیٰ ان کو دو پر عطا فرمائے گا جن کے ذریعہ سے وہ بہشت میں پرواز کریں گے تو یہ سن کر آپ خاموش ہوگئیں۔

جناب اُمّ البنینؑ نے حمدِ خدا کے تعویذ فرزندوں کے گلے میں پہنائے تھے:-

باقر شریف قرشی نے اپنی کتاب **العباسؑ بن علیؑ** میں **المنمق فی اخبار قریش** ۔ ص ۴۳۷ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ۔

أعيذه بالواحد	من عين كلّ حاسد
قائمهم والقاعد	مسلمهم والجاحد
صادرهم والوارد	مولدهم والوالد

تعویذ کا ترجمہ:-

''میں نے اپنے فرزند کو خدائے واحد کی پناہ میں دیا، میرے فرزند کو ہر حاسد کی نظر سے تو ہی محفوظ رکھنے والا ہے۔ الٰہی، انسانوں میں اُسے تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور رب کا انکار کرنے والے بھی ہیں، وہی مالکِ کائنات ہے جو وجود میں لاتا ہے اور واپس بُلانے والا ہے، وہی ربّ کائنات پیدا کرنے والا ہے، میرے فرزند کو اور ان کے آباؤ اجداد کو بھی''۔

حضرت عباسؑ اپنے بھائی کی نظر میں:

حضرت عباسؑ نے حضرت علیؑ کے زیر سایہ تربیت پائی، حسنین علیہم السلام کے بعد حضرت علیؑ کی توجہ وشفقت سب سے زیادہ عباسؑ پر تھی، یعنی جس طرح پیغمبرؐ نے حسنینؑ کی خاص طور سے تربیت فرمائی، اپنی زبان وانگشت مبارک سے شکم سیر کیا اپنے زانو پر بٹھلا کر پروان چڑھایا اور تمام مسلمانوں سے ان کی ہر موقع پر ظاہری و باطنی سفارش فرمائی اور ان کی عظمت کا تعارف کرایا، اسی طرح حضرت علیؑ نے عباسؑ کی تربیت اس مقصد سے کی کہ وہ اپنے بھائی حسینؑ کی مدد اس وقت کریں جب وہ میدان میں تنہا رہ جاویں اور برابر ان کی فرماں برداری کرتے رہیں۔

عباسؑ اپنے فرض کو اچھی طرح جانتے تھے اور کبھی بھول کر بھی ادب کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

عباسؑ کے متعلق نہ دیکھا گیا اور نہ سنا گیا کہ کبھی بھی اپنے باپ کے زمانہ میں جب ان کا سن سترہ برس کا تھا اور اپنی شہادت کے وقت تک کوئی بھی قدم ادب کے دائرہ کے باہر اٹھایا ہو اور وہ ہمیشہ بھائیوں کے احکام کی تعمیل جان و دل سے کرتے تھے اور نہایت

خندہ پیشانی اور فروتنی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ صاحب غلبہ اپنے بازو کی قوت کے بھروسہ پر خود پسند اور جابر ہو جاتے ہیں لیکن عباسؑ باوجود اپنی قوت و طاقت کے نہ صرف اپنے بزرگوں کا ادب کرتے تھے بلکہ کمزوروں اور بچوں تک کی خاطر داری اور دلجوئی فرماتے تھے۔ ہاں جس نے حسنؑ جیسے بردبار بزرگ اور حسینؑ جیسے شجاع اور سخی کے سایہ میں تربیت پائی ہو اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے عباسؑ کے بھائی ان سے غیر معمولی محبت فرماتے تھے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کا صبر و استقلال:

عرب ممالک کی تاریخ میں کچھ عورتیں ایسی ہیں جو امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہماری زندگی کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور اس وسیع و عریض دنیا میں بسنے والی عورتوں کے واسطے انقلابی رہنما ہو سکتی ہیں۔

جب جزیرۃ العرب میں اسلام کا نور چمکنے لگا۔ تو مکہ و مدینہ آئین اسلام اور تربیت و تعلیم نوع انسان کے لیے مضبوط مرکز قائم ہوا۔

اس مرکز کی تقویت کی خاطر عرب کے مردوں کے ساتھ ساتھ جنگوں میں عورتیں بھی برابر شرکت کرتی رہیں۔

ان کی شرکت کے لیے مخصوص حالات و کیفیت مقرر تھے چنانچہ تاریخ عرب سے باخبر مورخین کے لیے یہ بات مخفی نہیں کہ مردوں کے ساتھ خواتین بھی دشمن کے مقابلے کے لیے شرکت کرتی رہی ہیں۔ ان میں سے بعض خواتین مخصوص بنیادی اسباب و علل کی بنا پر شریک ہو چکی ہیں۔

ان میں سے بعض خواتین نے اپنے شوہروں کو اور اولاد کو اپنے رہنما کے سامنے فدا

کاری کے لیے پیش کیا تھا۔ اور اپنی اس پیشکش پر فخر کرتی تھیں کہ دین اسلام پر اپنا بہترین سرمایہ حیات قربان کردیا۔

ان اوصاف کی حامل خواتین میں اُمّ البنین ۔حضرت اُمِ رباب اور حضرت زینبؑ کبریٰ ہیں جنھوں نے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام اور اصحاب کرام کی قتل گاہ میں کھڑے ہوکر بارگاہ خداوندی میں عرض کی **اَلّٰلھُمَّ مِنَّا ھٰذَالْقربانِ** یعنی خدایا ہماری طرف سے اس قربانی کو قبول فرما۔ اس قدر صبر و استقامت اور روحانی قوت کا کمال یہ سب شرافت نفس کی انتہا ہے۔ اس جملے سے اُن کی شخصیت اور معرفت خدا کی کمالیت عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت اُمّ البنینؑ کا صبر و استقامت جلالت و عنایت نمایاں ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ نے جب یہ خبر پائی کہ عباسؑ کے بازو قلم ہوئے۔ اور جب یہ خبر سنی تو فرمایا۔

"الحمد للّٰہ الذی جعل ولدی فداء اَلِابن بنت رسول اللّٰہ صلّیٰ اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم"

''ساری تعریف اس پروردگار کے لیے جس نے میرے بیٹے کو دلبندِ بتولؑ کا فدیہ قرار دیا'' (اُم البنین علیہا السلام شیخ نعمۃ الساعدی ص ۲۹)

قبل از ولادت حضرت عباسؑ رسول اللّٰہؐ کی پیشینگوئی:

جب حضرت جعفر طیار کی خبر شہادت محبوب خدا کی زبانی جناب امیر علیہ السلام نے سنی تو آپ پر ایک غم و الم کا پہاڑ پھٹ پڑا اور فرمانے لگے کہ بھائی جعفر طیار کی شہادت سے علیؑ کی کمر ٹوٹ گئی مگر جب مخبر صادق سے یہ سنا کہ اُس ہدیہ الٰہی کو کٹے ہوئے ہاتھوں کے عوض اُس منعم حقیقی نے دو پر زمردِ سبز کے عطا فرمائے ہیں تو درگاہ رب العزت میں

بے حد شکر گزار ہوئے اور فرمانے لگے کاش یہ مرتبہ مجھے حاصل ہو جاتا۔

مرزا دبیرؔ فرماتے ہیں:-

سن کر یہ تمنا شہہ لولاک پکارے بس بس کہ یہ حصہ ہے بھتیجے کا ہمارے
جو عاشق شبیرؑ ہے بیٹوں میں تمہارے شانوں کو کٹائے گا جو دریا کے کنارے
رتبہ کی بلندی میں فلک پست ملیں گے
یاقوت کے پر ان کو سر دست ملیں گے

زہراؑ کوئی دو تین برس اور ہے مہماں اک صالحہ سے ہوگا ترے عقد کا ساماں
اُس بی بی کے فرزند گرامی کے میں قرباں سمجھے گا نواسے کو مری جان اور ایماں
قربان وہ رہے گا پسر خیرالنساء پر
جس طرح سے تم مجھ پہ فدا اور میں خدا پر

سجدہ کیا حیدرؑ نے کہ ہے اوج پہ تقدیر کی عرض پیمبرؐ سے کہ اے صاحب تطہیر
سبطین کو تو حق نے کیا شبرؑ و شبیرؑ تم نام مرے بیٹے کا رکھو تو ہو توقیر
پر نام میں دو طرح کی تاثیر ہو پیدا
میرا ہو جلال الفت شبیرؑ ہو پیدا

جناب امیر علیہ السلام کی یہ خواہش سن کر درگاہ سمیع البصیر سے یہ آواز آئی کہ اے علیؑ مطمئن رہو ہم نے تمہاری خواہش کے بموجب ابھی سے اُس مولود مسعود کا نام عباسؑ تجویز کر لیا ہے۔

ہے عین سر اسم کہ ہوئے گا علمدار بے سے ہے بشارت کہ وہ ہے بازوئے سالار
ایمان کا آغاز الف سے ہے نمودار ہے سین سے سقائے سکینہؑ وہ خوش اطوار
ہے عین کے سر پر جو زبر خواہش رب ہے

وہ بازوئے شبیرؑ زبردست ہے سب سے

زہراؑ و علیؑ کی پُرحسرت گفتگو:

جناب امیر علیہ السلام یہ شادی وغم کی خبر سن کر جب مدینہ تشریف لائے اور جناب سیدہؑ سے یہ ماجرا بیان کیا تو جناب معصومہ نے رو کر فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ میں آپ کو بہ رضا و رغبت اجازت دیتی ہوں کہ آپ مادر عباس سے عقد کر لیں تا کہ میں حسینؑ کے فدائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔

مرزا دبیر فرماتے ہیں:-

حسرت ہے کہ عباسؑ جو پیدا ہو میں پالوں　　جو ناز کرے فخر سمجھ کر میں اٹھالوں
شبیرؑ کے فدیہ پہ سب ارمان نکالوں　　بس دودھ چھڑاتے ہی میں نوشاہ بنالوں
ننھی سی سپر پشت پہ ہو تیغ کمر میں
کاندھے پہ علم رکھ کے پھراؤں اسے گھر میں

حیدرؑ نے کہا سب یہ حشم ہوئینگے زہراؑ　　بھائی کے وہ مختار علم ہوئیں گے زہراؑ
سقائے یتیمان حرم ہوئینگے زہراؑ　　پر کب کہ تم ہوگی نہ ہم ہوئینگے زہراؑ
نو سال تلک بس وہ ہمیں بابا کہیں گے
پھر شاہ شہیداں کی غلامی میں رہیں گے

یہ سن کے جب سیدۂ کونینؑ جناب عباسؑ کی دید سے مایوس ہوگئیں تو جناب زینبؑ کو بلا کر ارشاد فرمانے لگیں کہ اے پارۂ جگر جب تمہارا چھوٹا بھائی عباسؑ پیدا ہوا تو میری جانب سے تم اُسے پالنا۔ اس کی شادی کرنا اور اُس کی بلائیں لے کر اُس کے دونوں بازوؤں کے میری طرف سے بوسے لینا جو میرے فرزند حسینؑ کی حمایت میں قطع کئے جائیں گے جناب زینبؑ نے فرمایا بہت خوب۔ اور ماں کی وصیت کے بموجب تا عمر

جناب عباس علیہ السلام کو مثل امام حسین علیہ السلام کے اپنا بھائی ہی سمجھتی رہیں۔

جناب عباس علیہ السلام کی خبر ولادت سن کر جناب امام حسین علیہ السلام کے دولت کدہ میں تشریف لانے اور اپنے چھوٹے بھائی کو گود میں لینے کی جناب مرزا دبیرؔ صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنی زبان معجز بیان سے ایسی بے مثل ونظیر لفظی تصویر کھینچی ہے جس کو دیکھ کے روح مانی و بہزاد بھی آئینہ کی طرح حیران اور ساکت و سامت ہے۔

مرزا دبیرؔ فرماتے ہیں:-

شاہ شہدا آئے جو منہ دیکھنے کو پاس نعلین کے بوسہ کو ہمکنے لگے عباس
تھا روز تولد یہ لحاظ و ادب و پاس آغوش میں آنا تھا کہ پوری ہوئی سب آس
نے دودھ کی پروا تھی نہ مادر کی خبر تھی
قلقاریاں تھیں اور رخ مولا پہ نظر تھی

علمدار حسینیؑ کی صغر سنی میں جناب اُم البنینؑ کا خواب:

از مرزا دبیرؔ:-

کیا دیکھتی ہیں خواب میں عباسؑ کی مادر اک باغ میں پھرتا ہے وہ حیدر کا صنوبر
اک دوش پہ طوبیٰ ہے تو اک دوش پہ کوثر گویا کہ تر و خشک ہیں قبضہ میں برابر
حیرت زدہ نیرنگی دنیا سے ہیں عباسؑ
چشمہ تو ہے کاندھے پہ مگر پیاسے ہیں عباسؑ
یہ دیکھ کے گھبرا گئی آنکھوں کو کیا وا سوتے میں پھری گرد پسر حق کی وہ شیدا
کاندھے پہ لگی ڈھونڈنے پھر کوثر و طوبیٰ چونکایا اسے چوم کے منہ اور یہ پوچھا
خوشنود ہو اس وقت کہ مغموم و حزیں ہو

عباسؑ میں صدقے گئی پیاسے تو نہیں ہو

حضرت عباسؑ نے فرمایا جی نہیں میں بالکل سیر و سیراب ہوں۔ بیٹے کی زبان سے یہ مطمئن کلمہ سن کر آپ نے دوبارہ آرام فرمانے کی اجازت تو دے دی لیکن پوری رات اُلجھن میں بسر ہوئی صبح ہوتے ہی آپ نے شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا اور تعبیر دریافت فرمائی جناب امیر علیہ السلام یہ خواب سن کر پہلے تو متبسم ہوئے پھر بے اختیار رونے لگے اور ارشاد فرمایا اپنے خواب کی تعبیر حسینؑ سے پوچھو کیونکہ یہ خواب انہیں کی ذات سے تعلق رکھتا ہے جناب اُم البنینؑ نے یہ ارشاد سن کر فوراً شہزادۂ کونین جناب امام حسین علیہ السلام کو بلا کر اپنا خواب سنایا۔ آپ خواب سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد فرمایا۔ مادر گرامی یہ خواب نہیں بلکہ قدرت نے ایک آنے والے حادثہ کی پیشینگوئی کی ہے۔ جس باغ میں آپ نے میرے قوت بازو کو سیر کرتے دیکھا ہے وہ گلزار جنت ہے اور طوبیٰ سے مراد علم رسولؐ ہے جو بروز عاشورا میرے علمدار کے کاندھے پر ہوگا۔ اور کوثر سے مراد میری پیاسی بیٹی سکینہ کی پُر آب مشک ہے جسے بھرنے کے لیے میرا فدائی نہر فرات پر جائے گا اور تین دن کا بھوکا اور پیاسا راہ خدا اور میری وفاداری میں دونوں شانے کٹا کر شہید کر ڈالا جائے گا۔ جناب اُم البنینؑ نے:-

یہ سن کے کئی شکر کے سجدے کئے پیہم　　　اور دوڑ کے عباسؑ کے صدقے ہوئی پُر غم
ماتھے کے عوض شانوں کے بوسے لیے اس دم　　　اور بولیں یہ فرزند سے صدقے ہوں ترے ہم

یہ میری محبت نہ بھلا دیجیو بیٹا
جو کہتے ہیں یہ اُس سے سوا کیجیو بیٹا

لو ہاتھوں کو ماں کی طرف اپنے بڑھا دو　　　خوشبوئے علمداری و سقائی سنگھا دو

کس روز علمدار بنو گے یہ سنا دو　　اور دودھ کے بدلے ہمیں کیا دو گے بتا دو
محشر میں علم کے تلے بٹھلائیو ہم کو
تم فاطمہؑ کے سامنے لیجائیو ہم کو

حضرت عباسؑ کی ولادت (مرزا دبیرؔ):

اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی تمنا کے مطابق ایک فرزند اُمّ البنینؑ سے عطا فرمایا۔ ولادت کے ساتویں دن حضرت علی علیہ السلام نے ''عباس'' نام رکھا اور ایک بھیڑ عقیقہ کر کے ذبح کیا۔ سر منڈوایا بالوں کے برابر چاندی تول کر راہ خدا میں صدقہ دیا۔

حضرت عباسؑ کی ولادت سال ۲۲ ہجری میں واقع ہوئی اور یہ بابرکت مولود اپنے تمام خاندان بلکہ اس زمانے کے تمام لوگوں میں علم وفضل اور شجاعت واستقامت میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ اور اس کا کوئی نظیر نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ واقعاً حضرت علی علیہ السلام کی تمنا مجسم ہو کر شکلِ عباسؑ میں سامنے آئی ہے۔ اس میں شک نہیں مومن کی آرزو جو دل میں رکھتا ہے کسی دن وہ مجسم ہو کر سامنے آتی ہے اور جب کُلِ ایمان کی آرزو ہو تو وہ عباسؑ کی شکل میں نور بن کر آجاتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی آرزو یہ تھی کہ کربلا کے میدان میں جب میرا بیٹا حسین یکہ وتنہا رہ جائے تو اس وقت عباسؑ جیسا قد آور شیر دلاور کام آئے گا۔

اور اُمُّ البنینؑ بھی اپنے خواب کی تعبیر جلد ظاہر ہونے کی توقع رکھتی تھیں تا کہ ستاروں کے درمیان ایک ہاشمی قمر کے چمکنے کا منظر دیکھ لیں۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ البنینؑ خانہ امیر المومنین میں مقیم رہیں۔ اور بصد مستعدی ہر خدمت کو فرض عین سمجھتی رہیں۔ امیر المومنین کی دُعا اور تمنا بے اثر نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا وہ وقت آیا کہ۔ عقد کے بعد تقریباً ایک سال گزرتے ہی ایک چاند سا

بچہ آغوش مادر میں آ گیا۔ (حدائق الانس جلد ۲ صفحہ ۷۶ طبع ایران) علامہ مامقانی رقمطراز ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے یہاں آنے کے بعد حضرت اُم البنین کی گود بھر گئی و اول ما ولدت العباس اور سب سے پہلا جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت علیؑ کی تمناؤں کا مجموعہ تھا۔ جس کا نام عباس بن علی رکھا گیا۔ (تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸ باب العباس من ابواب العین طبع ایران)

مرزا دبیر کے کلام میں حضرت اُم البنینؑ کے حالات شادی کے بعد اور حضرت عباسؑ کی ولادت:-

﴿۱﴾

اب شام رقم میں قمر کلک ہے تاباں
اعمال ادا کر کے شب نیمۂ شعباں
جاگے جو نصیب اس کے تو سوئی یہ خوش ایماں
رویا میں ملی دولت بیدار فراواں
خوش ہو کے اُٹھیں بخشش معبود کو ڈھونڈھا
داماں میں بر میں دُر مقصود کو ڈھونڈھا

﴿۲﴾

ہو کر متبسم شہ مرداں یہ پکارے
کیا ڈھونڈھتی ہو اُس نے کہا عرش کے تارے
کیا خواب میں بیدار ہوئے بخت ہمارے
اک چاند ابھی گود میں تھا تین ستارے
فرمایا مقدر میں ترے چار پسر ہیں
پر تین خلف تارے ہیں عباسؑ قمر ہیں

﴿۳﴾

خاتم کے نواسہ پہ جو ہوئیں گے یہ قرباں
بخشے گا خدا ان کو عجائب سر و ساماں
ہر مرسل و ہر امت و ہر جن و سلیماں
عباس ابوالفضل پہ سب ہوئیں گے گریاں
بھیجیں گے درود اور صلوٰۃ ارض و سما بھی
جنات بھی انساں بھی ملائک بھی خدا بھی

﴿۴﴾

ناگہہ صدف نسل میں درِ نجف آیا
اور وجد میں فوراً فلک نہُ صدف آیا
دورِ قمر و برج جلال و شرف آیا
اور آیۂ الہام خدا ہر طرف آیا
تعبیر مجسم نظر آئے گی جہاں کو
رویا میں اسی چاند کی رویت ہوئی ماں کو

﴿۵﴾

جس چاند سے معلوم ہوئے حمل کے آثار
اعجاز و کرامات کے کھلنے لگے اسرار
ماں راتوں کو سوتی تھی یہ تھے بطن میں بیدار
پچھلے سے جگاتے تھے پئے طاعت غفار
یہ عشق کسی طفل شکم کو ہے کسی کا
ہر وقت لیا نام حسینؑ ابن علیؑ کا

﴿۶﴾

حجرے کو حمیدہ کے حسینؑ آتے تھے جس دم
اُٹھ اُٹھ کے یہ گرد اُن کے پھرا کرتی تھی پیہم
کہتے تھے یہ شبیرؑ کہ ثانئ مریم
اس خُرد نوازی سے تو ہوتے ہیں خجل ہم
ہم آپ کے فرزند ہیں تعظیم یہ کیسی
کیوں گرد مرے پھرتی ہو تکریم یہ کیسی

﴿۷﴾

وہ کہتی تھی واری گئی پوچھو تو یہ ہم سے
پلتے ہیں مرے بطن میں جو ناز و نعم سے
کان ان کے لگے رہتے ہیں آواز قدم سے
آتے ہو جو تم حکم یہ دیتے ہیں شکم سے
کونین کی مختار کی تعظیم کو اُوٹھو
اماں مرے سردار کی تعظیم کو اُوٹھو

﴿۸﴾

تعظیم میں ہو دیر تو اے عاشقِ باری
یہ زور دکھاتے ہیں غلامی کا تمھاری
اُٹھتی ہوں تو پھر بیٹھ نہیں سکتی ہوں واری
کہتے ہیں پھرو گرد قسم تم کو ہماری
ہے ترک ادب بیٹھ نہ جایا کرو اماں
عباسؑ کو گرد ان کے پھرایا کرو اماں

﴿۹﴾

دنیا میں پھرے دن سحر و شام کے ناگاہ
طے ماہ یداللہ نے کی منزل نہُ ماہ
نو روز کی شب ساعت تحویل سحر گاہ
طالع ہوا یہ ماہ بنی ہاشم ذیجاہ
اس چاند نے جو وقت سحر جلوہ گری کی
سورج میں اُداسی تھی چراغ سحری کی

﴿۱۰﴾

وارد ہوئیں حوران جناں غرقِ جواہر
کشتی میں لیے ننھا سا اک خلعت فاخر
پانی کی ہوئی چاہ جو نہلانے کی خاطر
کوثر سے سبو بھر کے ملائک ہوئے حاضر
اک دن تھی یہ پانی کی کمی ظلم عدو سے
میّت کا ہوا غسل جراحت کے لہو سے

﴿۱۱﴾

خود ساقیٔ کوثر نے دیا غسل ولادت
کانوں میں کہی آپ اذاں اور اقامت
پھر دامن شبیرؑ میں دی اپنی وہ دولت
فرمایا کہ راضی ہوئے اے فدیہ امت
ہر روز تقاضا تھا علمدار کا ہم سے
لو آج خدا نے یہ دیا اپنے کرم سے

﴿۱۲﴾

جس چاند میں ایماں کے چمن کو یہ ملا پھل
کہتے ہیں کہ وہ ماہ جمادی تھا پر اوّل
تاریخ دوم اور سوم درج ہے مجمل
اُنتیس تھے سن ہجرت اقدس کے مفصل
تاریخ کی تاکید ہوئی کلکِ قدر پر
اُنتیس کا چاند اُن کو لکھا لوح قمر پر

﴿۱۳﴾

جب والدہ کے دودھ سے دھوئے لب ذیشاں
تسبیح پڑھی شکر کی بے سجۂ دنداں
ہر بات میں تھی پیروی شاہِ شہیداں
واں صبح ولادت کو ہوا پیاس کا ساماں
یاں تیسرے دن دودھ حمیدہ کا ہوا خشک
عباسؑ کا منھ خشک تھا لب خشک گلا خشک

﴿۱۴﴾

کہتی تھی حمیدہ ارے لوگو میں کروں کیا
مہمان کو مرے گھر میں نہیں دودھ مہیا
بچے کا اشارہ تھا یہ منصب کا ہے تمغا
پیاسے کا علمدار ہوں پیاسے کا ہوں سقّا
اونتیس برس شوق شہادت میں جئیں گے
ہم تیسرے دن پیاس میں پانی نہ پئیں گے

﴿۱۵﴾

یہ دیکھ کے شبیرؑ نے کی آہ و فغاں ہائے
گہوارے میں عباسؑ تھے بے شیر طپاں ہائے
لعلِ لبِ شیریں تھے اُودا ہٹ تھی عیاں ہائے
اور سوکھ کے قرآں کی نشانی تھی زباں ہائے
تھی دودھ کی فکر اُن کے لیے جو شہِ دیں کو
اغلب تھا کہ لے آئے فلک گاؤِ زمیں کو

﴿۱۶﴾

کلمہ یہ لبِ نہرِ لبن سے ہوا جاری
جھولے کے پھروں گرد جو مرضی ہو تمہاری
پر دایۂ تقدیر دعا دے کے پکاری
حیدر کی زباں میں ہے ہر اک نعمت باری
ہے اُس کی تری بازوئے شبیرؑ کے قابل
قابل ہے وہ شیر ان کے یہ اس شیر کے قابل

﴿۱۷﴾

زینبؑ نے کہا بھائی سے مسجد میں چلے جاؤ
حلّالِ مہمات دو عالم کو بُلا لاؤ
حاجت ہو روا قبلۂ حاجات کو لے آؤ
عباسؑ کو غش آتے ہیں تاخیر نہ فرماؤ
شبیرؑ جو حیدرؑ کو بلا لائے محل میں
دو آئے تسلّی کے بہم آئے محل میں

﴿۱۸﴾

دلبر کو لیے بر میں حمیدہ ہوئی حاضر
حیدرؑ نے لیا گود میں چومے لب طاہر
فرمایا کہ تم تو ہو بڑے صابر و شاکر
یہ غصہ یہ رونا یہ غشی دودھ کی خاطر
مشکل ہے رفاقت خلف الصّدق نبیؐ کی
عباسؑ بہت مشق کرو تشنہ لبی کی

﴿۱۹﴾

پھر اپنی زبان آپ نے دی اُن کو دہن میں
اک نہر لبن جاری و ساری ہوئی تن میں
افسوس نہ عاشور کو حیدر ہوئے رن میں
پیاس ایک طرف زخم تھے اسدرجہ بدن میں
کس منھ سے کوئی آہ یہ تقریر نکالے
اک آنکھ سے شبیرؑ نے دس تیر نکالے

﴿۲۰﴾

القصہ یوں ہی طے ہوئے ایام رضاعت
گہہ دودھ پہ گہہ آبِ زباں پر تھی قناعت
اس آب سے رگ رگ میں بڑھا خونِ شجاعت
عرفان خدا نور بصر حُسنِ سماعت
ہر عضوِ بدن بازوئے شاہِ دو جہاں کا
جوہر تھا یداللہ کی شمشیرِ زباں کا

﴿۲۱﴾

ہاتھوں کی لکیروں میں ہے مضمون شفاعت
لکھی ہے یہ راوی نے قیامت کی روایت
حیدرؑ کی تولائیوں سے روز قیامت
آئیں گے کئی غول گرفتار عقوبت
پرچار وہ معصوم رہا اُن کو کریں گے
بالکل حسنات اپنے عطا اُن کو کریں گے

﴿۲۲﴾

اے صلِّ علیٰ پرورش چاردہ معصوم
ناز اِس کرم و جود پہ فرمائے گا قیوم
ناگاہ صفِ حشر سے اُٹھے گی بڑی دھوم
پوچھیں گے پیمبرؐ تو خبر ہوگی یہ معلوم
اِک غول کو یاں لاتے ہیں دوزخ کے فرشتے
دوزخ میں لیے جاتے ہیں دوزخ کے فرشتے

﴿۲۳﴾

بیٹی سے کہیں گے یہ رسولِ ملک و ناس
کچھ ان کی شفاعت کا ذخیرہ ہے ترے پاس
وہ بولیں گی ہاں اے مرے بابا نہ ہو بے آس
دامن میں ہے یہ غرق بخوں شانۂ عباسؑ
عباسؑ نے شانے رہِ خالق میں دیے ہیں
حضرت کے نواسے پہ یہ قربان کیے ہیں

﴿۲۴﴾

اس فرقۂ ناجی میں ہیں سب محسنِ زہراؑ
عباسؑ کے عاشق مرے شبیرؑ کے شیدا
بچوں کو محرّم میں بناتے تھے یہ سقّا
عاشور کو تھا وردِ زباں ہائے حسینا
یہ ہاتھ کٹے پلۂ میزاں میں دھرو تم
اس غول پہ تقسیم ثواب ان کا کرو تم

﴿۲۵﴾

کیا ان کے گنہ میری مصیبت سے سوا ہیں
گنتی میں شہیدوں کی جراحت سے سوا ہیں
شبیرؑ کے کیا بار شہادت سے سوا ہیں
سب اک طرف اللہ کی رحمت سے سوا ہیں
ہم ساتھ انہیں خلد میں لیجائیں گے بابا
بخشائیں گے بخشائیں گے بخشائیں گے بابا

﴿۲۶﴾

یہ شانہ ترازو میں دھریں گے جو پیمبرؐ
آئے گا تلاطم میں یمِ رحمت داور
فرمان یہ پہنچے گا کہ اے شافعٔ محشر
اس غول کو بھی ہم نے جناں دی مع کوثر
کہہ دو یہ دلاور بھی مرا خاص ولی ہے
بندو یہ فقط خاطر عباسؑ علی ہے

مرزا دبیر کے اشعار کی شرح نثر میں درج ہے:-

چودھویں شعبان کا چاند آسمان کی وسعتوں میں تاباں تھا۔

حضرت اُمّ البنین نے شبِ نیمہ شعبان کے اعمال ادا کیے اس کے بعد سوگئیں، نیند کے عالم میں خواب دیکھ کر بیدار ہوئیں اور پہلو میں کچھ تلاش کرنے لگیں، شیرِ خدا شہ مرداںؑ نے مسکرا کر کہا کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ نے فرمایا ابھی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند اور تین ستارے میری آغوش میں تھے۔

مولا علیؑ نے فرمایا:-

تمہاری تقدیر میں چار بیٹے ہیں، عباسؑ مثل چاند کے اور تین بیٹے عبداللہ، عمران اور جعفر تین روشن ستارے ہیں۔

یہ چاروں فرزند کربلا میں نواسہ رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ پر قربان ہوں گے، تمام ملائکہ، مرسلین، ہر اُمّت، جنّات قومِ سلیمان، ابوالفضل عباسؑ کا ماتم کریں گے۔ ارض و سما جنّات و ملائکہ اور مالکِ کائنات اُن پر درود پڑھیں گے۔

پھر وہ ساعت آئی کہ دُرِّ نجف نسلِ صدف میں چمکنے لگا، نو آسمان وجد میں آگئے، قمر برجِ شرف میں روشن ہوا، آیتِ الہام کا نزول ہوا، ماں کو اس چاند کی زیارت ہوئی۔

معجزات و کرامات کا ظہور ہونے لگا۔ اُمّ البنین کے بطنِ مبارک سے حسینؑ ابن علیؑ کے نام کی تسبیح کی صدا آتی تھی۔

حضرت اُمّ البنینؑ (حمیدہ بی بی) کے پاس جب امام حسینؑ تشریف لاتے تو حضرت اُمّ البنینؑ امام حسینؑ کا طواف فرماتی تھیں۔

امام حسینؑ کہتے تھے۔

اے مادر گرامی میں آپ کا فرزند ہوں آپ اس قدر تعظیم و تکریم کیوں کرتی ہیں۔

حضرت اُمّ البنین فرماتی تھیں۔

بیٹا یہ طفل جو میرے بطن میں ہے تمہاری آمد پر یہ مجھ سے کہتے ہیں مختار کائنات اور میرے سردار کی تعظیم کو اُٹھیے۔

یہ کہتے ہیں:-

امّاں میں غلام ہوں، یہ میرے آقا ہیں عباسؑ کو اُن کے گرد طواف کے لیے پھراؤ یہ مجھے اپنی قسم دے کر مجھے اٹھاتے ہیں۔

دنیا کے شام و سحر گذرے

ماہِ بنی ہاشم کا طلوع ہوا، نوروز کی شب تھی، قریبِ صبح چاند کی جلوہ گری ہوئی، سورج کی روشنی پھیکی ہوگئی چاند کچھ ایسا روشن ہوا۔

حورانِ جنت، ایک کشتی میں چھوٹا سا خلعتِ فاخرہ لے کر اُم البنینؑ کے حجرے میں آئیں، کوثر کے جام لیے فرشتے بھی آگئے کہاں تو عباسؑ کو کوثر کے پانی سے غسل دیا گیا اور کہاں کربلا میں زخموں کے خون سے عباسؑ کا آخری غسل ہوا۔

ساقیٔ کوثر حضرت علیؑ نے آبِ کوثر سے عباسؑ کو غسل دیا۔ ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی۔

پھر بچے کو حسینؑ کی گود میں دے کر علیؑ نے کہا لو حسینؑ تم کو علمدار مبارک ہو، عباسؑ جس مہینے میں پیدا ہوئے وہ ماہِ جمادی الاوّل تھا اور تاریخ ۲۳ تھی ہجرت کے انیس برس گذر چکے تھے۔ عباسؑ انتیس کے چاند بن کر طلوع ہوئے تھے۔

حضرت اُمّ البنینؑ (حمیدہ بی بی) نے تین دن عباسؑ کو دودھ پلایا، تیسرے دن

دودھ خشک ہوگیا، عباسؑ کا منھ، لب اور گلا خشک ہوگیا۔

گویا یہ اشارہ تھا عباسؑ کی پیاس کی طرف کہ یہ کربلا میں تین دن پیاسے رہیں گے۔

جھولے میں عباسؑ کی پیاس دیکھ کر امام حسینؑ جھولے کے گرد مضطرب الحال پھرنے لگے۔

حضرت زینبؑ نے حضرت عباسؑ کی پیاس کا عالم دیکھ کر مسجد سے حضرت علیؑ کو بلوالیا۔

حضرت اُمّ البنینؑ حضرت عباسؑ کو گود میں لے کر مولا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ مولا علیؑ نے عباسؑ کو گود میں لے کر بچے سے فرمایا، عباسؑ مجھے کربلا میں تمہاری پیاس یاد آرہی ہے، یہ کہہ کر آپ نے عباسؑ کے دہن میں اپنی زبان مبارک رکھ دی زبانِ علیؑ سے نہرِ لبن جاری وساری ہوئی، عباسؑ کی پیاس ختم ہوگئی۔

ہائے کربلا میں عاشور کو علیؑ کہاں تھے عباسؑ تین دن کے پیاسے تھے، فرات کے کنارے خاک وخون میں تڑپ رہے تھے، حسینؑ نے عباسؑ کا سر اپنے زانو پر رکھ کر حسینؑ کی آنکھ سے تیر نکالا تھا۔

القصہ عباسؑ ماں کا دودھ اور علیؑ کی زبان چوس کر بڑے ہونے لگے عباسؑ میں خون شجاعت بڑھنے لگا، اللہ کی معرفت، آنکھوں کا نور، حسنِ سماعت میں اضافہ ہوتا گیا، ایّامِ رضاعت طے ہورہے تھے عباسؑ مثل علیؑ شجاع نظر آنے لگے۔ عباسؑ کے بازو مثل یداللہ کے شانوں کے بھرے بھرے نظر آنے لگے۔

مجھے اس وقت ایک روایت یاد آرہی کہ قیامت کے دن شفاعت کا روز ہوگا۔ راوی نے ایک قیامت کی روایت تحریر کی ہے۔

کچھ انسانوں کے غول گرفتارِ مصیبت محشر میں نمودار ہوں گے، فرشتے انھیں دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے کہ چودہ معصوم انھیں اپنی نیکیاں عطا کردیں گے۔

اس وقت رسولؐ اللہ اپنی بیٹی فاطمہ زہرؑا سے فرمائیں گے۔

بیٹی تمہارے پاس کچھ سامان شفاعت میں سے ہے۔

خاتونِ قیامت کہیں گی۔

ہاں یہ میری آغوش میں عباسؑ کے دو کٹے ہوئے شانے غرق بہ خوں ہیں یہ عباسؑ نے راہِ خدا میں آپ کے نواسے حسینؑ پر عاشور کو قربان کئے تھے۔

سیدہؑ فرماتی ہیں:-

یہ تمام لوگ فاطمہ زہرؑا کے محسن ہیں یہ عباسؑ کے عاشق اور حسینؑ کے شیدا ہیں، یہ وہ ہیں جو محرم میں اپنے بچوں کو سقّہ بناتے تھے، عاشور کو ہائے حسینا کی صدا بلند کرتے تھے۔

اے بابا عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ پلّہٗ میزان میں رکھ دو اور اس کا ثواب عزاداروں میں تقسیم کر دو۔

کیا اِن کے گناہ میری مصیبت سے زیادہ ہیں کیا گنتی میں شہیدوں کے زخموں سے زیادہ ہیں۔ کیا حسینؑ کی شہادت کے وزن سے زیادہ ہیں۔ کیا اللہ کی رحمت سے بھی زیادہ ہیں۔

نہیں ایسا نہیں ہے ہم اِن کو جنت میں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔

بابا

ہم اِن کی شفاعت کرتے ہیں، شفاعت کرتے ہیں، شفاعت کرتے ہیں۔

رسولؐ اللہ پلّہٗ میزان میں عباسؑ کے بازو رکھ دیں گے، اللہ کی رحمت کا سمندر تلاطم میں آئے گا، اللہ کا فرمان اس وقت نازل ہوگا۔

اے شافعٔ محشر اے میرے حبیبؐ میں نے ان عزاداروں کو جنّت اور کوثر عطا کر دیا۔ عباسؑ مرا خاص ولی ہے، اے مرے بندوں یہ عباسؑ کی خاطر میں نے تمہیں

بخش دیا ہے۔

حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت کی تحقیق:

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کا ۲۲ ھ میں پیدا ہونا مستند سمجھنا چاہیئے۔ بعض معتبر مورخین نے سن ولادت میں اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں **ولد سنة ست و عشرين من الهجرت**۔ آپ ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (ابصار العین صفحہ ۲۵ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ تنقیح المقال صفحہ ۱۳۸ طبع ایران) سنِ ولادت کی طرح تاریخ ولادت میں بھی سخت اختلاف ہے۔

(۱) مرزا دبیر نے ۲۳ جمادی الاوّل ۲۹ ہجری تاریخ وسنِ ولادت بتایا ہے۔

(۲) جناب مولوی سید محمد ضامن صاحب کراروی ضلع الہ آباد نے اپنے رسالے جواہر زواہر قلمی کے صفحہ ۱۰۹ پر آپ کی تاریخ ولادت ۱۹/ جمادی الاول اور صفحہ ۱۱۱ پر بقولے ۱۸/ رجب المرجب تحریر فرمائی ہے۔

(۳) جناب مولانا سید اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی نے اپنی کتاب جواہر البیان کے صفحہ ۳۷ پر بحوالہ محرق الفواد ۲۶/ جمادی الثانی تحریر فرمایا ہے۔

(۴) جناب شاہ محمد حسن صاحب صابری چشتی (صوفی) نے اپنی کتاب آئینہ تصوف کے صفحہ ۲۴۴ طبع رامپور ۱۳۱۱ھ پر ۱۸/ رجب تحریر کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ بتاریخ ۱۸/ رجب المرجب بروز پنجشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

(۵) اہلِ ایران کے نزدیک آپ کی تاریخ ولادت ۴/ شعبان المعظم ہے۔ مشہد مقدس کے علمی مُجلّے ''ندائے ترقی'' ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ کے صفحہ ۲۲۷ پر مرقوم ہے ''ولادت باسعادت باب الحوائج قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس را آقایان نجف

لیلہ چہارم ماہ شعبان از اسناد معتبرہ موثقہ بدست آوردہ اند الخ

جناب مولوی محمد ظفریاب صاحب زائر نے اخبار اثنا عشری دہلی ۸ر مئی ۱۹۰۶ء کے صفحہ ۱۱ کالم ۳ پر ۲ر جمادی الاول تحریر فرمایا ہے۔

تحقیق: مذکورہ بالا اقوال پر جب تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے تو ۴ر شعبان والے قول کو ترجیح نکلتی ہے یعنی اس کے علاوہ دیگر مستندۃ ہونے کی وجہ سے نا قابلِ التفات ہیں۔ اس لیے کہ اس مجلّہ علمیہ میں علمائے نجف کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں غیر موثق اقوال قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتے۔

غرضیکہ بوقت شہادت آپ کی عمر ۳۸ سال ماننے بغیر چارہ نہیں۔

اب ۴ر شعبان ۲۲ھ کو تاریخ ولادت قرار دے کر ۱۰ر محرم الحرام ۶۱ھ تک آپ کی عمر کا حساب کیا جاتا ہے تو غالباً ۳۸ سال ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت عباس ۴ر شعبان المعظم ۲۲ھ مطابق ۲۸ر جون ۶۴۳ء یوم یکشنبہ (اتوار) کو پیدا ہوئے۔

ایران، عراق، ہندوستان و پاکستان میں حضرت عباسؑ کی ولادت کی محافل و میلاد ۴ر شعبان کو منعقد ہوتے ہیں۔ لکھنؤ (درگاہِ حضرت عباسؑ) کی محفل ۱۷ر شعبان کو منعقد ہوتی ہے۔

یہ حسن اتفاق ہے کہ تاجدار کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام ۳ر شعبان المعظم اور علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام ۴ر شعبان المعظم کو پیدا ہوئے۔

وَالشَّمسِ وَضُحٰهَا وَالقَمرِ اِذَا تَلٰهَا

آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ حسینؑ آفتاب تھے اور عباسؑ چاند تھے۔ آفتاب ۳ر شعبان کو طلوع ہوا ۲۵ برس کے بعد چاند ۴ر شعبان کو طلوع ہوا۔ میر انیسؔ کہتے ہیں:-

آئینۂ تصویرِ یداللہ ہے عباسؑ
شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ

حضرت علیؑ کی پیشانی سجدۂ خالق میں:

بطن جناب اُم البنینؑ سے چاند سا بچہ پیدا ہو گیا۔ لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو مژدہ مسرت سنایا کہ اُم البنینؑ کے شکم مبارک سے ایک ماہ پیکر بچہ پیدا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے خبر مسرت اثر پاتے ہی اپنی پیشانی مبارک سجدۂ خالق میں رکھ دی۔ مطلب یہ تھا کہ خالق! میری دلی تمنا بر آئی۔ اب میرے حسینؑ کی امداد ہو سکے گی۔
(ریاض القدس صفحہ ۶۷)

حضرت عباسؑ کی پہلی نظر چہرۂ امام حسین علیہ السلام پر:

تاریخ کے چہرے پر نظر ڈالنے والے جانتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اپنی آنکھوں کو اس وقت تک بند رکھا جب تک کہ پیغمبر اسلام تشریف نہ لائے تھے۔ جب آپ تشریف لائے اور اپنی آغوش میں تاجدار اسلام کو لیا تو آپ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور چہرہ رسالت پر پہلی نظر ڈالی تھی۔

شارح زیارت ناحیہ کی تحقیق ہے کہ جب حضرت امام حسین کو خبر ملی اور آپ تشریف لائے اپنے بھائی کو آغوش امامت میں لیا۔ کان میں اذان واقامت کہی۔ آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور سب سے پہلے چہرۂ امام حسینؑ پر نظر ڈالی۔

زبانِ امام حسینؑ دہن عباسؑ میں:

تاریخ شاہد ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے پیغمبر اسلام نے زبان مبارک دہن اقدس میں دے کر بزبان حال اقرار جانبازی لے لیا تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ حضرت علیؑ شمع رسالت پر ہر وقت پروانہ وار نثار ہونے کو تیار رہا کرتے تھے۔ کسی وقت آنحضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب نبرد آزمائی کا موقعہ آیا۔ نہایت ہی بے جگری سے لڑے۔ جاں نثاری کا وقت آیا تو آنحضرتؐ کے پسینے پر اپنا خون بہا دیا۔ ہجرت کے موقع پر تلواروں کے سایہ میں میٹھی نیند سو کر دکھلا دیا۔ کہ حمایت اس کا نام ہے۔
حضرت امام حسینؑ بہ نص قرآنی حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کے فرزند اور حضرت عباسؑ حضرت علیؑ کے نورِ نظر تھے۔ آنحضرت کا جو برتاؤ حضرت علیؑ کے ساتھ اور حضرت علیؑ کا جو سلوک حضرت محمد مصطفٰےؐ کے ساتھ تھا۔ وہی برتاؤ حضرت امام حسین علیہ السلام کا حضرت عباسؑ کے ساتھ اور حضرت عباسؑ کا امام حسینؑ کے ساتھ ہونا چاہئے۔
شارح زیارت ناحیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت عباسؑ نے بھی پیدا ہونے کے بعد نہ ماں کا دودھ پیا اور نہ ہی دائی کا۔ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور آغوش مبارک میں لے کر دہن اقدس میں زبان اطہر دی تو حضرت عباسؑ نے اُسے چوسنا شروع کر دیا۔ گویا امام حسینؑ نے اسی طرح اقرار جانبازی لے لیا۔ جس طرح سرورؐ کائنات نے لعاب دہن چسا کر حضرت علیؑ سے عہد وفاداری لیا تھا۔ چنانچہ آپ تاعمر "**انا عبد من عبید محمد**" فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عباسؑ مسجد میں:

حضرت امام حسینؑ لعاب دہن سے سیراب کرنے کے بعد حضرت عباسؑ کو لے کر عبا سے سایہ کئے ہوئے داخل مسجد ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ "بابا جان! یہ بچہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ اس کی پرورش اور پرداخت میں کروں گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا بڑی خوشی کی بات ہے۔
امام حسین علیہ السلام مسجد سے واپس ہوتے ہوئے پھر عرض کرتے ہیں۔ بابا جان!

کیا وجہ ہے کہ جب اس کی محبت جوش مارتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھی بھر آتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ بیٹا خاصانِ حدا کے لیے خوشی اور غم توام ہیں۔ آج یہ بچہ تمہیں مسرور کرر ہا ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم **الان انکسر ظهری** کہہ کر روتے ہوگے۔ امام حسینؑ نے اشارہ کی تفصیل چاہی۔ آپ نے فرمایا:

بیٹا! جبریل امین تیری شہادت کا محضر نامہ لیے تھے۔ اس میں مرقوم تھا "**الحسین سیّد الشهداء" والعباس حامل اللّواء"** ۔ حضرت حسینؑ شہدا کے سردار عباس علمبر دار کربلا شہید ہوں گے۔ علما کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ اللہ کو بار بار کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسینؑ تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں شہید ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱۸، تحریر الشہادتین شرح الشہادتین صفحہ ۸۳ طبع لکھنؤ) اور عباس نہر فرات پر جا کر اپنے شانے قلم کرادے گا۔ اے حسینؑ! ذرا عباس کے شانے کھولو۔ شانے کھولے گئے۔ حضرت نے اس پر دونشان دکھلائے۔ فرمایا۔ ایک علم کا اور دوسرا سکینہ کی سوکھی مشک کا نشان ہے۔ واللہ اعلم (ریاض الشہداء صفحہ ۳۵۹ طبع دہلی ۱۳۵۲ھ)

حضرت عباسؑ کی شہادت کی خبر اور اُمّ البنینؑ کا گریہ:

علامہ صدرالدین قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ایک دن واردِ خانۂ عصمت ہوئے۔ فرمایا میرے نورِ نظر کو میرے پاس لاؤ سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباسؑ آپ کی آغوش میں دے دیئے گئے۔ آپ نے چہرۂ عباسؑ سے کپڑے کو ہٹایا۔ چہرۂ قمر بنی ہاشم پر نظر ڈالی۔ اور فوراً پیشانی فرزند کا بوسہ دیا اس کے بعد اس پارچہ سے حضرت عباسؑ کے ننھے ننھے ہاتھوں کو نکالا اور دست و بازو، کلائی و سرپنجہ کو بغور دیکھا۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ اور آپ نے رونا شروع کیا۔ آپ کا

رونا تھا کہ چاہنے والی ماں کے منہ کو جگر آنے لگا۔ دست بستہ عرض کی۔ میرے مولا! آپ نے میرے اس فرزند دلبند کے ہاتھوں اور انگلیوں میں کیا دیکھا کہ اس قدر گریہ کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے اُم البنینؑ یہ مت پوچھو۔ اُم البنینؑ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے اندر وہ راز ہے کہ اس کو معلوم کر کے تم تاب ضبط نہ لاسکو گی۔ لیکن ماں کے مضطرب دل کو کب سکون ہوسکتا تھا۔ اصرار پر اصرار کرتی گئیں اور آپ یہی فرماتے رہے کہ اے اُم البنینؑ! تم سن نہ سکوں گی۔ الغرض آپ نے فرمایا اے اُم البنینؑ!:۔

یہ عاشقِ شبیرؑ ہے بیٹوں میں تمھارے
شانوں کو کٹائے گا یہ دریا کے کنارے

ارے آج وہ دن یاد آ گیا۔ جس دن ہمارے اس فرزند کے دونوں ہاتھ جفا جو اور ستم پرور مسلمانوں کی تلواروں سے کاٹے جائیں گے اس کے سر پر گرز آہنی اور سینے پر نیزہ لگے گا۔ اور یہ تین دن کا بھوکا پیاسا زمین کربلا پر شہید کیا جائے گا۔ (ریاض القدس جلد۲ صفحہ ۶۷) یہ سن کر حضرت اُم البنینؑ بے چین ہو کر رونے لگیں۔

حضرت عباسؑ کی رسم عقیقہ اور آپ کا نام:

عقیقہ اسلامی نقطہ نظر سے سنت موکدہ ہے (مفاتیح الشرائع قلمی ۱۲۴۷ء) آپ کی ولادت کے ساتویں دن یہ رسم عمل میں لائی گئی اور عباسؑ نام رکھا گیا۔

ناظرین کرام! اس بہادر فرزند کا نام عباسؑ رکھنا نہایت ہی مناسب تھا۔ اس لیے کہ شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے۔ علی علیہ السلام کا نام حیدر بھی تھا۔ عمدۃ المطالب میں ہے کہ

یسمی امیرالمومنین علی۔ حیدر لانہ حیدرہ من اسماء الاسد۔

امیرالمومنین علی کو حیدر اس لیے کہتے ہیں کہ آپ بڑے بہادر تھے اور حیدر شیر کے

ناموں میں سے ایک نام ہے۔تو جس طرح شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسی طرح عباس بھی ہے۔**العباس من الاسماء الاسد** ۔شیر کے ناموں میں سے ایک نام عباسؑ بھی ہے۔میر انیسؔ کہتے ہیں:-

خود شیر ہے، جد شیر، چچا شیر، پدر شیر نعرے ہیں جدا شیر کے دل شیر، جگر شیر
پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر کیوں نہ ہو اس طرح کے شیروں کا پسر شیر
یوں غیظ سے شیروں کو بھی تکتے نہیں دیکھا
پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا

حضرت عباسؑ کا اسم گرامی اور لغات:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نام نامی کے متعلق ارباب لغات کے بیانات پیش کئے جائیں۔تا کہ اس کے نام کی وقعت کچھ اور بلند ہو سکے۔ملاحظہ ہو:

۱۔ مسٹر یو۔ایس مسیحی المنجد صفحہ ۵۰۳ میں لکھتا ہے کہ عباس کے معنی زیادہ ترش رو کے ہیں اور یہ شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۲۔راجہ راجیشورا ابن راجہ اماپت راؤ اپنی کتاب افسر اللغات طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۳ء کے صفحہ ۶۷۴ پر لکھتے ہیں کہ عباسؑ اسم فرزند علیؑ مرتضٰی بمعنی شیر درندہ اور مرد پہلوان۔

۳۔ ملا عبدالعزیز بن محمد سعید اپنی کتاب لغات سعیدی طبع کانپور ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۳۵۶ پر تحریر کرتے ہیں۔عباسؑ شیر۔ترش رُو۔نام حضور سرور کائناتؐ کے چچا اور حضرت علیؑ کے ایک بیٹے کا۔

۴۔ مصنف غیاث اللغات فصل عین مع الباء طبع لکھنؤ کے صفحہ ۲۸۰ پر لکھتے ہیں۔عباسؑ کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔یہ نام آنحضرتؐ کے ایک چچا کا تھا۔جن کی طرف خلفائے عباسیہ منسوب ہیں اور یہ نام حضرت علیؑ کے ایک بیٹے کا تھا۔جو حضرت کی اس

بیوی سے پیدا ہوا تھا جس سے آپ نے جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد عقد فرمایا تھا۔

۵۔ صاحب لغات سرور، طبع لکھنؤ ۱۸۷۷ء کے صفحہ ۲۸۶ پر لکھتے ہیں: عباس نام عم آنحضرتؐ و فرزند علی مرتضیٰ و درندہ شیر و مرد پہلوان۔

۶۔ نور اللغات جلد ۳۔ صفحہ ۵۳۷ طبع لکھنؤ ۱۳۴۷ھ میں ہے کہ "عباس بمعنی شیر درندہ۔

۷۔ جامع اللغات محمد رفیع طبع الٰہ آباد ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۷۴ پر ہے: "عباس آنحضرتؐ کے چچا کا نام جن کی اولاد سے خلفائے عباسیہ ہیں۔ حضرت علی کے ایک صاحبزادے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاع تھے۔ علامہ شہیر تحریر فرماتے ہیں کہ کمال شجاعت کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی عباس رکھا گیا۔ (کبریت احمر جزو ۳۔ صفحہ ۲۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاعت علویہ کے ورثہ دار تھے:-

بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

حضرت علی علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

میر انیسؔ کہتے ہیں:-

صورت میں سراپا اسداللہؑ کی تصویر

میر نفیسؔ کہتے ہیں:-

غازی بڑا ہے سب سے زیادہ دلیر ہے

عباسؑ جس کا نام ہے شیروں کا شیر ہے

حضرت عباسؑ کا عہد طفلی اور معرفت باری:

غیاث اللغات صفحہ ۳۴۵ میں ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں (۱) علم الیقین

(۲) عین الیقین۔ (۳) حق الیقین۔ یہ ظاہر ہے کہ جو مدارج یقین میں سے جتنے درجے حاصل کر سکے گا۔ وہ اسی قدر معرفت باری کی منزلوں پر بھی فائز ہوگا۔ (انجیل یوحنا کے باب ۱۴۔ آیت ۲۶ طبع لاہور میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پانی پر چلتے تھے۔ الخ پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں ''**لو اذداد یقیناً لمشی علی الھوی**'' اگر عیسیٰؑ کا یقین اور زیادہ کمال پر ہوتا تو وہ یقیناً ہوا پر اڑتے۔ اب ذرا حدیث بساط کے ماننے والے اور خیبر میں ہوا کے دوش پر علیؑ کے قدم دیکھنے والے، علیؑ کے مدارج یقین کا اندازہ لگائیں۔ اور اگر انسانی طاقت اس کے اندازہ سے قاصر ہو تو علیؑ ہی سے پوچھیں کہ حضرت آپ کا یقین کس حد کا ہے تو وہ فرمائیں گے میں معرفت الٰہی کے بارے میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ **لو کشف الغطاء لِمَا اَزْدَدْتُ یَقیناً** اب اگر پردے ہٹا دیئے جائیں تو بھی میرے حد یقین میں اضافہ ناممکن ہے۔

باپ کا اثر بیٹے میں ضرور ہوتا ہے۔ اب علیؑ جیسے عارف باللہ کے صلب مبارک سے جو بچہ پیدا ہو اس میں بھی علوی کمال کی جھلک ضرور ہونی چاہیئے۔ علامہ برغانی لکھتے ہیں کہ:۔ مروی ہے کہ حضرت عباسؑ نہایت کم سنی کے عالم میں حضرت علیؑ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے امیر المومنین نے دستور زمانہ کے مطابق تعلیم کے سلسلہ میں حضرت عباسؑ سے فرمایا نور نظر یوں گنتی گنو۔ کہو ایک[۱]۔ عباسؑ نے کہا ایک[۱]۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ کہو دو[۲]۔ عرض کی گستاخی معاف:۔

میں ایک کا قائل ہوں کبھی دو نہ کہوں گا

اے بابا جان! مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہہ کر وحدت باری کا اقرار کر چکا ہوں اب اسی زبان سے دو کیوں کر کہوں۔ حضرت علیؑ نے اس معرفت میں ڈوبے ہوئے جواب کو سن کر عباسؑ کے لبوں کا بوسہ لے لیا۔ (مجلس المتقین صفحہ ۷۴ طبع

ایران۱۲۶۲ھ)

دیکھئے یہ ہے معرفت باری اور اس کو کہتے ہیں یقین خداوندی۔ گودیوں میں کھیلنے والا بچہ کس طرح قرآن کی آیت "**لاتتخذوا الھین اثنین**" (دو خدا قرار نہ دو) پر عمل کر کے اپنے کمال عقیدہ اور اپنی معرفت کا ثبوت دیتا ہے۔ دراصل اسی آغاز کا انجام ہے کہ حضرت صادق آل محمدؑ حضرت عباسؑ کو خطاب نافذ البصیرت صلب الایمان دینے پر مجبور ہوئے۔ (عمدۃ المطالب صفحہ۳۲۳)

حضرت عباسؑ کا بچپن اور حضرت سیّد الشہدؑا کی خدمت:

حضرت امام حسینؑ محضر نامہ دیکھ چکے تھے۔ پیغمبر اسلام سے سن چکے تھے اور حضرت علیؑ سے معلوم کر چکے تھے وہ جانتے تھے کہ واقعہ کربلا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ (ذخیرۃ المال علامہ عجیلی و مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۸۵) اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہی برادر عزیز میرا پورا قوت بازو ہوگا۔ اسی بنا پر آپ حضرت عباس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور وہ بھی اپنے اوپر تمام احسانات کو جو سیّد الشہدؑا کی طرف سے ان کے متعلق تھے۔ دیکھا کرتے تھے۔ اور شمع امامت کے بچپنے ہی سے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ سنا جاتا ہے کہ حضرت عباسؑ فرط محبت سے امام حسین علیہ السلام کے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگالیا کرتے تھے۔

حضرت عباسؑ کو یہ گوارا نہ تھا کہ حسینؑ کی کوئی خدمت ایسی ہو جو ان کے علاوہ دوسرا بجالائے مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرماتھے آپ کے پہلوئے مبارک میں آپ کے فرزند دلبند فرد کش تھے۔ بادشاہ کربلا کو پیاس محسوس ہوئی۔ قنبر سے جو آپ کے خاندانی غلام تھے۔ فرمایا **اسقنی من الماء** قنبر ذرا پانی تو پلانا۔ حکم پاتے ہی قنبر اُٹھے حضرت عباسؑ نے جو اس وقت نہایت ہی

کمسن تھے۔قنبر سے فرمایا۔ٹھہرو۔اپنے آقا کے لیے میں پانی لاؤں گا۔

حضرت عباسؑ پانی کے لیے گئے اور آب سرد کا ایک جام بھرا۔بچپنے کا عالم تھا۔حسینی جام کو سر اقدس پر رکھا۔اور چلتے گئے۔پانی چھلکا اور آپ تر ہو گئے۔حسینؑ کے پاس پہنچے۔بدن مبارک پر چھلکا ہوا پانی دیکھا۔واقعہ کربلا یاد آ گیا۔اور آپ اشکبار ہو گئے۔

(چہل مجلس صفحہ ۳۱۲ طبع لکھنو)

اس واقعہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم سنی کی وجہ سے آپ نے سر پر پانی کا جام رکھا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ عباسؑ کو یہ دکھلانا تھا کہ میں اپنے آقا کے کاموں کو سر آنکھوں سے کرتا ہوں۔

حضرت اُمّ البنینؑ سے حضرت امام حسینؑ کی گفتگو:

میر انیسؔ فرماتے ہیں:-

(۱)

لکھے کوئی کیا اُلفتِ سردار و علمدار
دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار
قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
اِک آن فراق اِن میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دل سوز نہیں ہے

(۲)

فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا
معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا

تھی عین تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانند قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

﴿۳﴾

فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میری گل اندام
تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام
راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالع بیدار ہمارے

﴿۴﴾

فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر
عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر
جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خوبو ہے شہِ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیر خدا کی

﴿۵﴾

ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شان
طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احسان
عباسؑ دلاور پہ تصدق ہے مری جان

منظور یہ ہے روز حسینؑ اس پہ ہو قربان
اس کو بھی تو بچپن سے مرا عشق دلی ہے
صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

﴿۶﴾

وہ کہتی تھی اے احمدِؐ مختار کے پیارے
خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے
فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منھ اس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

﴿۷﴾

عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری
ہے اس کو نہ اولاد نہ جان آپ سے پیاری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری
فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشق دلی اُس کو شہِ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے صلِّ علیٰ نام زباں سے

﴿۸﴾

اک روز کہا میں نے کہ عباسِؑ وفادار
تم ان کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار

جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدر کرارؑ
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد ان کے کیا ہے
کچھ خطِّ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

﴿۹﴾

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی
تھرا کے کہا بات یہ کیا منھ سے نکالی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہ عالی
میں بندۂ ناچیز وہ کونین کے والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرّہ کبھی خورشید کے ہمسر نہیں ہوتا

﴿۱۰﴾

نسبت مجھے کیا ان سے کہاں نور کہاں خاک
میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سیّد لولاک
میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

﴿۱۱﴾

زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو
کاندھے پہ محمدؐ نے بٹھایا ہو تو کہہ دو
جبریل نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو

اِن رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو
وہ فخر دو عالم ہے امامِ دو جہاں ہے
اسرار لدنیؑ مرے سینے میں کہاں ہے

﴿۱۲﴾

اِک مور ہو کس طرح سلیماں کے برابر
رتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر
کیوں کر ہو سہا نیّر تاباں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

﴿۱۳﴾

خوش ہوں جو غلامِ علی اکبرؑ مجھے سمجھیں
میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
وہ خادمِ اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں
رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے
شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے

﴿۱۴﴾

یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ
بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر

مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مرجائے گا عباسؑ

﴿۱۵﴾

کیا بھول گئیں واقعۂ رحلت حیدر
تھا آپ کے زانو پہ سر فاتحِ خیبر
اِس پہلو میں شبیرؑ تھے اُس پہلو میں شبرؑ
زینبؑ بسر خاک تڑپتی تھیں کھلے سر
صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
لپٹا ہوا قدموں سے بُکا کرتا تھا میں بھی

﴿۱۶﴾

پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار
اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا اک بار
فرمایا حسنؑ ہے مرے نو بیٹوں کا مختار
عباسؑ رہا اک تو حسینؑ اس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

﴿۱۷﴾

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری
اُس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری

حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

﴿۱۸﴾

فرمانے لگے اشک بہا کر شہہ ابرار
ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباسؑ مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار
رکھتا ہے حسینؑ اک یہی مادر یہی غم خوار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ساتھ ہیں میرے
(میر انیسؔ)

میر انیسؔ کے اشعار کی تفسیر ملاحظہ ہو:-

امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ میں جو الفت و محبت تھی اس کو کس طرح بیان کیا جائے، دو محبت کرنے والوں میں کبھی ایسا پیار دیکھا ہی نہیں گیا، یہ ایسی محبت تھی کہ پھول میں اور بلبل میں بھی ایسی محبت نہ ہوگی، قمری بھی سرو کے درخت سے ایسی محبت نہیں کر سکتی، یہ تو ایک آن کے لیے بھی آپس میں جدا نہیں ہو سکتا، پروانہ بھی شمع سے ایسے عشق نہیں کر سکتا جو عشق عباسؑ کو حسینؑ سے تھا۔

عباسؑ فخر محسوس کرتے تھے حسینؑ کی نعلین اٹھا کر، حسینؑ کے سر پر سایہ کرنا عباسؑ کے لیے معراج کا رتبہ پاتا تھا، جدھر جدھر حسینؑ جاتے غلام کی طرح عباسؑ سائے کی طرح ساتھ ہوتے۔

امام حسینؑ جب سو جاتے تو عباسؑ حفاظت کی خاطر جاگتے رہتے، رات سے صبح

ہوجاتی ٹہلتے ٹہلتے جس طرح آسمان پر چاند رات بھر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

امام حسینؑ صبح کو عباسؑ سے فرماتے اے میرے پیارے بھائی تم رات کو ایک ساعت کے لیے بھی نہیں سوئے، عباسؑ کہتے آقا، غلام کو آرام سے کیا غرض، آپ کی خدمت میں سحر و شام بسر ہوجائے بس عباسؑ کے لیے یہی آرام ہے۔ آقا آپ میرے سیّد و سردار، میرے مالک و آقا ہیں آپ کی خدمت میں اگر میں جاگ رہا ہوں تو یہ میں نہیں جاگ رہا بلکہ میرا مقدر جاگ رہا ہے۔

اکثر امام حسینؑ حضرت اُمّ البنینؑ سے فرماتے تھے کہ عباسؑ میرا جانثار، میرا مددگار اور میرا محبّ ہے اور میں عباسؑ سے اس لیے بھی بہت زیادہ محبت کرتا ہوں کہ میں جب بھی عباسؑ کو دیکھتا ہوں مجھے بابا علیؑ یاد آجاتے ہیں، عباسؑ ہمارے گھر میں گویا شیر خدا کی تصویر کی طرح ہیں۔

عباسؑ کی شکل، رعب، دبدبہ، شان و شوکت، طینت، خلق، طبیعت میں احسان گذاری، غرض سارے صفات شیر خدا والے ہیں۔ میری جان عباسؑ کے صدقے ہو میں چاہتا ہوں کہ روز عباسؑ پر سے قربان ہوجاؤں، کیونکہ بچپن سے عباسؑ مجھے بہت پیار کرتے ہیں اور یہ بہادر، نیک بخت صفدر شکوہ مجھ سے عشق کرتا ہے۔

تو جنابِ اُمّ البنینؑ امام حسینؑ سے فرماتیں کہ آپ ہمارے سردار ہیں اور میرے بچے آپ کے خادم ہیں۔ تاروں کا فخر ہے کہ وہ چاند پر سے صدقے ہوجائیں عباسؑ کا سر آپ کے قدموں پہ ہو یہ ہی فضیلت ہے۔ یہی فخر ہے۔ میرے بیٹے نے ہمیشہ آپ کے قدموں کو چوما ہے اور کیوں نہ ہو آپ نے بھی تو بیٹوں کی طرح عباسؑ کو پالا ہے۔

اے فرزندِ رسولؐ عباسؑ آپ کے سامنے اپنی جان اور اولاد کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہاں تک کہ جب عباسؑ سوتا ہے تب بھی اس کی زبان پر یہی الفاظ جاری رہتے ہیں کہ سب

رسولؐ پر میری جان قربان۔اس کے آپ سے عشق کا یہ عالم ہے کہ جب تک درود نہ پڑھ لے آپ کا نام نہیں لیتا۔

اُمّ البنینؑ کہتی ہیں:- ایک روز میں نے عباسؑ سے پوچھا کہ تم اپنے کو حسینؑ کا غلام کیوں کہتے ہو، یہ انوکھا پیار ہے اور نئی الفت ہے حالانکہ تم بھی علیؑ کے بیٹے ہو اور حسینؑ بھی علیؑ کے بیٹے ہیں اور علیؑ نے دنیا سے جاتے ہوئے تمھیں حسینؑ کے سپرد کیا تھا نہ یہ کہ غلامی میں دیا تھا۔

بس میرا یہ کہنا تھا کہ عباسؑ نے دوسری طرف منہ کر کے مجھ سے کہا یہ آپ کیا کہتی ہیں، کہاں میں اور کہاں حسینؑ ابنِ علیؑ، میں ایک بندۂ ناچیز اور وہ کون ومکاں کے مختار، ایک قطرہ دریا کے برابر نہیں ہوسکتا، نہ ہی ایک ذرّہ سورج کے برابر ہوسکتا ہے۔

مجھے اُن سے کیا نسبت، وہ نور ہیں میں خاک ہوں، میں ان کے قدموں کی دھول ہوں وہ آسمانوں کے سر کا تاج ہیں، کیا میرے نانا پیغمبرؐ ہیں؟ کیا میرے لیے بھی کبھی جنت سے لباس آیا ہے، کیا میں کبھی رسولؐ اللہ کی عبا میں سویا ہوں، کیا قرآن میں میرے لیے بھی آیت آئی ہے۔

کیا فاطمہ زہرؑا نے مجھے دودھ پلایا ہے، کیا کبھی میں دوشِ نبیؐ پر سوار ہوا ہوں، کیا جبرئیل نے میرا جھولا جھلایا ہے، نہیں امّاں یہ سب رتبے میرے آقا حسینؑ کے لیے ہیں وہ دونوں جہانوں کا فخر اور امام ہیں اور اللہ کے راز اُن کے سینے میں ہیں میرے سینے میں نہیں۔

ایک چیونٹی، سلیمانؑ کے برابر نہیں ہوسکتی، ایک صحیفہ قرآن کے برابر نہیں ہوسکتا، جنت کے باغ اور ایک عام باغ میں بڑا فرق ہے، کوئی ذرّہ چمکتے ہوئے سورج کی ہمسری نہیں کرسکتا، میرا سر عرش تک نہیں پہنچ سکتا، کوئی عام مکان، اللہ کے مکان کی

برابری نہیں کرسکتا۔

میرا تو فخر یہ ہے کہ اگر آقا حسینؑ مجھے علی اکبرؑ کا غلام سمجھیں، میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے اپنا بھائی سمجھیں بلکہ اولادِ رسولؐ کا خادم کہہ کر مجھے پکاریں اور میرے لیے تو مرتبہ یہی ہے کہ آقا حسینؑ مجھے اپنا قنبر سمجھیں۔ میری بادشاہی، میرا تخت، میرا تاج اور میری معراج یہ ہے کہ میں آقا حسینؑ کی نعلین اٹھاؤں۔

اگر کوئی مرتبے میں ان کے برابر ہے تو وہ آقا حسنؑ مجتبیٰ ہیں۔

اماں میں تو اُن کے پاؤں پہ اپنا سر رکھتا ہوں اور اے امّاں اگر آپ نے پھر مجھ سے یہ کہا تو عباسؑ کی جان تن سے نکل جائے گی۔

اماں آپ کو یاد ہوگا جب بابا اس دنیا سے جا رہے تھے اور بابا کا سر آپ کے زانو پر تھا۔ بابا کے ایک طرف حسنؑ تھے اور ایک طرف حسینؑ اور آقا زادی زینبؑ سر کھولے ہوئے ماتم کر رہی تھیں۔ میں بھی بابا کے قدموں سے لپٹ کر رو رو کر بابا کی صحت کی دعا کر رہا تھا۔

بابا نے مجھے اپنے پاس بلا کر پیار کیا اور میرا ہاتھ آقا حسینؑ کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ میرا بیٹا حسنؑ تو میرے نو ۹ بیٹے کا مختار ہے اور حسینؑ، عباسؑ کا سردار ہے، مجھ سے بابا نے کہا تھا کہ حسینؑ کو اپنا امام سمجھنا اور آقا حسینؑ سے کہا تھا کہ عباسؑ کو اپنا غلام سمجھنا اُمّ البنینؑ کہتی ہیں:-

عباسؑ کی ان پیار بھری باتوں کو میں تو مسکرا کر سُن رہی تھی لیکن عباسؑ کو اتنا جلال تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تب میں نے عباسؑ کی بلائیں لے کے کہا کہ بیٹا آج میری دعا اور میری مراد پوری ہوگئی بس اب یہ خواہش ہے کہ خدا وہ دن دکھلائے کہ تو حقِ غلامی اس طرح ادا کرے کہ حسینؑ کے قدموں میں تیری جان فدا

ہو جائے۔

یہ سُن کے حسینؑ رونے لگے اور جناب اُمّ البنینؑ سے فرمانے لگے ہاں امّاں میرا عباسؑ بھائی ایسا ہی وفادار ہے وہ میرا بھی اور میرے سارے گھر کا مختار ہے۔ بس میرے پاس تو آپ جیسی ماں ہے اور عباسؑ جیسا بھائی ہے۔ امّاں عباسؑ میرے بازوؤں کی قوت ہے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عباسؑ نہیں بلکہ علیؑ میرے ساتھ ہیں۔

باب ۱۰

حضرت اُمّ البنینؑ

کا شجاع بیٹا عباسؑ علمدار

ایسا لڑا وہ بازوئے فرزندِ مرتضا سُکّانِ عرشِ حق بھی لگے کرنے واہ واہ
زینبؑ سے شاہ کہتے تھے کیوں بنتِ مرتضا چودہ پہر کی پیاس میں عباسؑ کیا لڑا
شیر خدا کے شیر کی جرأت کو دیکھنا
اُمّ البنینؑ کے دودھ کی طاقت کو دیکھنا
(مرزا دبیرؔ)

شجاعت عباسؑ:

شجاعت بفتح شین بہادری اور دلیری و جوانمردی کو کہتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی بہادری و دلیری محتاج تعارف نہیں ایسے شجاع باپ کا بیٹا حضرت عباسؑ ہے عباسؑ عبس مصدر سے ہے عبس کے معنی تیوری چڑھا ترش رو ہونا چیں بجبیں ہونا عباسؑ بپھرے ہوئے شیر کو کہتے ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے شجاعت وسطوت وصولت وعبوسیت کی

وجہ سے اس بیٹے کا نام عباسؑ رکھا۔

صاحب معالی السبطین نے تحریر فرمایا ہے۔ جب حضرت عباس میدان میں اُترتے تھے تو دشمنوں کے بدن خوف سے کانپتے تھے۔ جسم کے جوڑ ڈر سے پھڑکتے تھے ایک شعر لکھا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ:-

''یعنی دشمنوں کے منہ موت کے خوف سے بگڑ جاتے اور عباسؑ اس وقت میدان میں متبسم ہوتے تھے''۔

باپ کے زمانہ میں شجاعت:

صاحبِ مقتلِ طریحی نے تحریر فرمایا ہے امیرالمومنینؑ کی موجودگی میں عباسؑ شریک جنگ ہوتے تھے اور بڑے بڑے بہادروں کو پچھاڑ دیتے تھے۔ جنگ صفین میں جب امام حسینؑ نے معاویہ کی فوج سے دریائے فرات کا گھاٹ چھڑایا تو عباسؑ بحیثیت مددگار امام حسینؑ کے ہمراہ تھے ابوالاعود کو شکست دے کر ہٹا دیا (معالی السبطین)

صفین کا ایک واقعہ:

جنگ صفین میں ایک نوجوان شہزادہ نقاب پوش میدانِ جنگ میں اترا بڑے بڑے شجاعوں کے چھکے چھوٹ گئے معاویہ کے لشکری خوف سے میدان چھوڑ گئے۔ معاویہ نے ابن شعثا نامی ایک فوجی سے کہا کہ تم مقابلہ میں جاؤ۔ کہا میں دس ہزار کے مقابلہ میں اکیلا لڑ سکتا ہوں اس لڑکے کے مقابلہ میں کیسے جاؤں میرے سات لڑکے موجود ہیں، کوئی ایک اس کا سر لے آئے گا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ساتوں میدان میں اترے اس نوجوان لڑکے نے سب کو جہنم پہنچا دیا۔ غصہ میں ابن شعثا خود میدان میں اترا کہ خود جا کر اس لڑکے کے ماں باپ کو اس کے غم میں سوگوار بناتا ہوں دو ایک جھڑپ ہونے کے بعد اس لڑکے نے ابن شعثا کو ہموزن دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا۔ دونو

طرف کے لشکر حیران ہو گئے اتنے میں حضرت علیؑ نے آواز دے کر بلایا نقاب اٹھایا تو سب نے دیکھا کہ قمر بنی ہاشم جناب عباس تھے۔ (کبریت احمر۔معالی السبطین)

ابن زیاد کی امان:

شجاعت عباسیہ کی یہ حد تھی کہ نام سن کر بہادروں کے جوڑ کانپتے تھے۔ اور دل آب آب ہو جاتے۔ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے۔ (معالی السبطین) اسی وجہ سے ابن زیاد نے امان لکھ کر دی کہ شاید عباسؑ علیحدہ ہو جائے تو لشکر ابن زیاد کا خوف گھٹ جائے۔ اور جنگ لڑ سکیں۔

جب پانی لینے گئے:

حضرت عباسؑ نے کربلا میں کم از کم تین جنگیں لڑیں ہیں۔ پہلا حملہ آپ نے تلوار سے اس وقت کیا جب حضرت قاسمؑ کی شہادت ہوئی۔ اور امام حسینؑ کے ساتھ شیرِ غضب ناک کی طرح، جنگ کر کے لاشِ قاسم لے آئے، دوسری جنگ فرات پر جاتے ہوئے ہے۔ اور تیسری جنگ فرات سے واپسی پر ہے۔ آپ نے مولا علیؑ کی طرح تلوار چلائی ہے۔

فرات کے کنارے:

چار ہزار یا چھ ہزار بلکہ دس ہزار بحوالہ اسرارِ الشہادت دریائے فرات پر شامی متعین تھے۔ بہ تحریر کبریت احمر چھ حملے کر کے ان سے دریائے فرات کا کنارہ لے لیا۔

ایک ہاتھ سے جنگ:

جب دایاں ہاتھ شہید ہو گیا تو بائیں ہاتھ میں تلوار لے کر ایسا حملہ کیا ایک سو اسّی ایسے پہلوانوں کو قتل کر دیا جو ہزار ہزار بلکہ دو دو ہزار کے مقابلے کرنے والے تھے۔

(معالی السبطین)

بیس اصحاب:

لشکر امام کے بیس آدمی دشمنوں کے گھیرے میں آگئے۔ اکیلے جناب عباسؑ نے حملہ کیا اوران سب کو بخیریت دشمن کا گھیرا توڑ کر نکال لائے۔ (کبریت احمر)

شجاعت کی حد:

جب بائیں ہاتھ سے ۱۸۰ ملاعین کو قتل فرمایا تو عبداللہ ابن یزید شیبانی نے بائیں ہاتھ پر تلوار ماری کہ وہ ہاتھ مع تلوار ہوا میں اڑا لیکن جناب عباسؑ نے ہوا سے تلوار کو منہ کے ساتھ پکڑا اور دشمنوں پر حملہ کیا (کبریت احمر)

تعداد مقتولین:

حضرت عباسؑ نے ۲۵ ہزار ملاعین کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ تمام شہداء نے ۲۵ ہزار کو قتل کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے بہ نفس نفیس ۳ لاکھ ۳۰ ہزار قتل کیے تمام لشکر عمر ابن سعد ۴ لاکھ ۶۰ ہزار تھا۔ جو ملاعین بچ گئے ان کی تعداد ۸۰ ہزار تھی۔

(اسرار الشہادت در بندی)

دربار یزید میں تقریر زینبؑ:

یہ بعید نہیں ہے کیونکہ علامہ بیر جندی نے کبریت احمر میں لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ شام پہنچے تو ایک ملعون نے یزید عنید سے کہا کہ حسینؑ آئے تھوڑے اصحاب کے ساتھ ہم نے جب حملہ کیا تو وہ ایک دوسرے کی پناہ میں آڑ لیتے تھے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا اے کذّاب تیری ماں تیرے غم میں روئے میرے بھائی حسینؑ کی تلوار نے شام و کوفہ کا کوئی گھر نہیں چھوڑا کہ جس گھر سے رونے چیخنے کی آواز نہ آرہی ہو۔ اور وہ سب

میرے بھائی کی تلوار سے قتل ہوئے۔

اولادعباسؑ کی شجاعت:

جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسینؑ پر حملہ ہوا تو اس وقت مولائے مظلوم کو عباسؑ یاد آئے اس پر آپ نے استغاثہ فرمایا تو حضرت عباسؑ کے دوفرزند محمد ابن عباسؑ اور قاسمؑ ابن عباسؑ نے اپنے آپ کو مولا کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے باپ کی شہادت کافی ہے۔ کہا نہیں آقا ہم بھی آپ پر قربان ہوں گے چنانچہ دونوں میدان میں اترے ایک نے دوسو پچاس ملاعین کو قتل کیا اور دوسرے نے آٹھ سو بیس ملاعین کو قتل کیا۔ (کبریت احمر)

شجاعتِ عباسؑ حضرت اُمّ البنینؑ کی نظر میں:

حضرت عباس علیہ السلام کی ماں جناب اُمّ البنینؑ نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابوالحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے۔ بطور مرثیہ پڑھے:-

یامن رای العباس کر
علی جماھیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباسؑ کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا۔

ووراہ من ابناءِ حیدر
کل لیث ذی لبد

اور ان کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت ہے۔

اتبـئـت ان ابــنــی اصیـب

بــراســہ مـقـطـوع یـد

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگِ جان سے زیادہ عزیز تر فرزند عباسؑ کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)۔

ویـلــی عـلــی شبـلــی امـا

ل بــراســہ ضـرب الـعـمـد

آہ! آہ! میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔

لــوكـــان سیـسفك فــی یــد

یك لــمـــادنــا مـنك اَحَـدٌ

اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا۔

باب ۱۱......

حضرت اُمّ البنینؑ

چار شجاع بیٹوں کی ماں

حضرت اُمّ البنینؑ فاطمہ کلابیہ کے چار بہادر اور رشید صاحبزادے تھے لہٰذا وہ اُمّ البنینؑ کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ عربی میں اُمّ البنینؑ کے معنی ہیں بیٹوں کی ماں، اگر کسی خاتون کے تین بیٹے ہوتے تھے تو عرب میں اُسے اُمّ البنینؑ کہتے تھے۔ فاطمہ کلابیہ کو اللہ نے چار بیٹے عنایت کئے تھے۔ پھر وہ اُمّ البنینؑ کیوں نہ ہوتیں۔

برادرانِ حضرت عباسؑ:

(۱) حضرت عباسؑ جن کا سن میرے خیال کے مطابق کربلا میں ۳۸ سال تھا۔

(۲) عبداللہ جن کا سن عاشور کو ۳۰ سال کا تھا اور ان کا قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی تھا۔

(۳) عمران جن کا سن وقتِ شہادت ۲۸ سال کا تھا اور ان کا قاتل بنی دارم کا ایک شخص تھا۔

(۴) جعفر جن کا سن واقعۂ کربلا میں ۲۶ سال کا تھا اور ان کا قاتل خولی بن یزید تھا چاروں صاحبزادے تربیت علوی و تربیتِ حسنی و حسینی سے آراستہ تھے اور کربلا میں

بڑی بہادری سے جنگ کر کے شہید ہوئے۔

حضرت عباسؑ حضرت اُم البنینؑ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور فضل و دانش، تقویٰ و عبادت اور ادب میں بہت بلند مقام کے حامل تھے۔ ان کو حضرت امام حسینؑ اور حضرت زینبؑ سے بہت محبت تھی اور بچپن سے ہی اپنے فرض کو پہچانتے تھے اور اپنے بھائی اور بہن کے حکم کی تعمیل فوراً فرماتے تھے، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ کے بعد مردوں میں حضرت علیؑ کی اولاد میں اشرف و اعظم تھے۔ روز عاشورہ جب آپ نے اپنے بھائی حسینؑ ابن علیؑ کی صدائے "**ھل من ناصر**" سنی تو اپنے چھوٹے بھائیوں سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تم مجھے پہلے اپنے سید و مولا کی مدد کو نکلو۔ وہ ایک ایک کر کے میدان میں گئے اور خوب جنگ کی اور اپنے پدر بزرگوار کی شجاعت جو انھیں میراث میں ملی تھی دکھلا کر شہید ہو گئے۔

حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی پیدائش:

حضرت عباسؑ کے حقیقی بھائی جناب عبداللہ، جناب عمران اور جناب جعفر تھے۔ حضرت عباسؑ کے تقریباً نو دس برس بعد بطن جناب اُم البنینؑ سے جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ اور جناب عبداللہ سے دو سال بعد جناب عمران بن علیؑ پیدا ہوئے۔ اور جناب عمران سے تقریباً دو سال بعد جناب جعفر بن علیؑ پیدا ہوئے جیسا کہ ابصار العین وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

عبداللہ کی وجہ تسمیہ:

سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی کا نام عبداللہ تھا۔ جو حضرت علیؑ کے سگے چچا تھے۔ بس چچا کے نام پر اپنے اِس بیٹے کا نام عبداللہ رکھا تھا۔

عمران کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علیؑ نے آپ کا نام عمران تجویز کر کے فرمایا: میں نے اس کا نام عمران اپنے پدر گرامی ابو طالبؑ کے نام پر اس لیے رکھا ہے تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ حضرت ابو طالبؑ کا حقیقی نام عمران تھا۔ نجفِ اشرف کے ایک عالم نے حضرت علیؑ کو خواب میں دیکھا اور فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کا نام عمران رکھا تھا، لوگوں نے اُس بیٹے کا نام ''عثمان'' مشہور کر دیا، میرے بیٹے کو عمران کہا کرو، تاکہ میرے پدرِ گرامی کی یاد تازہ رہے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ او مقتل عوالم صفحہ ۹۳)

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ۔۔ج ۹۔۔ص ۲۴۳ پر عثمان کی جگہ عبدالرحمان لکھا ہے۔

عثمان نام معارف میں ابن قتیبہ۔ مروج الذھب میں مسعودی اور اختصاص میں مفید نے ذکر نہیں کیا۔ (اُمّ البنین علیہا السلام۔ محمد رضا عبدالامیر انصاری۔ ص ۲۲)

جعفر کی وجہ تسمیہ:

آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علیؑ نے آپ کا نام۔ جعفر رکھا تاکہ جعفر طیّار کی یاد قائم رہے۔ **روی ان امیرالمومنین مسماة اخیه جعفر لجه اياه**۔ حضرت علیؑ نے ان کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالب کے نام پر محض اس لیے رکھا تاکہ ان سے محبت کا ثبوت دیں۔ حضرت علی جعفر طیّار کو بے حد مانتے اور چاہتے تھے۔ (ابصار العین صفحہ ۳۵ طبع نجف اشرف)

کربلا میں حضرت اُمّ البنینؑ کے بیٹوں کی قربانیاں:

دشتِ وغا میں موت کا بازار گرم ہوگیا تھا، موت کے خریدار ایک اک پر گر رہے تھے، اصحاب و انصار قتل ہوگئے اب بنی ہاشم لہو میں نہا کر حسینؑ پر نثار ہونے لگے۔

پایا جو اذنِ جنگ دلیروں نے ایک بار جانے لگا لڑائی کو ایک ایک نامدار
شبیرؑ پر لہو میں نہا کر ہوئے نثار لاشے اٹھا کے روئے بہت شاہ باوقار
دشتِ وغا میں گرم تھا بازار موت کا
گرتا تھا ایک اک پہ خریدار موت کا

مارے گئے جدال میں جس دم وہ جاں نثار جانے لگے وغا کو عزیزانِ ذی وقار
اللہ ری حرب وضرب دلیرانِ نامدار دشتِ نبرد ہلتا تھا ہنگام کارزار
کیا ذکر اُن دلیروں کی تیغ آزمائی کا
دکھلا دیا تھا رنگ علیؑ کی لڑائی کا (میر مونسؔ)

اب اُن میں سے ہر ایک سبقت کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اور جو موقع پا جاتا ہے اور اجازتِ نبرد آزمائی حاصل کر لیتا ہے۔ میدان کی طرف دوڑتا ہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بانی اسلام کی نظر میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ بہت سے بنی ہاشم کے نوجوان اپنی قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ حضرت عباسؑ جن کے اوپر جنگ کربلا کے سر کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ ہر چند کوشش کر رہے ہیں کہ مجھے میدانِ وغا کی اجازت ملے۔ تا کہ میں اپنے کو پیش کر کے بابا جان حضرت علیؑ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤں اور اُن پر یہ ثابت کر دوں کہ آپ نے جس غرض کے واسطے میری ولادت کی تمنا کی تھی میں نے اُسے پورا کر دیا۔ لیکن علمبردار لشکر ہونے نیز حسینؑ کے ایسے قوتِ بازو ہونے کی صورت میں جن پر حسینؑ اپنے کو فدا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے ''اے بھائی عباسؑ تم پر میری جان قربان'' کیوں کر میدان قتال کی اجازت پاسکتے تھے۔ بنا بریں حضرت عباسؑ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر میں اپنی ذاتی قربانی اس وقت جبکہ سب بنی ہاشم کے نونہال جا رہے ہیں نہیں پیش کر

سکتا تو کم از کم یہ تو ضرور ہی کر سکتا ہوں کہ قاسمؑ وعلی اکبرؑ سے پہلے اپنے حقیقی بھائیوں کو قربان گاہِ حسینی میں پیش کر دوں تا کہ بابا جان مجھ سے ناخوش نہ ہوں۔ اور ان کو گلہ وشکوہ نہ رہے۔ اور وہ بانی اسلام کی بارگاہ میں اس بارے میں شرمندہ نہ ہوں۔ کہ ان کے وہ بیٹے جو عباسؑ کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے سر دینے میں تاخیر کی۔ حضرت عباسؑ نے اپنے سگے بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا **یا بنی اُمّی تقد موا حتیٰ ارائکم وقد نصحتم اللّٰہ ولرسولہٖ** اے میرے حقیقی بھائیوں! اب میدان قتال میں جا کر خدا اور رسولؐ کے لیے اپنی جانیں دے دو۔ اور مجھے دکھا دو کہ تم نے سرخروئی حاصل کر لی اور سنو تمہیں یاد ہوگا کہ جب جنگ صفین ہو رہی تھی اور تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اس موقع پر پدرِ بزرگوار نے محمد حنفیہ سے فرمایا تھا کہ آگے بڑھو اور فوج مخالف کے میمنہ پر حملہ کرو۔ اُس وقت کسی نے حضرت علیؑ سے عرض کیا۔ یا علیؑ کیا حضور ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں کہ تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور محمد حنفیہ زخموں سے چُور ہیں۔ حضور حسنؑ اور حسینؑ بھی تو ہیں۔ یہ سننا تھا کہ بابا جان کے غیض وغضب کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے فرمایا۔ وائے ہو تجھ پر۔ سن! محمد حنفیہ میرا بیٹا ہے اور حسنؑ اور حسینؑ رسولؐ اللہ کے فرزند ہیں۔ نیز یہ کہ محمد حنفیہ میرے ہاتھ کی مانند ہیں۔ اور حسنؑ اور حسینؑ میری آنکھوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ کا فریضہ ہے کہ جب آنکھ پر کوئی آفت آئے تو وہ آنکھوں کی حفاظت کرے۔ غرض کہ کسی کے ٹوکنے پر بابا جان کو غصہ آ گیا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے فرزندوں میں وہ زیادہ خوش نصیب ہوگا جو دشتِ کربلا میں فرزندِ رسولؐ حسینؑ کی مدد کرے گا۔ میرے بھائیو ہماری مادرِ گرامی اُمّ البنینؑ بہادر خاندان کی خاتون ہیں۔ اور ہمارے کارنامے کربلا کی نوید حمایت سننے کے لیے مدینہ میں موجود ہیں۔ آج جنگ کرو قربانیاں پیش کرو اور ماں اُمّ البنینؑ اور باپ حیدرِ کرار کا نام روشن کر دو۔

یہ سن کر حضرتِ عباسؑ کے بھائیوں نے کمال دلیری سے جواب دیا کہ ہم اسی لیے آئے ہیں۔ اور انشاء اللہ اپنی قربانیوں سے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے گا۔ اپنے پدر بزرگوار اور مادر گرامی نیز آپ کو خوش کر دیں گے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۲۔ مجالس المتقین صفحہ ۲۷۴۔ روضۃ الحسینیہ طبع ایران۔ مجمع النورین صفحہ ۲۵۱ طبع ایران)

تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت عباسؑ چار حقیقی بھائی تھے۔ (۱) خود حضرت (عباسؑ) (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب عمران (۴) جناب جعفر۔ ان کی والدہ جناب اُم البنینؑ اور والد ماجد حضرت علی علیہ السلام تھے۔ اور انہیں سے حضرت عباسؑ نے یوم عاشورہ خصوصی طور پر مخاطبہ فرمایا تھا۔ اور انہی کو شمر امان نامہ کے حوالہ سے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جس کا انہوں نے کمال دلیری سے یہ جواب دیا تھا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ تیری امان پر لعنت ہے۔

غرضیکہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کی حوصلہ افزائی کی اور وہ سب مرنے کے لیے جلد سے جلد نکلنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ناموس اسلام صفحہ ۱۶۳ میں ہے۔ باغ مرتضوی کے پھول اُمّ البنینؑ کی آنکھ کے تارے دریائے فنا میں ڈوبنا شروع ہوئے، حسینؑ کے بازو ٹوٹنے لگے۔ باپ کی نشانیاں، علیؑ کی یادگاریں خاک میں ملنے لگیں۔ حضرت عباسؑ نے بھائیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ پیارو۔ تم مجھے جان سے زیادہ عزیز اور پیارے ہو، مگر آج میری خواہش یہی ہے کہ تم سب مجھ سے پہلے بابا علی مرتضیٰؑ کی خدمت میں دربارِ رسولؐ میں سرخرو کوثر کے کنارے پہنچ جاؤ۔ تمہارے داغ ہم سینے پر اُٹھائیں اور تمہارے غم میں صبر و رضائے الٰہی کے درجات بھی حاصل کریں۔ یہ بہادر بھائی کے فدائی، حسینؑ کے عاشق پہلے سے ہی شوقِ شہادت میں بے چین تھے۔ خوش ہو کر عرض کرتے ہیں، ہماری یہی تمنا اور یہی آرزو ہے کہ آپ سے پہلے خون میں

ڈوبیں، اور اپنے پیارے بزرگ بھائی آقا حسین پر نثار وقربان ہو جائیں، ہتھیار سجتے ہیں، تلواریں اُٹھاتے ہیں، سلامِ وداع عرض کر کے رخصت ہوتے ہیں، حسینؑ ایک ایک کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور رخصت فرماتے ہیں، بیشہ حیدری کے شیر میدان میں جاتے ہیں، شجاعت علوی کے جوہر دکھاتے ہیں، شیرانہ حملے فرماتے ہیں، تیر لگتے ہیں، برچھیاں پڑتی ہیں، زخمی ہو کر گرتے ہیں، اور بھائی پر قربان ہو جاتے ہیں، حسینؑ لاشوں کو اُٹھاتے ہیں اشکبار ہوتے ہیں اور خون بھری لاشوں کو خیمہ میں لے آتے ہیں۔

اب حضرت اُمّ البنینؑ کے چار بہادر فرزندوں کے مختصر الفاظ میں تفصیلی واقعات تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت اُمّ البنینؑ کے دوسرے فرزند عبداللہ ابن علیؑ:

عبداللہ بن علی حضرت عباسؑ کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ حضرت عباسؑ سے تقریباً آٹھ سال چھوٹے تھے۔ آپ کی کنیت ناسخ التواریخ کے مطابق ابو محمد تھی۔ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپ کو جوہر شجاعت ورثہ میں ملا تھا۔ بڑے بہادر۔ نہایت جری تھے یہی وجہ ہے کہ جب آپ حضرت عباسؑ کے ارشاد کے مطابق میدان میں تشریف لے گئے تھے تو جوہر شجاعت دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ آپ کے سن کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔

آپ اپنے بھائی حضرت عباسؑ کے تقریباً آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی اُم البنینؑ فاطمہ کلابیہ تھیں۔ آپ نے پدرِ بزرگوار کے ساتھ ۱۰ سال اور امام حسن کے ساتھ ۲۰ سال اور امام حسینؑ کے ساتھ تیں سال زندگی بسر کی اور یہی (۳۰ سال) آپ کی مُدتِ عمر ہے۔ دمعتہ ساکبہ صفحہ ۲۳۶۔ انوار الحسینیہ صفحہ ۶۸ مہیج

الاحزان صفحہ ۱۶۲ اور تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۳ میں ہے کہ جناب عبداللہ ابن علی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ حضرت عباسؑ کے تینوں بھائیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں، چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ تھے۔ جلتے خیموں اور دوڑتے گھوڑوں میں یہ کمسن بچے شہید ہوگئے، بیبیاں اسیر ہوگئیں۔

میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی:

آپ چونکہ فطرتاً شجاع تھے اور بڑے بھائی حضرت عباسؑ نے بھی حوصلہ افزائی کر دی تھی۔ لہٰذا جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو آپ نے کمال بے جگری سے جنگ فرمائی۔ آپ کی شجاعت کے متعلق صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ عبداللہ مثیل شیر یزداں و آرزومند نبرد آزمائی کے لیے بے چین تھے۔ تواریخ میں ہے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست حملہ کیا۔ اور ان لفظوں میں رجز پڑھا:-

انا ابن ذالنجدة والافضال　　ذاك على الخير فى الفعال

سيف رسول اللّٰه ذوالنكال

فى كل قوم ظاهر الافعال

ترجمہ: میں ایک عظیم الشان بہادر اور صاحب جود و کرم کا فرزند ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میرے افعال واعمال میں اچھائی نظر آتی ہے۔ اور تم سمجھے وہ کون ہے۔ وہ رسول اللہؐ کی شمشیر برہنہ ہیں ان کے افعال واعمال روز روشن کی طرح ساری دُنیا پر روشن اور جلی ہیں، وہ علیؑ ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن علیؑ کی شہادت:

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس طرح حملہ کیا کہ سارا میدان کانپ اُٹھا، مورخین

لکھتے ہیں:- **وجعل یضرب بسیقہ قد ما و یجول فیهم جولان الرحی** ۔آپ نے چکی کی طرح میدان میں چکر لگا کر تلوار سے کاٹنا شروع کیا اور مجمع میں چیخ و پکار کی آواز بلند ہوگئی۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۳ وانوار الحسینیہ صفحہ ۶۸)

دشمنوں نے جب دیکھا کہ اس بہادر پر قابو نہیں پایا جا رہا تو پانچ ہزار کی جمعیت سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے جب ملاحظہ کیا کہ اب دشمن اپنی پوری طاقت سے حملہ کر رہے ہیں۔ تو بقولے صاحبِ حقائق المصیبت حضرت عباس علیہ السلام کو آواز دی۔ آپ عون بن علیؑ کو ہمراہ لیے ہوئے میدان میں پہنچے اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ جناب عبداللہ جن کے مقابلہ میں ہانی ابن ثبیت حضرمی تھا۔ چونکہ کافی زخمی ہو چکے تھے۔ لہٰذا دشمن آپ پر غالب آگیا۔ **فشد علیه هانی ابن ثبیت الحضرمی نضربه علی راسہ فقتلهٗ** اور آپ کے سر مبارک پر اس نے تلوار لگائی۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔

(ابصار العین، صفحہ ۳۴ بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۲۸۔ تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۳۱۔ مجالس المتقین صفحہ ۴۷، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷ دمعتہ ساکبہ صفحہ ۳۳۶۔ حقائق المصیبت صفحہ ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

حضرت عبداللہ پر امام معصوم حضرت حجتؑ کا سلام:

السلام علی عبداللّٰه بن امیرالمومنین سبلی البلاء والمنادی بالولاء عرصة کربلا المضروب مقبلاً و مدبراً لعن اللّٰه قاتلهٗ هانی ابن ثبیت الحضرمی

عبداللہ ابن علی علیہ السلام پر سلام ہو۔ جنہوں نے بلا پر بلا جھیل کر موقعہ امتحان میں کامیابی حاصل کی اور جو میدان کربلا میں اپنی محبت کا علی الاعلان ثبوت دے گئے۔ جنہیں دشمنوں نے ہر جانب سے زخمی کیا۔ خدا اُن کے قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی پر

لعنت کرے۔ (شفاء الصدور صفحہ ۱۱۱ طبع بمبئی)

حضرت اُمّ البنین کے تیسرے فرزند عمران ابنِ علیؑ:

حضرت عمران بن علیؑ حضرت عباسؑ علمدار کے دوسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عبداللہ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۸ سال اور کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کا اسمِ گرامی ''عمران'' اس لیے رکھا گیا تھا کہ حضرت علیؑ کے والدِ گرامی ابوطالب کا نام عمران تھا۔ جب اس فرزند کی ولادت ہوئی تو حضرت علیؑ نے ان کا نام ابوطالبؑ کے نام پر رکھا۔

اِنَّ اللّٰـهَ اصْطَفٰىٓ آدَمَ وَ نُوحاً وَّآلَ اِبْراهِيْمَ وَآلَ عِمْرانَ عَلَى الْعالَمِيْنَ (سورۂ آلِ عمران آیت ۳۳)

''اللہ نے مصطفےٰ بنایا آدم ونوح وآلِ ابراہیم وآلِ عمران کو عالمین میں''

آپ کا نام ناصبیوں نے ''عثمان'' مشہور کر دیا ہے۔ جبکہ نام عمران ہے۔

آپ کی عمر کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔ آپ اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی جناب اُمّ البنینؑ تھیں آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ آٹھ برس اور اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ اٹھارہ برس اور امام حسینؑ کے ساتھ ۲۸ سال زندگی بسر کی۔ اور یہی آپ کی مدتِ عمر ہے۔ (ابصار العین صفحہ ۳۴۔ انوار الحسینیہ صفحہ ۶۸ طبع نجف اشرف)

میدان جنگ کی طرف رخصت اور جانبازی:

میدان جنگ میں جانے کے لیے حضرتِ عباس علیہ السلام ہمت افزائی فرما ہی چکے تھے۔ اب عبداللہ کی شہادت نے جناب عمران کے دل میں نبرد آزمائی کا زور پیدا کر دیا تھا۔ آپ میدان کی طرف کمال شجاعت اور جوش میں تشریف لے گئے۔ اور

آپ نے یہ رجز پڑھا:-

انــی انـــا الــعــمـران ذوالـمـفـاخـر

شـيـخـی عـلـی" ذوالـفـعال الظاهر

وابــن عــم الـــرسـول الـطــاهــر

اخــی حسيـــن خيـــرـة الاخـــائر

ترجمہ:- اے دشمنانِ اسلام! میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صاحبِ مفاخر عمران بن علیؑ ہوں میرے بزرگ اور آقا میرے پدر نامدار حضرت علیؑ ہیں۔ جن کے کارنامے ناصیہ روزگار پر روشن ہیں۔ وہ رسول مقبول علیہ السلام کے ابن عم یعنی چچازاد بھائی ہیں۔ اور میرا بھائی حسینؑ ہے جو تمام منتخب لوگوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

وسيـــد الـــكـيـــارو الاصـــاغـــر

بـعـد الــرسـول والــولـی الـنـاصـر

وہ حسینؑ جو رسول اللہؐ اور ولی اللہ کے بعد کائنات کے تمام چھوٹے اور بڑے سب کے سردار ہیں۔ (ناسخ التواریخ جلد۲ صفحہ ۲۸۷۔ تحفہ حسینیہ ۱۶۳۔ بحارالانوار جلد۱ صفحہ ۶۲۳۔ دمعۃ ساکبہ صفحہ ۳۳۶)

حضرتِ عمران بن علی کی شہادت:

آپ کمال دلیری کے ساتھ مشغول جنگ تھے۔ **فـرمــاه خـولـی ابـن يزيد الاصبـحـی بسهـم فـاوهطۂ حتی سقط لجنبه فجاء ۂ رجل من بنی ابـان بن دارم فقتلۂ واجتزراسۂ** کہ ناگاہ خولی ابن یزید اصبحی نے ایک ایسا تیر مارا جس نے انہیں بالکل کمزور کر دیا۔ اور آپ پہلو کے بل زمین پر گر گئے۔ اتنے میں ایک شخص۔ بنی اِمان ابن دارم کا آیا اور اس نے آپ کا سر کاٹ لیا۔ (ابصار

العین صفحہ ۳۴۴۔ مجالس المتقین صفحہ ۴۷۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۳، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۸۔) صاحب مہیج الاحزان صفحہ ۱۶۰ میں لکھتے ہیں کہ چلۂ کمان سے چھوٹا ہوا تیر جبین مبارک پر لگا اور آپ زمین پر تشریف لائے۔

جناب عمران پر امام معصوم کا سلام:

السلام علی عمران ابن امیرالمومنین مسمی عمران ابن عبدالمطلب، لعن اللّٰہ رامیہ بالسھم خولی ابن الیزید الاصبحی الا یادی الدارعی

ترجمہ: جناب عمران ابن عبدالمطلب کے ہمنام عمران بن امیر المومنین پر سلام ہو اور خدا تیرے شہید کرنے والے خولی ابن یزید اصبحی ایادی داری پر لعنت کرے۔

(شفاء الصدور شرح زیارت عاشور صفحہ ۱ طبع بمبئی)

حضرت اُمّ البنینؑ کے چوتھے فرزند جعفر بن علی علیہ السلام:

جناب جعفر بن علی حضرت عباسؑ علمدار کے تیسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عمران سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۶ سال تھی۔ آپ کی کنیت بقول صاحب ناسخ التواریخ ابوعبداللہ تھی۔ آپ کی حیات کے متعلق مورخین لکھتے ہیں:-

آپ اپنے بھائی عمران کے دو سال بعد پیدا ہوئے آپ کی مادر گرامی جناب اُم البنینؑ تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ۶ سال اور بھائی حسنؑ کے ساتھ ۱۶ سال اور امام حسینؑ کے ساتھ ۲۶ سال زندگی بسر کی اور یہی آپ کی مدت حیات ہے۔

علامہ شیخ محمد بن کمال الدین شافعی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ کے بھائی، جناب جعفر طیّار تھے۔ جنہیں حضرت علی علیہ السلام بے حد چاہتے تھے۔ آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جناب جعفر طیّار کے نام سے آپ کو واسطہ دیتا تھا تو آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔

''اذا سَلِ بحق جعفر سکن" (ملاحظہ ہو مطالب السّول صفحہ ۱۱۷) علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ جب جنگ موتہ میں جعفر طیّار شہید ہوئے تھے تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **الاٰن الکسر ظهری** بھیّا! اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ (انوار الشہادت صفحہ ۲۹) صاحب ابصار العین علامہ سماوی لکھتے ہیں۔ روی ان امیر المومنین **سماه اخيه جعفر لحبه اياه** صفحہ ۳۵ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزند جعفر کا نام اس لیے جعفر رکھا تھا تاکہ جعفر طیّار کی یاد تازہ رہے۔

آپ کی میدان کی طرف رخصت اور جانبازی:

آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ آپ کو یونہی حوصلہ جنگ تھا۔ پھر حضرت عباسؑ نے باپ کی وصیت یاد دلا کر ہمت افزائی کر کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے۔ "**فقد مروشد ما على الاعداء يضرب فيهم بسيفه**" کہ آپ نے میدانِ جنگ میں جا کر دشمن پر حملہ آوری کی اور تلوار سے انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور یہ رجز پڑھا:-

انی انا الجعفر ذوالمعالی ابن علی خيرة النوالی

حسبی بعمی شرفاً و خالی

احمی حسيناً ذی الند المفضال

ترجمہ:- میں بلندی کا بادشاہ جعفر ہوں اور حضرت علی علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ جو بڑے جود و کرم والے تھے۔ میرے چچا اور ماموں کی شرافت حسب و نسب میری شرافت کی شاہد اعظم ہیں۔ میں ایسے حسینؑ کی مدد کر رہا ہوں۔ جو بڑے بخشش کرنے والے ہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔ ابصار العین صفحہ ۳۵۔ بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۶۸۔ جواہر الایقان صفحہ ۲۰۲۔ دمعتہ ساکبہ صفحہ ۳۳۶)

جناب جعفر بن علیؑ کی شہادت:

آپ کمال دلیری اور بہادری کے ساتھ جنگ آزما تھے۔ کہ ناگاہ "شد علیه هانی ابن ثبیت الحضرمی الذی قتل اخاه فقتله" آپ پر ہانی ابن ثبیت حضرمی نے وار کیا۔ اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (ابصار العلین صفحہ ۳۵ مقتل ابی مخنف طبع ایران)

جناب جعفر پر امام معصوم حضرت حجّتؑ کا سلام:

السلام علی جعفر بن امیرالمومنین الصابر بنفسه محتسباً والناتی عن الاوطان مغترباً المستسلم المستقدم للنزال المکثور باالرجال لعن اللّٰه قاتله هانی بن ثبیت الحضرمی "۔ جعفر ابن امیر المومنین علیہ السلام پر سلام ہو۔ جو اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں بڑے صابر تھے۔ اور غربت کی حالت میں وطن سے نکالے ہوئے تھے جو جنگ آزمائی کے لیے دل و جان سے تیار تھے۔ جو میدان کارزار میں بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والے تھے جنہیں لوگوں نے اپنی کثرت سے مغلوب کر دیا تھا خدا ان کے قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی پر لعنت کرے۔ (اشفاء الصدور شرح زیارت عاشور طبع بمبئی)

مورخ طبری کی تنگ نظری:

حضرت عباس علیہ السلام کی وفاداری کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی حمایت کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ نہ میں خود باقی رہوں گا اور نہ اپنے کسی بھائی اور بیٹے کو زندہ رہنے دوں گا۔ یہ انہوں نے کیوں کیا صرف اس لیے کہ وہ موقع آشنا تھے اور جانتے تھے۔ کہ آج اُسی کا محل ہے۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ نے اپنے حقیقی بھائیوں کو جن کے نام عبداللہ، عمران، جعفر ہیں مخاطب کر

کے اس وقت کہا جبکہ امام حسینؑ پر تمام اصحاب اپنی جان قربان کر چکے تھے اور اہل بیتؑ میں سے بھی اکثر ہستیاں قربان گاہ اسلام پر بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔

اے میرے حقیقی بھائیو۔ میرے قریب آؤ۔ اور میری بات سنو۔ وہ یہ ہے کہ اب وہ وقت ہے کہ تم بھی اب میدان قتال میں قدمِ جدال رکھ دو اور اس طرح جنگ کرو کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم نے خدا اور رسولؐ کی راہ میں اپنی جانِ عزیز قربان کر دی ہے، دیکھو آج کے دن جان دینے سے دریغ کرنے کا محل نہیں ہے، دلیری سے جان دن دے دو، ارے میرے بھائیو! میں تو اپنی اولاد بھی آج قربان کر دینا چاہتا ہوں، میں اپنی اولاد بھی عزیز نہیں رکھنا چاہتا، تم بھی ایسا ہی کرو، عجلت کرو اور شرف شہادت حاصل کر کے بارگاہِ رسولؐ میں سرخرو ہو جاؤ۔

(جواہر الایقان در بندی صفحہ ۲۰۲ بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۲۳ وغیرہ)

آپ کے بہادر بھائی جو پہلے ہی سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ میدان قتال کی طرف چل پڑے اور سب سے پہلے جس نے قدم اٹھایا وہ آپ کے بھائی عبداللہ تھے۔ آپ نے اپنے ہر بھائی کو میدان قتال میں بھیجتے وقت فرداً فرداً یہی فرمایا تھا کہ **تقدم یا اخی حتی ارالك قتيلا وا حتسبد فانه لا ولد لك** ۔ میرے عزیز بھائی! میدان میں جا کر اس طرح لڑو۔ کہ میں تمہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔ (انوار الحسینیہ صفحہ ۶۸) چنانچہ آپ کے برادرانِ خوش اعتقاد میدان میں جا کر اسلام پر قربان ہو گئے۔ (ابصار العین صفحہ ۳۹)

علماء اور مورخین نے اس امر کی وضاحت میں کہ حضرت عباسؑ نے اپنے سے پہلے اپنے بھائیوں کو جنگ گاہ میں بھیجنے پر مقدم کیوں کیا۔ ایسی چیزیں پیش فرمائی ہیں جن سے حضرت عباسؑ کے کمال تدبر کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب منافع الابرار صفحہ ۳۲ میں لکھتے

ہیں کہ کارِ خیر میں عجلت کرنی چاہیئے۔ علامہ برغانی مجالس المتقین کے صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں۔

حضرت عباسؑ نے بہ تاکید تمام اس بات کی کوشش کی کہ اُن کے بھائی ان سے پہلے حسینؑ پر قربان ہو جائیں۔

حضرت عباسؑ نے اپنے سے اس لیے مقدم رکھا تا کہ میری شہادت ان کی نظروں کے سامنے نہ واقع ہو۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مرنے سے ان کی ہمت ٹوٹ جائے اور وہ شرف شہادت سے محروم رہ جائیں۔ اور امام حسین علیہ السلام کی بدنامی ہو کہ ان کے لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے جو میدان کارزار میں نہ آئے۔ اور اپنی جان بچا لی''۔

راجہ سرکشن پرشاد وزیر اعظم حکومت حیدر آباد اپنے رسالہ شہید کربلا طبع لکھنؤ ۱۳۵۸ھ کے صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ حضرت عباسؑ اپنی شہادت کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ علمداری کا عہدہ جہاد کی اس وقت تک اجازت دینے پر مجبور نہ کرے گا جب تک کوئی تلوار اٹھانے والا باقی رہے گا۔ یعنی حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کو جنگ کے لیے اُبھار کر اس لیے جلد سے جلد شہید کرا دیا تا کہ انہیں حوصلہ شہادت پورا کرنے کا موقع مل جائے، کیونکہ جب تک کوئی بھی باقی رہے گا، علمدارِ لشکر کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقع نہ ملے گا۔

بہر حال حضرت عباسؑ نے کمال وفاداری کے جذبہ سے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش فرمائی کہ تمام بھائی جلد سے جلد شہید ہو کر میرے لیے راستہ صاف کر دیں تا کہ میں امام حسینؑ پر قربان ہو کر اپنے والد بزرگوار حضرت علیؑ کی تمنا پوری کر دوں۔ دنیا کا کون انسان ایسا ہوگا جو حضرت عباسؑ کے اس جذبۂ وفاداری کی قدر نہ کرے گا۔ لیکن

نہایت افسوس ہے کہ دنیائے اسلام کا ایک مورخ علامہ ابوجعفر محمد ابن جریر طبری اپنی کج فہمی اور تعصب کی وجہ سے لکھتا ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔

تقدموا حتی ارثکم فانه لا ولد لکم الخ۔اے میرے بھائیو!

عبداللہ، عمران۔ جعفر تم جلد سے جلد میدان جنگ میں جا کر شہید ہو جاؤ۔ تا کہ میں تمہاری میراث کا مالک بن جاؤں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷ طبع مصر)

اسی کی پیروی ابوالفرج نے مقاتل الطالبین میں کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: **قدم اخاه جعفر بین یدیه لانه لم یکن له ولد لیجوز میراثه العباس** ۔جعفر کو شہادت کے لیے حضرت عباسؑ نے بھیج دیا تا کہ ان کی میراث کے مالک بن جائیں۔ علامہ عبدالرزاق موسوی کتاب ''قمر بنی ہاشم'' طبع نجف اشرف کے صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ان دونوں مورخین نے عجیب وغریب بات کہی ہے۔ کجا حضرت عباسؑ کی شخصیت اور کجا بھائیو کی میراث میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں مورخوں نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں کی میراث لینے کا خیال رکھتے تھے۔ کیوں کہ یہ تو معمولی آدمی بھی جانتا ہے کہ ماں کی موجودگی میں بھائی کو بھائی کی میراث میں سے کچھ نہیں ملا کرتا کیا وہ حضرت عباسؑ جو آغوشِ امامت میں پرورش پا چکے تھے اور جن کا علمی پایہ بے انتہا بلند ہے انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شرعاً مجھے ان کی میراث کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور پھر ایسے موقع پر جب کہ وہ جانتے تھے کہ اب چند منٹوں میں مَیں بھی درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں گا، اور یہ سوچنے کی بات ہے کہ بازاری شخص بھی کسی کو اس طرح مرنے کے لیے نہیں اُبھارا کرتا کہ تم جاؤ قتل ہو جاؤ تا کہ میں تمہاری میراث کا وارث بن جاؤں، چہ جائیکہ حضرت عباسؑ جو جامعہ نبوت کے تعلیم یافتہ اور مدرسہ امامت میں

پڑھے ہوئے تھے اور جنہوں نے باپ اور بھائی کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اور ان سے معارف سیکھے تھے۔ یہ باور کرنا چاہیے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجنے میں اس لیے جلدی کی تھی۔ تاکہ امام حسینؑ پر یہ ثابت کر دیں۔ کہ میرے بھائی آپ سے کس درجہ اُنس رکھتے ہیں اور کس طرح آپ پر قربان ہونے کو بے چین ہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا تھا:

تقدموا حتی ارالکم قد نصحتم اللّٰہ ورسولہ الخ

میدان میں میرے سامنے جاؤ۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم لوگ خدا اور رسولؐ کی راہ میں قربان ہو گئے۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ جلد سے جلد اجر شہادت حاصل کر لیں۔ ابوحنفیہ دینوری لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: **تقدموا بنفسی انتم و حاموا عن سید کم حتی تموتوا دونہ، فتقدموا جمیعا فقتلوا** ۔ میرے بھائیو! میں تم پر فدا ہوں۔ اپنے سردار امام حسینؑ کی حمایت کے لیے نکل پڑو۔ اور ان کے سامنے جان دے دو یہ سُن کر سب کے سب میدان میں گئے۔ اور اپنے کو قربان کر دیا۔

میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے میراث کا حوالہ دیا ہے انہیں لفظ (**لا ولد لکم**) سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ موقع گفتگو پر نظر کرنے کے بعد یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس سے سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ تمام مورخین نے جو یہ سمجھا ہے کہ "برائے شما عقب و اولاد نیست تا غمِ آنہا را بخورید"۔ یہ درست ہے اس کے علاوہ علامہ عبدالحسین علی نے یہ احتمال کیا ہے۔ کہ شاید **ارزلکم** کے بجائے **ارثکم** غلطی سے لکھا گیا ہو اور علامہ شیخ آغا بزرگ نے یہ احتمال ظاہر فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ میں **ارثیکم** کے بجائے **ارثکم** غلطی سے آ گیا ہو یعنی احتمال اول کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ نے فرمایا

کہ تم مرنے کے لیے جاؤ تا کہ میں تمہارا غم برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں اور احتمال ثانی کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم مرنے کے لیے جاؤ تا کہ میں تم پر نوحہ ماتم کروں اور تمہارا مرثیہ کہوں۔ یعنی تم پر رونے کا حق ادا کروں۔ کیونکہ تمہارے کوئی اولاد تو ہے نہیں جو تمہارا غم منائے گی۔ (النقد النزیہ جلد ا صفحہ ۹۹۔ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ)

• چھوٹے چھوٹے بچے بھی شہید ہو گئے، ماتم کرنے والا کوئی نہ رہا، اہلحرم قیدی بن کر دیار بہ دیار پھرائے گئے صفِ ماتم کون بچھاتا۔ حضرت زینبؑ مدینے واپس آئیں تو جب تک زندہ رہیں اِن جوان بھائیوں کی یاد میں مجالس منعقد کرتی رہیں۔ یا پھر دُکھیاری ماں اُمّ البنینؑ تاحیات جوان بیٹوں کا مرثیہ پڑھ کر جنت البقیع میں ماتم کرتی رہیں۔

باب ۱۲......

حضرت اُمّ البنینؑ

اور میر انیسؔ کے مرثیے

دنیا میں سوتیلے رشتے بہت بدنام ہیں۔اور ہندوستان تو اس معاملے میں سب سے آگے ہے۔ یہاں تک کہ سوت اور سوتیلے کا نام آجانا ہی دشمنی کا ضامن ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں غلو اور تعصب اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سوتیلی ماں بچوں کے لیے جان بھی دے دے تو دنیا اسے مکر وفریب ہی سمجھتی ہے۔اور سوتیلے بچے کتنی ہی محبت کریں ماں اور اس کے رشتے داران کے خلوص پر یقین نہیں کرتے۔ ادب اور شاعری میں بھی (مستثنیات کو چھوڑ کر) یہی صورت کارفرما نظر آتی ہے۔اس قسم کی باتوں کا جو اثر اور ردِ عمل انسانی فطرت پر پڑتا یا پڑ سکتا ہے۔اس کی طرف شاید ہی کسی کا دھیان جاتا ہو۔

لیکن واقعہ کربلا کی تاریخ شاید ہے کہ یہاں حسینؑ کے سگے اور سوتیلے سبھی رشتہ داروں نے یکساں محبت وخلوص اور جاں نثاری دکھائی۔ سگی بہن زینبؑ اور سوتیلے بھائی عباسؑ کے کردار میں ذرا بھی فرق نظر نہیں آتا بلکہ کہیں کہیں تو عباسؑ کی جاں نثاری اور جاں فروشی زینبؑ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

میر انیسؔ حضرتِ عباسؑ، ان کی والدہ اور بیوی کے کردار سے بہت متاثر ہیں۔ انھوں نے ان سوتیلے رشتہ داروں کی محبت، جاں نثاری، خلوص اور وفا کو بڑی خوبی اور کمال کے ساتھ دکھایا ہے۔ امام حسینؑ کی سوتیلی ماں اُم البنینؑ کا کردار جہاں بھی سامنے آتا ہے دل کو متاثر کرتا ہے وہ عالی ہمت خاتون ہیں۔ خاندانِ رسولؐ سے گہری محبت اور عقیدت رکھتی ہیں جس کا اثر قدرتی طور پر ان کے بیٹوں پر پڑا ہے۔ اس باب میں ہم عباسؑ کی والدہ اُم البنینؑ کا کردار انیسؔ کے کلام کی روشنی میں دکھائیں گے۔

واقعۂ کربلا میں اُم البنینؑ کے چار بیٹوں نے شہادت پائی۔ جن میں سب سے بڑے حضرت عباسؑ تھے جن کی بیوی بچے بھی ساتھ آئے تھے۔ حسینؑ کے ان جانباز بھائیوں کی سیرت میں شاعر ان کی ماں کی سیرت اور کردار کا جلوہ دیکھتا ہے۔ وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ بنتِ پیمبر سیدۃ النساء کے بعد جس عورت سے علی مرتضیٰؑ نے شادی کی اس کے لیے خاندان میں اپنی جگہ بنانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تاریخی روایات میں جو ذرا سی جھلک ان کی نظر آتی ہے اس سے شاعر ان کی پوری شخصیت اور کردار کا اندازہ لگاتا اور اس سادہ سے خاکے میں بڑے دلکش اور شوخ رنگ بھرتا ہے۔

میر انیسؔ کا ایک مشہور مرثیہ ہے:-

عباسؑ علی شیر نیستانِ نجف ہے   تابندۂ دُرِ تاج سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمن و خضرِ بیابانِ نجف ہے   آئینہ روئے مہ کنعانِ نجف ہے

طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اس پہ فدا تھے، وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

مرثیے کو میر انیسؔ نے عباسؑ ابن علیؑ کی پیدائش کے ذکر سے شروع کیا ہے اور ابتدا

ہی میں والدۂ عباسؑ حضرت اُمّ البنینؑ کا ذکر یوں ہوتا ہے:-

جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ رہگیر — یاور تھی زبس مادرِ عباسؑ کی تقدیر

جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں

رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

اگلے ہی بند میں جب وہ حضرت اُمّ البنینؑ کا تعارف کراتے ہیں تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کوئی غیر معمولی صفات کی بی بی ہیں۔ جنھیں فاطمہ زہراؑ سے عقیدت اور حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے گہری محبت ہے۔ اور علی مرتضیٰؑ سے شادی کے بعد جو اہم ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی ہے اس کا پورا احساس ہے۔ یہ بھی سمجھتی ہیں کہ علیؑ کے دل میں جگہ بنانے کا ایک ہی ذریعہ ہے یعنی ان کے بچوں سے پرخلوص محبت اور خدمت۔

دعوائے کنیزی تھا اسے بنتِ نبیؐ سے — تھا اُنس بہت آلِ رسولِؐ عربی سے

مطلب نہ تھا اپنی اسے حاجت طلبی سے — آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے

مصروف وہ فضّہ سے بھی خدمت میں سِوا تھی

سَو جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

حیدر سے کبھی پوچھتی تھی یا شہِ صفدر — دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ

اس بی بی سے فرماتے تھے یوں فاتحِ خیبر — اُلفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر

یہ دونوں دل و جانِ رسولؐ دوسرا تھے

صدقے کبھی اس پر تھے کبھی اس پہ فدا تھے

قدرتی طور پر حضرت اُمّ البنینؑ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو جو دنیا میں کچھ کام کرے اور نام اور شہرت پائے مگر کس طرح؟

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے اِک پسر صاحبِ توقیر میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ

ممتاز غلاموں میں جو ضرغام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

حضرت اُمّ البنینؑ کی مراد برآتی ہے اور نخلِ تمنا بارآور ہوتا ہے:-

اللہ نے بخشا پسر نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رسا نے عباس علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

عباسؑ کے بعد ان کے تین بیٹے اور ہوئے۔ چار بیٹوں کی ماں ہونے ہی کی وجہ سے ان کا لقب اُمّ البنینؑ پڑا تھا۔ اور اس صاحبِ حوصلہ بی بی نے چاروں بیٹوں کی ایسی تربیت کی کہ دنیا کی تاریخ الفت ووفا میں ان کا نام امر ہو گیا۔

عباسؑ اور ان کے بھائیوں نے میدانِ کربلا میں حق کی خاطر اور حسینؑ کی محبت میں جس طرح جانیں فدا کیں اور وفاداری کے جو بے مثال کارنامے انجام دیئے۔ انیسؔ بتاتے ہیں کہ ان کی بنیاد ابتدا ہی سے ماں نے ڈالی تھی۔ کوئی اور ماں ہوتی تو سب سے بڑے بیٹے کی پیدائش کا جشن مناتی اور چاہے منہ سے نہ کہتی مگر دل میں یہ سوچتی کہ وہ بھی اَب کسی سے گھٹ کر نہیں، خود بیٹے والی ہے مگر مادرِ عباسؑ کا کردار ہی اور تھا۔

شبیرؑ کو عباسؑ کی مادر نے بلایا اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا نعلین اُٹھائے گا تمہاری مرا جایا

آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے
مالک ہو تمہیں اور تمھیں مختار ہو اس کے

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہؑ خوشخو یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو

اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو　　کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گلرو

یہ شیر مددگارئ شبیرؑ کرے گا

اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

ماں نے عباسؑ کے دل میں امام حسینؑ کی محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ ایک دن ماں بیٹے کا امتحان لیتی ہے کہ دیکھیں میری تربیت اور تعلیم نے بچے پر کہاں تک اثر ڈالا ہے۔

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا　　ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا

مانی تھی یہ نذر اور تھا اِسی واسطے پالا　　اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا

حق الفت زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا

جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

اب بیٹے کا جواب سنئے:-

خوش ہو کے یہ کی حضرتِ عباسؑ نے تقریر　　یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیرؑ

حاضر ہوں کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر　　لازم نہیں اماں عملِ خیر میں تاخیر

گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا

پر خلق میں ہوئے گا بڑا نام تمہارا

بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ بے وجہ و بلا مقصد مادرِ عباس بیٹے کو زہرا کے پسر پر کیوں نثار کر رہی ہیں مگر یہاں انیسؔ عقیدت و جانثاری کا مظاہرہ کر کے اُم البنینؑ کے جذبۂ ایثار کی عکاسی کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ بیٹے کو علیؑ مرتضٰی کے پاس لے جا کر کہتی ہیں:-

تھا دَین ادا کرنے کا اس کا مرے سر پر

اب اس کو فدا کیجئے زہراؑ کے پسر پر

حضرت اُم البنینؑ فاطمہ زہراؑ کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہتی ہیں۔شوہر یہ سن کر بیٹے سے مخاطب ہوتے ہیں۔

شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباسؑ بتادے مجھے مرضی ہے تری کیا

تو عباسؑ جواب دیتے ہیں:-

میں عاشقِ فرزندِ رسولؐ دوسرا ہوں
سوبار جو زندہ ہوں تو سوبار فدا ہوں

حضرتِ علیؑ جو رسول اکرمؐ سے واقعہ کربلا کی پیشین گوئی سن چکے ہیں۔ یہ سن کر آبدیدہ ہوجاتے ہیں اور آنے والے واقعات کا منظر تصور میں گھوم جاتا ہے:-

رو کر اسداللہ نے دیکھا رخ شبیرؑ جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آگیا حالت ہوئی تغیر یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر

طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمے سے غش آجائے علیؑ کو

عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار صدقے ترے اے دلبر زہراؑ کے مددگار

ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا
شہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا

تاریخ اپنے ورق پلٹنے لگی۔عباسؑ اور ان کے بھائی جوان ہوئے۔علیؑ مرتضٰی نے شہادت پائی، امام حسنؑ کو بھی ظلم وستم کی طاقتوں نے چپکے سے زہر دلوادیا اور روحانی

قیادت امام حسینؑ کے حصے میں آئی۔ لیکن تختِ خلافت پر معاویہ کا قبضہ رہا۔ معاویہ کی موت کے بعد یزید نے اپنے خلیفۂ رسولؐ ہونے کا اعلان کر دیا اور امام حسینؑ سے بیعت طلب کی حسینؑ کے انکار پر ان کے قتل کے درپے ہوا۔ حسینؑ نے مدینے میں عافیت نہ دیکھی توحج کا عزم کیا اور وہاں سے کوفے جانے کا ارادہ، جہاں سے خط پر خط آ رہے تھے کہ آپ آیئے اور ہماری قیادت فرمایئے۔ حسینؑ کی مدینے سے روانگی سے متعلق انیسؔ کے کئی مرثیے ہیں۔ مگر عجب بات ہے کہ ان میں مادرِ عباسؑ کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن جب کربلا میں امام حسینؑ مع اپنے عزیز واحباب کے شہادت پا جاتے ہیں اور سال بھر کے قید و بند اور مصائب اٹھانے کے بعد اہلِ حرم کا لٹا قافلہ مدینے واپس آتا ہے۔ اس وقت کے مرثیوں میں اُمّ البنینؑ کا تذکرہ پھر ملتا ہے۔

اہلِ حرم حسینؑ اور سارے خاندان کو کھو کر آئے ہیں۔ سارا مدینہ گریہ و ماتم سے گونج رہا ہے۔ صغراؑ باپ کی جدائی میں خون رو رہی ہیں۔ خواتین مدینہ سینہ کوبی کر رہی ہیں۔ پیاروں موئی ماں بہنیں تڑپ رہی ہیں۔ مگر مادر عباسؑ کا کیا حال ہے؟ کیا چار کڑیل جوان بیٹوں کی شہادت کی خبر ان کو بدحواس کرنے میں کامیاب ہوئی؟ نہیں۔ ان کو تو یہ فکر ہے کہ ان کے بیٹوں نے اپنے بھائی حسینؑ پر جان قربان کرنے میں کوئی کوتاہی یا دیر تو نہیں کی۔ سب سے زیادہ فکر ہے سب سے لاڈلے بیٹے عباسؑ کی۔ کہیں اس کے لختِ جگر نے ان کی محبت اور وفا پر تو آنچ نہیں آنے دی۔ بیبیوں سے بیٹوں کے مرنے کا ذکر سن کر بے اختیاری کی حالت میں پوچھتی ہیں:۔

میں سن چکی، اتنا تو کہ مارا گیا عباسؑ   مرنا تو یقیں ہو گیا لیکن ہے یہ وسواس
کس وقت تلک جنگ میں بھائی کے رہا پاس   سچ کہہ دو جو کچھ گذری ہے، توڑ دو نہ مری آس
کچھ قاسمؑ و اکبرؑ پہ تو آفت نہیں دیکھی

شبیرؑ کی خیمے سے تو رخصت نہیں دیکھی

ان کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ بیٹا حسینؑ کے ساتھ مارا گیا بلکہ وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ جان یوں دی جائے کہ رہتی دنیا تک اس وفا و محبت کا نام رہ جائے۔ بیٹے سے رخصت کے وقت کی باتیں یاد آ رہی ہیں:-

رخصت کو تھا وہ چلتے ہوئے جس گھڑی آیا　　حق دودھ کا بخشا تا تھا مجھ سے مرا جایا
میں نے اسے یہ کہہ کے تھا چھاتی سے لگایا　　شبیرؑ کے قدموں پہ جو سر تو نے کٹایا
تو دودھ بھی بخشوں گی دُعا بھی تجھے دوں گی
جان اپنی بچائی تو کبھی نام نہ لوں گی

آخری شعر میں ایک بہادر عرب عورت کی شجاعت کس انداز میں بول رہی ہے اُم کلثوم، امام حسینؑ کی چھوٹی بہن جو عباسؑ کو بہت چاہتی تھیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ کو ان کے بیٹوں کی جانثاری اور بہادری کے کارنامے سناتی ہیں اور کہتی ہیں:-

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا　　دودھ اس کو نہ بخشا ہو تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہؑ زہرا کو وہ کیوں کر نہ ہو پیارا　　واللہ سر اس نے قدم شاہ پہ وارا
دکھلائی وہ جانبازی شہہ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو، محمدؐ کو، حسنؑ کو

یہ سن کر مادر عباس بیٹوں پر ماتم کرنے کی جگہ جو عین فطرت انسانی کے مطابق ہوتا سجدۂ شکر بجالاتی ہیں کہ ان کے لیے بیٹوں کا کارنامہ باعثِ فکر و مسرت ہے:-

یہ سنتے ہی بس مادر عباسؑ دلاور　　قبلے کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر

اور دردِ جدائی کی ٹیس دل کے دل ہی میں دفن کر کے یہ باہمت بی بی:-

جب کر چکی سجدہ تو وہ کہنے لگی رو کر　　سب مل کے کرو ماتمِ فرزندِ پیمبرؐ

یہ جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا
اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا

اُمّ البنینؑ ، والدہ حضرتِ عباسؑ کی جھلک اگرچہ مرثیوں میں کہیں کہیں نظر آتی ہے مگر اس کے باوجود انیسؔ نے ان کی کردار نگاری اس خوبی سے کی ہے کہ وہ ایک مثالی ماں ہی نہیں مثالی عورت کے روپ میں ہمارے سامنے آتی ہیں جس کے دل میں اتنی وسعت ہے کہ وہ سوتیلے بچوں پر اپنی سگی اولاد کی خوشی سے قربان کردے اور ایمان و عقیدے کے بل پر دنیا کا سب سے بڑا غم ، غم اولاد اس پامردی سے جھیل جائے۔

(خواتینِ کربلا کلامِ میر انیسؔ کے آئینے میں از صالحہ عابد حسین)

باب ۱۳......

حضرت اُمّ البنینؑ کی بہو

(زوجۂ حضرت عباسؑ)

حضرت عباسؑ کی شادی (مرزا دبیر):

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے دو سال کے بعد ۴۲ھ میں حضرت عباسؑ کی پہلی شادی ہوئی۔ اب حضرت عباسؑ ۱۹ برس کے جوان تھے۔ حضرت اُمّ البنینؑ کے دل میں شادی کی تمنا تو تھی ہی، امام حسینؑ سے کہا:-

سلطانِ دو عالم! کیا اچھا ہوتا اگر میرے نور نظر کا گھر آباد کر دیا جاتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شادی کے انتظامات شروع کر دیئے۔

مدینے میں ایک مومن دیندار فضل ابن شعیب ابن اویس رہتا تھا۔ اس کی دختر ذکیہ کے لیے شادی کا پیغام دیا گیا۔ اور بہ خیر و خوبی حضرت عباسؑ سے ذکیہ بنتِ فضل کی شادی ہوئی۔

مولانا سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے حضرت عباسؑ کی زوجہ کا اسم گرامی ذکیہ تحریر کیا

ہے(ذبح عظیم)

جناب ذکیہ سے تین فرزند تھے۔

(۱) محمد بن عباس (۲) حسن بن عباس (۳) قاسم بن عباس

ابن قتیبہ اور عماد زادہ اصفہانی حضرت عباسؑ کی دو ازواج کے قائل ہیں۔

حضرت عباسؑ کی دوسری شادی لبابہ سے ہوئی۔

مورخین یہ طے نہیں کر پائے کہ لبابہ کس کی بیٹی ہیں۔

عباس بن عبدالمطلب کے دو بیٹے الگ الگ نام کے ہیں۔

۱۔ عبداللہ ابن عباس (جو ابن عباس کے نام سے مشہور ہیں)۔

۲۔ عبیداللہ ابن عباس (حضرت علیؑ کی خلافت میں یمن کے گورنر مقرر ہوئے)

کوئی مورخ لُبابہ کو عبیداللہ کی بیٹی بتاتا ہے اور کوئی مورّخ لبابہ کو عبداللہ ابن عباس کی بیٹی بتاتا ہے۔

ابنِ قتیبہ نے ''کتاب المعارف'' میں لبابہ کو عبداللہ ابن عباس کی دختر لکھا ہے۔

مولانا نجم الحسن کراروی بضد ہیں کہ لُبابہ عبیداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب کی دختر نیک اختر تھیں، جن کی شادی حضرت عباسؑ سے ہوئی۔

ان سے دو فرزند ہوئے۔

۱۔ فضل ابن عباس علمدار۔ ۲۔ عبیداللہ ابن عباس علمدار

یہ دونوں کربلا نہیں آئے تھے۔ مدینے میں رہے۔

حضرت عباسؑ کی نسل عبیداللہ ابن عباس سے قائم رہی۔

تشویش:۔ حضرت علی کے عہد حکومت میں دونوں بھائی عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب اور عبیداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب گورنر کے عہدے پر مامور تھے اور

دونوں نے بیت المال میں خرد بُرد کیا تھا۔ جس کا شکوہ حضرت علی نے اپنے خطوط میں کیا ہے، یہ خطوط نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔ حضرت علیؑ دونوں سے ناراض تھے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اس خاندان کی لڑکی لبابہ سے حضرت عباسؑ علمدار کی شادی کی ہوگی؟

''سیرۃ العباسؑ'' اور ''مودۃ القربیٰ'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب کی بیٹی لبابہ کی شادی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ سے ہوئی تھی''۔

مولانا نجم الحسن کراروی لکھتے ہیں:-

''علامہ سبط ابن جوزی اور علامہ مجدی کا بیان ہے کہ حضرت عباسؑ کی شہادت کے عرصہ دراز کے بعد ان کی بیوی لبابہ کا عقد ثانی حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے زید بن حسنؑ بن علی علیھم السلام سے ہوا اور ان سے ایک لڑکی نفیسہ نامی پیدا ہوئی۔ پھر زید بن حسن کے انتقال کے بعد اُن کا عقد ثالث ایک شخص ولید نامی سے ہوا جس سے قاسم نامی لڑکا پیدا ہوا۔ (ذکر العباس صفحہ ۳۶۶)

مولانا نجم الحسن کراروی نے تحقیق کے بغیر یہ باتیں لکھ دی ہیں۔

پہلی بات یہ کہ لبابہ حضرت عباسؑ کے عقد میں آئی تھیں یا نہیں؟ جبکہ حضرت عباسؑ کی ایک شادی حضرت ذکیہ خاتون سے ہو چکی تھی؟

دوسری بات کیا لُبابہ نام کی ایک ہی عورت تھی ہوسکتا ہے ایک ہی خاندان میں دو لبابہ ہوں ایک عبیداللہ ابن عباسؑ کی بیٹی اور دوسری عبداللہ ابن عباسؑ کی بیٹی ایک لبابہ کبرا اور دوسری لبابہ صغرا ہوں گی۔ ایک کا عقد زید بن امام حسن سے ہوا ہوگا۔

کربلا میں شہید ہونے والے حضرات کی کسی بھی بیوہ نے عقدِ ثانی نہیں کیا۔

لبابہ اگر عبداللہ ابن عباسؓ کی بیٹی ہیں تو وہ کربلا نہیں گئی ہیں اس لیے کہ عبداللہ ابن عباسؓ بن عبدالمطلب نے ۲۸ر رجب ۶۰ھ کو امام حسین سے کہا تھا کہ عراق نہ جایئے اور اگر جا رہے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو نہ لے جایئے۔

لبابہ قافلۂ حسینی کے ساتھ کربلا نہیں گئیں وہ حضرت اُم البنینؑ کی خدمت کے لیے مدینے میں رہ گئی تھیں اور اُن کے دونوں بیٹے فضل اور عبیداللہ ابن عباسؑ علمدار مدینے ہی میں رہے۔

حضرت عباسؑ کی شادی کا حال مرزا دبیر اس طرح بیان کرتے ہیں:-

﴿۱﴾

خط جس گھڑی اُس ماہِ یداللہ نے نکالا
ماں بولی مبارک ہو مرے چاند پہ ہالا
حیدرؑ سے یہ کی عرض کہ اے سیّدِ والا
اب بیاہ کے قابل ہے مری گود کا پالا
نوشاہ علمدار حسینی کو بنا دو
سہرا ہمیں سقائے سکینہؑ کا دکھا دو

﴿۲﴾

آخر تو یہ دنیا میں ہیں کچھ روز کے مہمان
کچھ کچھ تو نکل جائے مرے دل کا بھی ارمان
آیا وہی آج ان کی جوانی کا گلستان
رہ جائے گی حسرت ہی جو کل ہوگیا ویران
کس کو یہ توقع ہے کہ پھولیں گے پھلیں گے
گر جلد خزاں آئی تو ہم ہاتھ ملیں گے

﴿۳﴾

آخر مرے بچے کے لیے بے کفنی ہے
پھر کیوں نہیں پوشاک عروسانہ بنی ہے
گر آج وطن میں ہے تو کل بے وطنی ہے
پھر سر ہے نہ سہرا نہ بنا ہے نہ بنی ہے
کیوں جلد نہ شادی کی تمنا کروں مولا
آجائے ابھی موت تو پھر کیا کروں مولا

﴿۴﴾

جیسا مرا فرزند خوش اطوار ہے صاحب
ایسی ہی دُلہن بھی مجھے درکار ہے صاحب
جو دھوم ہو شادی میں سزاوار ہے صاحب
زہرؑا کے پسر کا یہ علمدار ہے صاحب
گھر بار شبِ عقد لٹا دیجیو والی
سقائے سکینہؑ کی خوشی دیکھیو والی

﴿۵﴾

فرمایا علیؑ نے مجھے دل سے ہے یہ منظور
زینبؑ نے کہا امّاں لو اب تو ہوئیں مسرور
مشّاطہ کو بلواؤ کرو اُس سے یہ مذکور
رقعہ لکھو بی بی جو زمانے کا ہے دستور
مشّاطہ جو یہ خوش خبری پائے گی اماں
سو باتیں ابھی ڈھونڈھ کے لے آئے گی اماں

﴿۶﴾

عباسؑ کو کاغذ دیا مادر نے منگا کے
ہنس کر کہا شرماتے ہو کیا آنکھیں جھکا کے
قسمت سے یہ دن آیا ہے صدقے میں خدا کے
اک دن تھا کہ مکتب میں پڑھا کرتے تھے جا کے
اب اسم نویسی کے سزاوار ہوئے تم
قابل ہوئے عاقل ہوئے ہشیار ہوئے تم

﴿۷﴾

لو لکھو کہ اشراف مدینہ کو ہو معلوم
میں بندہ ہوں عباسؑ غلام شہِ مظلوم
بابا شہِ مردان اسدِ خالق قیوم
اور والدہ ہے خادمۂ زینبؑ و کلثومؑ
احمدؐ کے مدینے میں ولادت لکھو واری
اور کرب و بلا جائے شہادت لکھو واری

﴿۸﴾

لکھنے لگا زانو پہ ورق رکھ کے خوزادہ
ہمرنگ خطِ رُخ وہ بنا کاغذ سادہ
مشاطوں نے انبوہ کیا حد سے زیادہ
کوئی تو سوار آئی وہاں کوئی پیادہ
اک ہاتھ میں رقعہ لیے حیران کھڑی تھی
دولھا کو کوئی دیکھ کے بیہوش پڑی تھی

﴿۹﴾

ہر کوچے میں غل پڑ گیا گھر گھر ہوا چرچا
لو شیر خدا بیٹے کی نسبت کے ہیں جویا
ہر بالغۂ صالحہ کو مثل زلیخا
سو جان سے ہوئی یوسف حیدرؑ کی تمنا
کہتی تھیں مدد چاہیئے اب بخت رسا کی
دیکھیں کہ بہو کون بنے شیرِ خدا کی

﴿۱۰﴾

اب راوی صادق سے یہ ہے وارد اخبار
فضل ابن شعیب ابنِ اویس ایک تھا دیندار
شیخ العرب و فخر تمیم اشجع و کرار
دختر تھی ذکیہ لقب اک اُس کی خوش اطوار
خوش طالع و نیک اختر و فرخندہ لقب تھی
بلقیس حشم حور شیم عاشقِ رب تھی

﴿۱۱﴾

رُخ زاہدِ عفت کے لیے قبلہ نما تھا
دل حاجیِ عصمت کے لیے بیتِ خدا تھا
یا رکنِ رکین حرمِ شرم و حیا تھا
اور سجدے کی معراج کو سر عرش علا تھا
کہتے ہیں صداقت جسے وہ اُس کی زباں تھی
باتوں سے ولا مخبرِ صادق کی عیاں تھی

﴿۱۲﴾

بخشی تھیں خدا نے دو کنیزیں پئے خدمت
جن کا کہ لقب شرع میں ہے زہد و طہارت
جس چار عناصر سے بدن کی ہوئی خلقت
چاروں وہ تھے تقویٰ و ورع صبر و قناعت
منھ لاکھ زبانوں سے ثناخوانِ خدا تھا
تن پنجتن پاک پہ سو جاں سے فدا تھا

﴿۱۳﴾

کھانا جو غذا فاطمہؑ کے فاقے پہ رونا
گریاں کبھی قیدِ اسداللہ پہ ہونا
بانوؑ کے تصور میں کبھی شب کو نہ سونا
گہہ فرقتِ زینبؑ کا غبار اشکوں سے دھونا
مشہور تھی گھر میں وہ کنیز آلِ عبا کی
پر عرش پہ لکھی تھی عزیز آلِ عبا کی

﴿۱۴﴾

اک روز تھے محرابِ عبادت میں یداللہ
آکر یہ ذکیہ کے پدر نے کہا ناگاہ
عباسؑ کو نوشاہ بنانا ہو جو یا شاہ
اس گوہر یکتا سے مجھے رشتے کی ہے چاہ
یہ بات فقط قدر بڑھانے کے لیے ہے
لونڈی مرے گھر ہاتھ دھلانے کے لیے ہے

﴿۱۵﴾

اللہ ری عدالت کہ علیؑ نے کیا اظہار
شبرؑ میں ہے خلقِ حسن احمدِ مختار
شبیرؑ میں مظلومی زہراؑ کے ہیں آثار
عباسؑ میں ہے دبدبۂ حیدرِؑ کرار
سب وصف ہیں الفت ہے مروت ہے وفا ہے
غصہ مرے عباسؑ کا پر قہرِ خدا ہے

﴿۱۶﴾

اور اس سے زیادہ یہ تامل کا سبب ہے
عترت جو مری فخرِ خواتین عرب ہے
ایک ایک کی قسمت میں اسیری کا تعب ہے
یہ تازہ دُلہن قید اگر ہو تو غضب ہے
جب بیس برس گذریں گے رحلت کو علیؑ کی
در در پھرے گی بال کھلے آل نبیؐ کی

﴿۱۷﴾

راضی ہو جو تو اس پہ میں صیغہ کروں جاری
یہ ہے ترا فرزند وہ بیٹی ہے ہماری
ہاتف نے ندا دی وہ ہے اللہ کی پیاری
عباسؑ تمھارا ہے نظر کردۂ باری
یہ دولھا دُلہن چن لیے معبود علا نے
خود عرش کے منبر پہ پڑھا عقد خدا نے

﴿۱۸﴾

اقرار کیا فضل نے خوش ہو کے مکرر
اور ہوئی تاریخ عروسی بھی مقرر
سامان دو جانب ہوا شادی کا برابر
ناگاہ شب عقد کے طالع ہوئے یاور
یوں روز چھپا پردے میں منھ جیسے دلہن کا
سہرا گرا خورشید کے چہرے سے کرن کا

﴿۱۹﴾

وہ شام شبِ عقد نے کی چہرہ نمائی
یا عمر گذشتہ وہ زمانے کی پھر آئی
کی تھی جو محاسن سے سیاہی نے جدائی
ایک مشت ضعیفوں نے وہ اس شام سے پائی
تاروں سے ہوئے دانت عیاں چرخ کہن کے
اس شام نے دن پھیر دیئے اہلِ زمن کے

﴿۲۰﴾

شب آئینہ ماہ دکھاتی ہوئی آئی
اور نُقل ستاروں کی لٹاتی ہوئی آئی
زُہرہ دَفِ شادی کو بجاتی ہوئی آئی
اور قاضیٔ گردوں کو جگاتی ہوئی آئی
نوشاہ کے خلعت کی جو طلعت نظر آئی
سہرا لیے کشتی میں شعاعِ قمر آئی

﴿۲۱﴾

تاروں سے بھری مانگ اُدھر کاہکشاں نے
نوشہ کو سنوارا یہاں نوشاہ کی ماں نے
گرد آکے مبارک کہا ہر خُرد و کلاں نے
دروازے پہ انبوہ کیا پیر و جواں نے
باطن میں براتی ملکِ عرشِ بریں تھے
سر حلقہ مگر حضرتِ جبرئیلِ امیں تھے

﴿۲۲﴾

بیٹے کو چلے بیاہنے حلّال مہمات
بارہ رفقا ہفت پسر شاہ کے تھے سات
ہاتھوں میں جو سبحہ تو زبانوں پہ مناجات
اور نُقل کی شیرینی طبق میں لیے سوغات
باچھیں کھلی جاتی تھیں پیمبرؐ کے وصی کی
شادی تھی علمدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کی

﴿۲۳﴾

مشتاقِ قدم فضل جو تھا راہ گذر میں
خالق کے درِ علم کو وہ لے گیا گھر میں
نوشاہ تھے سر خم کیے پہلوئے پدر میں
داخل ہوا خورشید علیؑ برجِ قمر میں
ابنِ اسداللہ جو حجلے میں در آیا
پھر فضلِ خدا فضل کے گھر میں نظر آیا

﴿۲۴﴾

سب بیبیاں کرنے لگیں چھپ چھپ کے نظارا
بولی کوئی یہ دولھا ہے یا عرش کا تارا
اک نے کہا کیا نامِ خدا چہرہ ہے پیارا
ساس آکے پکاری کہ خوشا بخت ہمارا
کیوں بیبیو ایسا ہی خوش اسلوب تھا یوسف
داماد مرا خوب ہے یا خوب تھا یوسف

﴿۲۵﴾

خوش ہو کے پڑھا عقد شہہِ عقدہ کشا نے
اور نُقل لیے ہاتھ میں فخر دوسرا نے
عباسؑ کے منھ میں جو دیے نُقل کے دانے
ہر نُقل سے کلمہ یہ سُنا شیرِ خدا نے
شبیرؑ سا سادات میں سردار نہ ہوگا
عباسؑ ترے بعد علمدار نہ ہوگا

﴿۲۶﴾

پھر نقل ذکیہ کو کھلانے جو لگے شاہ
بے ساختہ وہ نُقل یہ گویا ہوا واللہ
اُس صاحبِ عصمت کا خوشا رتبہ خوشا جاہ
بے پردہ جو ہو فاطمہ کی آل کے ہمراہ
زینبؑ کے قریب اُس کا تو رسّی میں گلا ہو
اور فاطمہؑ کی روح دعا دے کے فدا ہو

﴿۲۷﴾

اتنے میں سحر آئی بجاتی ہوئی نوبت
اُٹھ اُٹھ گئے مہمان پریشاں ہوئی صحبت
مِل مِل کے دُلہن کنبے سے ہونے لگی رخصت
جو بیٹیوں والے تھے اُنھیں آگئی رقت
دلہن کا محافہ بھی لگا آن کے در سے
اسبابِ جہیزی بھی نکلنے لگا گھر سے

﴿۲۸﴾

دو موزے دو نعلین اور اک بُردِ یمانی
خود و زرہِ مصری و تیغِ صفہانی
اسپِ دوڑکابہ مع سازِ ہمدانی
مشکیزۂ پُرنور بھی اک بھرنے کو پانی
مدت میں یہاں جمع یہ سامان ہوا تھا
عاشور کو اک دم میں پریشان ہوا تھا

﴿۲۹﴾

ناگاہ دُلہن والے پکارے کہ خبردار
لوگو ہٹو حیدرؑ کی بہو ہوتی ہے اسوار
گردان کے دامن حسنؑ آگے بڑھے اک بار
دوڑے شہہِ مظلوم یہ کرتے ہوئے گفتار
ہم پردۂ ناموسِ علمدار کریں گے
بھابھی کو محافے میں ہم اسوار کریں گے

﴿۳۱﴾

کی ترک رہِ آمد و شد پیکِ صبا نے
اور آنکھوں کے پردوں سے کیا پردہ حیا نے
سائے میں ذکیہ کو لیا خیرِنساء نے
لبیک نبیؐ نے کہا سعدیک خدا نے
پر کھول کے روکے سرِ دروازہ ملک نے
منھ پھیر لیا کانپ کے خورشیدِ فلک نے

﴿۳۳﴾

پھر تو نہ پرندہ بھی پھٹکنے وہاں پایا
شہزادوں نے بھاوج کو محافے میں بٹھایا
فریاد فلک نے اسی بی بی کو ستایا
بیوہ کیا قیدی کیا بلوے میں پھرایا
نا محرموں کی فوج تو چو گرد کھڑی تھی
سر ننگے یہ عباسؑ کے لاشے پہ پڑی تھی

﴿۳۴﴾

القصہ دلہن نے کیا گھر دولھا کا روشن
اور ساس کے پاس آئی جھکائے ہوئے گردن
مجرا کیا جب اُس نے کہا بوڑھ سہاگن
زہرؑا کا ترے سر پہ سدا سایۂ دامن
شبیرؑ کی آئی ہوئی عباسؑ پہ آئے
آئی ہو جو تجھ پر وہ تری ساس پہ آئے

﴿۳۵﴾

پھر تھام کے بازو وہ نظر کردۂ باری
لائی اُسے زینبؑ کے حضور اور یہ پکاری
آداب بجا لاؤ یہ زہرؑا کی ہے پیاری
میں ساس ہوں یہ مالک و مختار تمھاری
بانوؑ کو دکھا کر کہا یہ فخرِ عجم ہے
گرد ان کے پھرو بانوئے سلطانِ امم ہے

﴿۳۶﴾

جب نخلِ گلستانِ علیؑ میں ثمر آئے
اور خانۂ امید میں شمس و قمر آئے
عباسؑ کی آغوش میں لعل و گہر آئے
اولاد ہوئی مطلبِ دل سارے بر آئے
پیارے سے علیؑ کے کئی پیارے ہوئے پیدا
گُل سے چمن اور چاند سے تارے ہوئے پیدا
(مرزا دبیرؔ)

مرزا دبیرؔ کے اشعار کی شرح نثر میں درج ہے:-

نامِ خدا عباسؑ جوان ہوئے۔

عباسؑ کے خوبصورت چاند جیسے چہرے پر سبزۂ خط نمودار ہوا، اُمّ البنینؑ نے اٹھارہ برس ہونے پر سبزہ خط دیکھ کر حضرت علیؑ کو مبارک باد پیش کی کہ چاند پر ہالہ نمودار ہوا ہے۔ اور عرض کی کہ اے سیّدِ والا یہ میری گود کا پالا، شادی کے قابل ہو چکا، عباسؑ کو دولھا بنا کر ہمیں بیٹے کا سہرا دکھا دیجئے۔

جوانی کی بہار شباب پر ہے، خدا جانے یہ پھولا پھلا گلستان کب نذرِ خزاں ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں کہ دل کے ارمان نہ نکل سکے۔

عباسؑ کے لیے شادی کی پوشاک شاہانہ ہو، جیسا میرا فرزند ہے دلہن بھی ایسی ہی خوش اطوار ہو، عباسؑ کی شادی میں ہر دھوم دھام بجا ہے کہ یہ فاطمہ زہراؑ کے لال کا علمدار ہے، شبِ عقد گھر بار بھی لٹا دیا جائے تو کم ہے، یہ پیاسی سکینہؑ کا سقّہ ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:-

مجھے یہ دل سے منظور ہے، حضرت زینبؑ نے کہا اماں، یہ تو خوشی کی گھڑی ہے پیغام عقد کا رقعہ لکھا جائے۔

حضرت اُمّ البنینؑ نے کاغذ منگا کر حضرت عباسؑ کو دیا، حضرت عباسؑ نے شرما کر سر جھکا لیا، حضرت اُمّ البنینؑ نے خوش ہو کر کہا، عباسؑ خدا کے کرم سے آج یہ دن خوشی کا قسمت نے دکھایا ہے ابھی ہم کو تمہارا بچپن یاد ہے جب باب العلم علیؑ کی خدمت میں تم مکتب میں پڑھتے تھے۔

اب نام خدا قابل، عاقل اور ہوشمند ہو گئے، لکھو کہ اے اشرافِ مدینہ "میں عباسؑ غلامِ سردارِ جنت ہوں، بابا ہمارے شیرِ خدا شاہ مرداں ہیں، ہماری ماں اُمّ البنین زینبؑ واُمّ کلثوم کی کنیز ہے، عباسؑ لکھو کہ میں مدینے میں پیدا ہوا اور کربلا میں میرا مدفن بنے گا۔

عباسؑ نے زانو پر کاغذ رکھ کر لکھنا شروع کیا، سادہ کاغذ عباسؑ کے سرخ چہرے کی طرح سُرخی مائل ہو گیا۔ خبر عام ہوئی۔

رشتے لے لے کر مدینے کے لوگ آنے لگے عباسؑ کو دیکھ کر لوگ حیران ہو جاتے وہ حُسن نرالا تھا۔

مدینے کے گھر گھر چرچا ہونے لگا کہ شیر خدا اپنے بیٹے کی نسبت کرنا چاہتے ہیں، ہر صالحہ و پاک دامن مثلِ زلیخا چاہِ یوسفِ حیدر میں غرق ہو جانا چاہتی تھی، سب یہی کہتے تھے دیکھیں علی شیر خدا کی بہو کون بنے گی۔

سچے راوی کا بیان ہے:-

قبیلۂ بنی تمیم کا سردار نہایت شجاع و کرّار تھا جس کا نام فضل ابن شعیب ابن اویس تھا وہ دیں دار و زاہد و ابرار تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی ذکیہ جو بہت خوش اطوار خوش طالع، نیک اختر، پاکیزہ، مثلِ بلقیس ملکہ کا وقار اس میں تھا، عبادت گذار و سجدہ گزار تھی۔

عفت و شانِ عصمت میں لاجواب، شرم و حیا میں انتخاب، ولائے آلِ محمدؐ دل میں رکھتی تھی زبان صداقت مآل تھی۔ عابدہ و زاہدہ تھی، زہد و طہارت اس کی کنیزی میں تھے۔ تقویٰ، خوفِ الٰہی، صبر و قناعت چار عناصر سے اس کا خمیر تھا،

ہر وقت حمد خدا بجالاتی اور پنجتن پاک کے ذکر سے زبان کو تر رکھتی تھی۔

حضرت فاطمہؑ کی مصیبت کا ذکر اس کی غذا تھی، اسداللہ کے مصائب پر گریاں ہو جاتی، جناب شہربانو کے تصور میں اور ذکرِ زینبؑ میں شب بیداری کرتی تھی، پورے خاندان میں کنیز آلِ عبا مشہور تھی، لوح پر اس کا نام اہل بیتؑ کے عزیزوں میں درج تھا۔

حضرت علی ایک دن مسجدِ نبوی میں محراب عبادت میں محوِ عبادت تھے، ذکیہ کے والد گرامی فضل ابن شعیب تمیمی وہاں آئے اور حضرت عباسؑ سے رشتے کے خواہش مند ہوئے اور کہا کہ میری قدر بڑھ جائے گی ذکیہ آپ کے گھر کنیز بن کر آئے یہ میرے لیے فخر کی جا ہے۔

مولا علیؑ نے اس سے فرمایا:-

میرا حسنؑ خلق محمدی کا نمونہ ہے، حسینؑ میں فاطمہ زہراؑ کی مظلومی کے آثار نظر آتے ہیں، لیکن میرے عباسؑ میں الفت، محبت، مروّت، وفا کے علاوہ میرا جلال بھی ہے۔ عباسؑ کا جلال قہرِ خدا کا پرتو ہے۔

دوسری بات یہ ہے اے فضل ابنِ شعیب ہمارے انتقال کے بیس برس کے بعد ہمارے اہلِ حرم بے پردہ ہوں گے آلِ رسولؐ کو بال کھلے در در پھرایا جائے گا۔ تجھے یہ منظور ہے کہ زینبؑ واُمِ کلثوم کے ساتھ عباسؑ کی زوجہ بھی قیدی بنے؟

اگر تو اس بات پر راضی ہے تو میں صیغہ عقد جاری کروں، ہاتف نے ندا دی کہ اللہ نے عباسؑ کے لیے ذکیہ کا انتخاب کرلیا ہے، عرش پر دونوں کا عقد ہو چکا ہے۔

فضل ابن شعیب تمیمی نے اس رشتے کو منظور کرلیا، شادی کی تاریخ مقرر ہوئی، دونوں طرف شادی کی تیاریاں دھوم دھام سے ہونے لگیں۔

شبِ عقد آشکار ہوئی۔

دن ایسے چھپ گیا جیسے آنچل میں دلھن کا چہرہ، آفتاب کے سر سے کرنوں کا سہرا گر پڑا، عقد کی شب نے چہرہ نمائی کی، گذری ہوئی گھڑیاں پھر سے واپس آنے لگیں، سیاہی وسفیدی گلے ملے۔ شام کی سیاہی بزرگوں کے محاسن پر سمٹ آئی، تاروں بھرا آسمان ہنس پڑا، اس شام نے اہلِ زمانہ کے دن پھیر دیے۔

شبِ عقد کیا آئی کہ

ماہتاب کا آئینہ دکھاتی ہوئی آئی، ستاروں کے نُقل لٹاتی ہوئی آئی، زُہرہ شادی کا دف بجاتی ہوئی آئی، اور قاضیٔ گردوں کو جگاتی ہوئی آئی، عباسؑ کو نوشاہ بنانے کے لیے خلعت شاہانہ کی طلعت نظر آئی، چاند کی کرنیں سہرا سجا کر لائی تھیں۔

کہکشاں نے آسمان کے تاروں سے ذکیہ کی مانگ بھری، اِدھر حضرت اُم البنینؑ

نے اپنے خوبصورت بیٹے عباسؑ کو نوشاہ بنایا، بنی ہاشم چھوٹے بڑے آکے مبارک باد دینے لگے، علیؑ کے گھر میں خاندانِ رسولؐ کے پیرو جواں کا مجمع تھا۔

آسمان کے فرشتے براتی بن کر آئے تھے، اور اِن براتیوں کے سردار اس وقت جبریل امیں تھے۔

مولا علیؑ، عباسؑ کی برات لے کر دلھن کے گھر چلے، مولا علیؑ کے بارہ صحابی اور سات پسر امام حسنؑ، امام حسینؑ، محمد حنیفہ، محمد اصغرؑ، عون بن علی، یحییٰ ابن علی اور خود حضرت عباسؑ (یہ سات پسر) علیؑ کے ساتھ تھے۔

آیات کی تلاوت و مناجات زبانوں پر تھی، طبق میں نُقل (ایک قسم کی مٹھائی) کی سوغات تھی، حسینؑ کے باوفا علمدار کی شادی تھی اس لیے حیدر کرار بہت خوش تھے، فضل ابن شعیب تمیمی نے برات کا استقبال کیا، درِعلم کو اپنے گھر میں لے گیا، (حضرت عباسؑ) نوشاہ بنے اپنے پدر گرامی کے پہلو میں سرخم کیے ساتھ تھے، عباسؑ قمر تھے اور فضل ابن شعیب کا گھر برجِ شرف بنا ہوا تھا۔

فضل کے گھر میں اسد اللہ کیا آئے کہ فضلِ خدا فضل کے گھر میں نظر آیا۔

خواتین مدینہ نے پردے سے دولھا کی زیارت کی کسی نے کہا یہ دولھا ہے یا عرش کا تارہ ہے، کسی نے کہا دولھا کا چہرہ کتنا پیارا ہے۔

ذکیہ کی ماں نے کہا کہ ہماری قدر آج شبِ قدر ہوگئی، اے بیبیو یہ تو بتاؤ میرا داماد زیادہ خوبصورت ہے یا یوسف زیادہ خوبصورت تھے۔

مولا علیؑ نے عقد پڑھا۔

عقد کے بعد شیرینی تقسیم ہوئی، عباسؑ کو علیؑ نے اپنے ہاتھ سے شیرینی (نُقل) کھلائی ہر نُقل کے دانے سے یہ صدا آتی تھی، حسینؑ سا سردار اب سادات میں نہ ہوگا

اور اے عباسؑ اب تیرے بعد دنیا میں کوئی علمدار نہ ہوگا، مولا علیؑ نے دولھن (ذکیہ بی بی) کو بھی نُقل کے دانے کھلائے، اس وقت صدا آئی کہ دلہن بہت خوش قسمت ہے اس کا پردہ فاطمہؑ کی بیٹیوں کا پردہ ہے۔ اس کی چادر بھی زینبؑ کی چادر کے ساتھ لُٹے گی اور بازو میں زینبؑ کے ساتھ رسن بندھے گی، روح فاطمہ زہراؑ دعا بھی دے رہی تھی اور گریاں کُناں بھی تھی۔

شادی کی شب گذری، تاروں کی چھاؤں میں صبح نوبت بجاتی آئی، مہمان رخصت ہونے لگے، دولھن اپنے خاندان والوں کے گلے مل کے رخصت ہونے لگی،

ذکیہ کے گھر والے بیٹی کی رخصت پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، دولھن کا محافہ (پالکی) در پر لا کر رکھا دیا گیا، جہیز گھر سے نکلنے لگا، جہیز میں ایک یمنی چادر، نعلین اور موزے، ایک خود، مصری زرہ، ایک اصفہانی تلوار عباسؑ کو سلامی میں ملی، ایک اسپ دُو رکابہ سجا ہوا مع ساز، ایک مشکیزہ پانی بھرنے کے لیے۔ ذکیہ کے گھر والوں نے مدت میں یہ سامان جمع کیا تھا،

ہائے کربلا میں دم بھر میں سب کچھ لُٹ گیا۔

ناگاہ دولھن کے گھر والوں نے صدا دی کہ لوگو خبردار!

حیدرؑ کرار کی بہو سوار ہو رہی ہے، اس صدا پر امام حسنؑ بھی کمر بستہ ہو گئے اور امام حسینؑ بھی بہ نفسِ نفیس کھڑے ہو گئے اور پکار کر کہا۔

ہم عباسؑ کی ناموس کا پردہ کریں گے اور بھاوج کو محافے (پالکی) میں ہم سوار کریں گے۔

ہوا نے راہ روک دی، حیا نے آنکھوں کے پردے سے پردہ لے کر تھام لیا، فاطمہ زہراؑ جنت سے آئیں اور عباسؑ کی دولھن ذکیہ کو اپنے سائے میں لے لیا حضرت رسولؐ

خدا نے لبیک کہا اور اللہ نے سعدیک کہا،

فرشتوں نے اپنے پروں کا سایا کیا، سورج نے کانپ کر اپنا منہ پھیر لیا۔

سواری کے وقت پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا، شہزادوں نے بھاوج کو محافے میں بٹھایا، اے فلک دیکھ یہ ہے زوجۂ عباسؑ ذکیہ، اشقیا نے اس کے (شوہر) والی کو فرات کے کنارے قتل کر کے ذکیہ کو بیوہ بنا دیا، قیدی بنا کر بلوے میں پھرایا، کربلا میں یہی بی بی فوجِ یزید کے نرغے میں اپنے والی و سرتاج عباسؑ کے لاشے پر سر ننگے کھڑی رسول اللہؐ سے فریاد کر رہی تھی۔

دولھن رخصت ہو کر علیؑ کے گھر آئی اُمّ البنین کا گھر روشن ہو گیا، دولھن مادرِ عباسؑ کے پاس سر جھکا کر سلامی کو آئی، ماں نے دعا دی۔

''سدا سہاگن رہو''

تمہارے سر پر ہمیشہ چادرِ زہراؑ کا سایہ رہے۔

اُمّ البنینؑ نے بہو کی بلائیں لے کر دعائیں دیں، بہو کا ہاتھ تھام کر اُمّ البنینؑ ذکیہ کو حضرت زینبؑ کی خدمت میں لائیں۔ اور کہا سلام کرو یہ ثانیٔ زہراؑ ہیں، یہی تمہاری مالک و مختار ہیں، پھر حضرت شہر بانو کی خدمت میں لائیں اور کہا یہ فخرِ عجم ہیں، یہ بانوئے سلطان اُمم ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد

علیؑ کے باغ کے شجر میں ثمر آنے لگے خانۂ امید میں شمس و قمر آئے،

عباسؑ کی آغوش میں لعل و گہر آئے۔

عباسؑ صاحبِ اولاد ہو گئے،

علیؑ کے پیارے سے عباسؑ کے کئی پیارے پیدا ہوئے، گل سے چمن اور چاند سے

تارے پیدا ہوئے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی بہو زوجۂ حضرت عباسؑ: (کلامِ میر انیسؔ کی روشنی میں)

ان سوتیلے رشتوں میں دوسرا اہم اور بڑا ہی دلکش و حسین کردار ان ہی اُمّ البنین کی بہو حضرت عباسؑ کی بیوی کا ہے۔ جن کا نام بعض روایات میں ذکیہ بیان کیا جاتا ہے۔ مگر انیسؔ نے ان کا تذکرہ زوجۂ عباسؑ یا عباسؑ کی بیوی کہہ کر کیا ہے۔ (صالحہ عابد حسین)

عباسؑ واقعہ کربلا کے وہ محبوب ولی ہیں جن کی محبت و وفا، بہادری و جانبازی کی داستان چودہ[۱۴] صدیوں سے دہرائی جا رہی ہے۔ انیسؔ کو حضرتِ عباسؑ سے محض عقیدت ہی نہیں بے حد محبت بھی ہے۔ وہ جہاں بھی ان کا ذکر کرتے ہیں (اور کہاں نہیں کرتے) اس طرح کہ پڑھنے والا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جو مرثیے انھوں نے خاص طور پر ان سے متعلق کہے ہیں وہاں تو قلم توڑ دیا ہے۔ امام حسینؑ کے لاڈلے بھائی عباسؑ ابن علیؑ کی سیرت کی ایسی مرقع کشی کرتے ہیں کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے۔ ان کی بیوی کا کردار بھی ان مرثیوں کا ایک اہم جز ہے اور ایسے شوہر کی سچی رفیق حیات کیسی ہونی چاہیئے۔ یہ کوئی انیسؔ کے یہاں دیکھے۔ اس کی فطری نیکی اور شرافت، اور پھر ایک ایسے شوہر کی رفاقت نے اس میں کچھ ایسے جوہر پیدا کر دیئے ہیں جو انسانیت کی جان اور نسوانیت کی آن ہیں۔ اسے اپنے شوہر اور اس کے خاندان پر فخر ہے۔ حسینؑ سے گہری عقیدت اور ان کے بچوں سے دلی محبت ہے۔ نندوں کا احترام کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی دل میں اس بلند مقصد کی لگن بھی ہے۔ جس کے لیے قربانی دینے امام حسینؑ کربلا میں آئے۔ اور اس کا ثبوت وہ اپنے محبوب شوہر کو اس مقصد پر جان دینے کی رضا دے کر کرتی ہے۔ اصلیت اور مثالیت کے رنگ اس کردار میں اس حسن و تناسب کے ساتھ

بھرے ہیں کہ وہ دل میں اُتر تا چلا جاتا ہے۔

انیسؔ کے کلام میں پہلی بار زوجۂ عباسؑ کی جھلک اس وقت نظر آتی ہے، جب ۲ محرم کو امام حسینؑ کا قافلہ کربلا کے میدان میں پڑاوڈالنے والا ہے اور عباسؑ اس کا اہتمام کر رہے ہیں۔ یکا یک شام کی فوجیں نمودار ہوتی ہیں اور انھیں نہر کے کنارے خیمے نصب کرنے سے روکتی ہیں بہادر عباسؑ کو جلال آجاتا ہے وہ اور ان کے ساتھی مقابلے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن امام حسینؑ ان کو روک دیتے ہیں اور بڑی مشکل سے انہیں سمجھا بجھا کر ہٹاتے اور صحرائے کربلا میں خیمے نصب کرنے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ بہنیں، بھاوجیں، ان کی سلامتی سے واپسی کا شکریہ ادا کر رہی ہیں۔ رائے زنی ہو رہی ہے کہ:-

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش بیان　　غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیر الٰہی کی آن بان　　یہ جان کو بھلا بھی سمجھے ہیں اپنی جان
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں
(مراثی انیسؔ، جلد چہارم صفحہ ۵۲)

''خوش بیان'' کہہ کر انیسؔ پہلے ہی اس کردار کا تعارف کرا دیتے ہیں کہ اور صفات کے ساتھ ساتھ اس میں عرب کی فصاحت بھی موجود ہے۔ اس کے بعد مصرعوں کی اٹھان دیکھیے۔ ''غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان'' مگر کیسا غصہ؟ جو حق کی خاطر آتا ہے۔ ظلم و ناانصافی کے خلاف آتا ہے۔ اور پھر ''ہر بات میں ہے شیر الٰہی کی آن بان'' کس خوبی سے خسر اور شوہر پر فخر کا اظہار کرتی ہیں اور آخر میں:-

''یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں''

اس لافانی محبت کی جو دونوں بھائیوں میں ہے۔ چند لفظوں میں بیان کر جاتی

ہیں۔ واقعات آگے بڑھتے ہیں۔ دشمن کی فوج کا دریا پر قبضہ ہو جاتا ہے۔ حسینی فوج پر کھانا اور پانی لانے کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ عباسؑ فوج کے سردار ہیں۔ اس لیے سب سے زیادہ فکر مند اور مصروف ہیں۔

یہاں تک کہ دس محرم کی قیادت خیز صبح نمودار ہوتی ہے۔ دشمن کی فوج میں طبلِ جنگ بجنے لگتا ہے۔ امام حسینؑ کی فوج کے گنتی کے سوار بھی ہتھیار سج کر مقابلے کے لیے تیار ہین۔ اب خیمے میں امام حسینؑ کے حکم سے علم نکالا جاتا ہے وہی علم جو محمد مصطفٰےؐ کا علم تھا جس کے پہلے علمبردار جعفر طیّار تھے، جو اس علم کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہوئے تھے۔ دوسرے علی مرتضیٰؑ، جس پرچم کو بلند کر کے آپ نے بدر و حنین، خندق و خیبر کی لڑائیاں سر کی تھیں۔ اس کا علم ملنا بہت بڑا اعزاز تھا اور ساتھ ہی بہت بڑی ذمہ داری بھی۔ آج حسینؑ یہ ذمہ داری کس کو سونپتے ہیں۔ ہر بہادر کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا ہے۔ امام حسینؑ کے بھانجے عون اور محمد، علیؑ کے نواسے اور جعفر طیّار کے پوتے اور بقول انیسؔ کے سب سے بڑا حقدار اپنے کو سمجھتے ہیں۔ زوجۂ عباسؑ کو تمنا ہے کہ یہ اعزاز ان کے شوہر کو نصیب ہو۔ علم نکلتا ہے۔ عورتیں علم کو دیکھ کر رونے لگتی ہیں۔ آج اس علم کے زیرِ سایہ حق و باطل کی جنگ ہوگی، کون زندہ رہے گا؟ کون شہادت پائے گا؟ یہ خدا جانے۔ دیکھئے عورتوں کی آپس کی باتیں اور باتوں باتوں میں دل کی بات کہہ جانے کا کتنا خوبصورت اور قدرتی انداز ہے:-

عباسؑ کی زوجہ یہ بیاں کرتی تھیں رو رو — کیو صاحبو دیکھیں یہ علم ملتا ہے کس کو
زینبؑ کے پسر عمر میں چھوٹے ہیں ابھی تو — ہم شکل نبیؐ کے ہیں علی اکبرِ خوشگو
خادم شہ دیں کے ہیں تو عباس علیؑ ہیں
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

ذرا دلیلوں پر غور کیجیے، زینبؑ کے بیٹے کم سن ہیں۔ علی اکبر کا رتبہ تو بہت ہے کہ ہمشکل رسولؐ ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کو اتنی خطرے والی ذمہ داری نہیں ملنی چاہیئے بس حسینؑ کے خادم عباسؑ ہی تو رہ جاتے ہیں اور انھیں کو اصل میں یہ عہدہ ملنا چاہیئے۔

اور جب یہ خوشخبری ملتی ہے کہ علم کا عہدہ انھیں کے ذی مرتب شوہر کو ملا ہے تو مسرت اور شکر گذاری کا جذبہ دیکھنے کے قابل ہے:-

مژدہ یہ سنا زوجۂ عباسؑ نے جس دم　　منہ سرخ خوشی سے ہوا تشویش ہوئی کم

بولی کہ بڑی فکر تھی پر اب نہیں کچھ غم　　قربان تمھارے میں شہنشاہِ دو عالم

مخدومۂ کونین کے جانی کے تصدّق

مولا میں تری تشنہ دہانی کے تصدّق

انکسار اور عاجزی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ مگر یہ چھپا ہوا احساس بات بات میں موجود ہے کہ دونوں کے رتبوں اور محبت سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ انداز گفتگو میں عورتوں کے روزمرہ کا اس طرح خیال رکھا گیا ہے کہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ذکر کس کا ہو رہا ہے۔ دیکھیے نمونہ:-

کیوں کر نہ ہو اس بھائی کو ہے گود میں پالا　　نعلین اُٹھانے لگے جب ہوش سنبھالا

(انداز بتا دیتا ہے کہ نعلین اٹھانے والا چھوٹا بھائی ہے)۔

نام اپنا ہے خادم کا جو رتبہ ہوا بالا　　سب ملتے ہیں، ملتا ہے کہاں چاہنے والا

توقیر جوان کی ہے تو نامِ شہ دیں ہے

جانیں گے یہی سب کہ غلام شہ دیں ہے

لہجے کی روانی اور بیان کی فصاحت، دلیلوں کا زور اور پھر اس پر فصیح اندازِ بیان:-

کونین میں والی کو مرے کر دیا ممتاز　　عزت وہ نہ دیویں تو کرے کون سرافراز

ہے دلبرِ زہرا کی محبت پہ انھیں ناز　　وہ شمع ہدایت ہے یہ پروانۂ جاں باز

شمشیر کے شعلے سے نہ ٹل جائے گا عباسؑ

آنچ آئے گی آقا پہ تو جل جائے گا عباسؑ

مگر باتیں کرتے کرتے جیسے ایک دم خیال آیا کوئی یہ سمجھے کہ شاید شوہر کی طرف داری یا بڑائی کی جا رہی ہے:-

شوہر کی میں خاطر سے یہ کرتی نہیں گفتار　　عباسؑ سا دنیا میں نہ ہوئے گا وفادار

عباسؑ کی وفاداری کی دلیل میں وہ بات منہ سے نکل جاتی ہے جس کو چھپانے کی شوہر نے تاکید کی تھی۔ روایت ہے کہ شمر نے حضرت عباسؑ کو بہکانے کی بہت کوشش کی۔ ان کو پیش کش کی کہ اگر وہ حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیں تو یزیدی لشکر کا سپہ سالار بنا دیں گے۔ شوہر یا محبوب کی قربانی وایثار پر زوجہ کو خود تو خیر فخر ہوتا ہی ہے مگر دوسروں کو بھی جتلانا چاہتی ہے۔

بھڑکانے کے درپے ہی رہا شمرِ ستمگار　　سالارِ لشکر کے پیام آئے کئی بار

جھنجھلا کے وہ کہتے تھے کہ مرجانے کی جا ہے

تلوار کے بھی زخم سے زخم سوا ہے

منصب مرا مرجانا ہے اور خلد کی جاگیر　　دنیا کے لیے چھوڑ دیں ہم دامنِ شبیرؑ

کیا قہر ہے کیوں کر نہ مجھے رنج و تعب ہو

سن لیویں کہیں قبلۂ عالم تو غضب ہو

اس رات تلک مجھ سے یہی کہتے تھے ہر بار　　صاحب یہ دُعا مانگو کہ اے کل کے مددگار

عباسؑ کو لشکر کا علم دیں شہِ ابرار

حسرت ہے کہ جب سامنے افواجِ ستم ہو

اس دوش پہ تلوار ہو اور اس پہ علم ہو

پھر یہ کہنا کہ ''میں کہتی تھی کیوں شاہ سے کرتے نہیں مذکور'' تو شوہر کے منہ سے عالی مرتبت بھائی کے درجے کا اقرار یوں کراتی ہیں:-

تھرا کے وہ کہتے تھے یہ میرا نہیں مقدور   میں ذرہ ہوں وہ مہر ہیں میں خاک ہوں وہ نور

اور پھر خوشی سے بے حال ہوکر کہہ اُٹھتی ہیں:-

سامان تو خالق نے کیے سارے خوشی کے
پھولے نہ سماویں گے وہ اب مارے خوشی کے

میر انیس نے ایک اور مرثیے میں علم ملنے کے بعد زوجۂ عباسؑ کے جذبات و کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

یہ سن کر آئی زوجۂ عباسؑ نامور   شوہر کے سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبط مصطفےٰؐ کی بلائیں بچشمِ تر   زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی ، رتبہ غلام کا
سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا   تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا

''مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے'' خاندانی تہذیب میں اس سے بڑھ کر کوئی دُعا ایک عورت دوسری عورت کو نہیں دے سکتی۔

زوجۂ عباسؑ کا جذبۂ ایثار تشکر و مسرت بے پناہ ہے۔ حضرت زینبؑ سے جو باتیں کرتی ہیں اس میں حضرت اُمّ البنینؑ کا ذکر بھی آتا ہے۔ وطن واپس جانے کی دُعا بھی ہے اور علی اکبرؑ کے بیاہ کی تمنا اور دعائیں بھی:-

قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو لے کے جائے

یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے

اُمّ البنینؑ جاہ و حشم سے پسر کو پائے

جلدی شبِ عروسیِ اکبرؑ خدا دکھائے

مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں

لاؤ دُلھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

زوجۂ عباسؑ عرب کی بہادر عورت ہیں جو مقصد اور آن پر ہنستے کھیلتے اپنی عزیز ترین ہستیوں کو قربان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں اور اس کا مظاہرہ زوجہ عباسؑ روز عاشورہ وقتِ ظہر کرتی ہے۔ حسینؑ کے سب یاور و انصار اور بہت سے عزیز شہادت پا چکے ہیں اور اب فوج حسینؑ کے علمبردار، عباسؑ، علی اکبرؑ، اور سردارِ فوج حسینؑ کے سوا اور کوئی باقی نہیں۔ عباسؑ جو صبح سے مرنے پر کمر بستہ ہیں اور اجازت نہیں ملتی اب مزید تاخیر برداشت نہیں کر پاتے اور جب بھائی سے رضا نہیں ملتی تو بہن اور بھاوج سے سفارش کرانے خیمے میں جاتے ہیں۔ شہر بانو زوجۂ امام حسین عذر کرتی ہیں۔ بھلا میں کیسے حسینؑ سے یہ کہوں کہ عباسؑ کو رضا دو۔ وہ یہ نہ کہیں گے:-

بانو نے مرتضیٰؑ کی کمائی کو کھو دیا بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

عباسؑ بڑی بہن زینبؑ سے مدد کے طالب ہوتے ہیں تو وہ بھی بھاوج کی ہم نوائی کرتی ہیں:-

پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا

موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

زینبؑ چھوٹے بھائی کو بھی بہت چاہتی ہیں۔ بڑی قدر کرتی ہیں۔ مگر حسینؑ صرف پیارے بھائی ہی نہیں بلکہ وہ انھیں اسلام کی سلامتی کا ضامن سمجھنے کی وجہ سے ان سے

گہری عقیدت بھی رکھتی ہیں۔ اور اسی لیے ان کی جان کی فکر سب سے زیادہ ہے۔ کوئی عام مزاج کی عورت ہوتی تو کڑھ کے رہ جاتی کہ نند کو سگے بھائی کی فکر ہے۔ میرے شوہر کی نہیں۔ مگر وہ عالی ظرف بی بی ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی:-

کہنے لگی یہ زوجہ عباسؑ خوش صفات　　　واری بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لے کے گر یہ نہ جائیں سوئے فرات　　　پھر ننھے ننھے بچوں کی ہو کس طرح حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گارِ خیر ہوں
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

(مراثی انیس جلد چہارم صفحہ ۱۶۲)

آخری مصرعے کی بلاغت پر غور کیجئے۔ یہ خالص ادبی تہذیب کا لب ولہجہ ہے۔ جو جانتے ہوئے بھی کہ اس سے زیادہ حقدار اس سے زیادہ چاہنے والا نہ ہے نہ ہوسکتا ہے۔ وہ مروت اور لاج کی وجہ سے یہی کہتی ہیں۔ ''میں تو غیر ہوں''۔ لیکن جب شوہر کو جنگ پر جانے کی رضا مل جاتی ہے:-

دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے

حالت یہ تھی کہ:-

چہرا تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر　　　مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے، نے بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

لیکن دلِ بیقرار کسی طرح چین نہیں لینے دیتا۔ دل کہتا ہے تیرا درد سب سے زیادہ امام حسینؑ کی بیوی سمجھ سکتی ہیں کہ وہی مصیبت انھیں بھی درپیش ہے۔ شوہر کو موت کے سفر پر جاتے دیکھ کر چاہنے والی بیوی کی کیا حالت ہوتی ہے:-

کہتی ہے روکے بانوئے عالم سے بار بار　　ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسِ نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار　　کچھ آپ بولتی نہیں میں آپ کے نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

مگر وہ کیا بولیں کہ صبح سے دیکھ رہی ہیں کہ جو جاں نثار اس راہ پر گیا واپس نہ آیا۔ ان کو خاموش پا کر بے قراری میں پکار اُٹھتی ہے:-

اکبرؑ کا واسطہ کوئی تدبیر کیجئے　　امداد بہر حضرتِ شبیرؑ کیجئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجئے　　پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجئے

کیا غضب کی مصوری ہے۔ دیکھئے وہ تو پٹکا بھی باندھنے لگے اب دیر کی تو غضب ہو جائے گا۔ مگر اس بے قراری میں بھی یہ احساس باقی ہے کہ ایسے وقت میں اس کی یہ تڑپ بے جا ہے۔ معذرت کا انداز دیکھ کر دل لرز جاتا ہے۔

اب دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

اپنی الفت و محبت کا تذکرہ کرتی ہیں مگر یہ کہہ کر کہ میرے بچے بھی ننھے ننھے سے ہیں وہ سب کچھ کہہ جاتی ہے جو ایسے وقت عورت کہہ سکتی ہے۔

عباسؑ بہادر ہیں، جاں نثار ہیں۔ مرنے پر کمر کس چکے ہیں۔ اور اس مقصد پر جان دینا دونوں جہان کی سعادت جانتے ہیں۔ مگر انسان ہیں، دل میں بیوی کی محبت، بچوں کی الفت بھی تو موجزن ہے:-

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار　　ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار　　شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبرِ زہراؑ کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

بیوی کو بھی سمجھایا جا رہا ہے۔ اس اعلیٰ مقصد کو بھی یاد دلا رہے ہیں۔ جس کی خاطر جامِ شہادت پینا ہے:-

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا   روتی ہو تم، تو روتا ہے فرزندِ مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا   شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا

ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے، تمھارا بھی نام ہے

''میری آبرو'' اور ''تمہارا نام'' یعنی دنیا تمھیں کو سراہے گی کہ کیسی صاحبِ ہمت بی بی تھی کہ کسی بات کی پرواہ نہ کی اور شوہر کو نواسۂ رسولؐ پر قربان کر دیا۔ چاہنے والے شوہر کے دل پر اس وقت جو گذر رہی ہے اور جس طرح دلداری کی جا رہی ہے اس کا پروقار اور دل گداز انداز دیکھئے۔

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال   دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کچھ بھی خیال   قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال

غم چاہیئے نہ آہ و بکا چاہیئے تمھیں
شہؑ کی سلامتی کی دعا چاہیئے تمھیں

گھبرا جاتے ہیں کہ کہیں امام بھاوج کو روتے نہ دیکھ لیں:-

کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام   ہم ہاتھ جوڑتے ہیں، یہ ہے صبر کا کام

پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کو رنڈاپا قبول ہے

بھتیجی کی مصیبت اور صبر کی تعریف کر کے بیوی کے سامنے مثال پیش کی جاتی ہے:-

قاسمؑ کو دیکھو جانب کبریٰ کرو نگاہ　　گذری جو شب تو صبح کو گھر ہوگیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ　　کیا صابرہ ہے دخترِ شبیرؑ واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں　　ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دھواں　　اُف کچھ نہ منھ سے، جو پہنچے لبوں پہ جاں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا کام کر گئی

آخری مصرعہ سارے بیان کی جان ہے۔ تم علیؑ کی بہو ہو، اس مجاہد کی جس نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا تھا۔ تمھیں اس عظیم شخصیت کی بہو ہونے کے قابل بننا ہے کہ دنیا پہچان لے کہ یہ علیؑ کی بہو ہے۔ بڑے عزم اور حوصلے کی عورت۔ چھوٹی ہونے کے باوجود دنیا میں وہ کام کر گئی جو بڑوں بڑوں کے بس کا نہیں ہوتا۔

زوجۂ عباسؑ کی یہ بے قراری بہ تقاضائے بشری تھی۔ ورنہ وہ تو پہلے ہی سے شوہر کو مرنے کی رضا دے چکی تھی:-

شوہر نے یہ کلام کیے جب بچشم تر
چپ ہوگئی وہ صاحب ہمت جھکا کے سر

ایک اور موقع پر حضرت عباسؑ بیوی کو سمجھاتے وقت اپنی ماں حضرت اُمّ البنینؑ کا ذکر کر کے گویا ان کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ دیکھو میری ماں کیسی صاحب عزم ہے کہ اس

نے بیٹوں کو اس عظیم مقصد پر قربان کرنے بھیجا ہے۔

جاؤ جو وطن دیجیو اماں کو یہ پیغام ‏ ‏ جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
کاندھے پہ اُٹھایا علمِ لشکرِ اسلام ‏ ‏ سقّائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام

عباسؑ میدان جنگ کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں اور ہزاروں دشمنوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ انیسؔ وہ روایت پھر یہاں بیان کرتے ہیں کہ شمر یزیدی فوج کا سپہ سالار عباس ابن علیؑ کو بہکانے اور لالچ دے کر اپنی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ سن کر عباسؑ رنج و غصے سے بے حال ہو جاتے تھے۔

سر تا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ ‏ ‏ فرمایا زباں بند کر او ظالمِ بے پیر
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں اور اہلِ وفا ہوں
سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جدا ہوں

اور حقارت سے اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں:-

خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالمِ بے پیر ‏ ‏ یا حلّہ فردوس ہے یا دامنِ شبیرؑ
مختار ہیں کوثر کے ہماری ہے یہ توقیر ‏ ‏ منصب ہے غلامیِ شہ اور خُلد ہے جاگیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
واں دولتِ دنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے

فوجِ کفار یہاں عباسؑ بن علیؑ کو بہکانے میں ناکام رہی تو دوسری چال چلتی ہے اور امام حسینؑ کو غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک شخص خیمے کے قریب آ کر چلاتا ہے:-

اس فوج میں عباسؑ امیر عرب آیا
عباسِؑ علمدار ہماری طرف آیا

امام حسینؑ پر تو اپنے بھائی کی سیرت آئینے کی طرح روشن تھی۔ وہ لشکر یزید کی منافقت کی اس بات پر ایک لمحے کے لیے بھی دھیان نہیں دے سکتے تھے:-

اکبر سے یہ بولا پسر مخبر صادق کافر ہیں، جفاکار ہیں، مفسد ہیں یہ فاسق
یہ بات نہیں رتبہ عباسؑ کے لائق وہ ہے مرا شیدا، مرا یاور، مرا عاشق

لیکن اہلِ حرم کے خیمے میں یہ خبر دوسری طرح پہنچتی ہے۔ وہاں بھی حضرت زینبؑ فوراً کہتی ہیں کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ زوجۂ عباسؑ اہلحرم کو گھبرایا اور پریشان دیکھ کر سمجھتی ہیں کہ شاید عباسؑ نے شہادت پائی۔ ایک ایک سے گھبرا گھبرا کر ان کی خیریت پوچھتی ہیں۔ سب بیبیاں خاموش رہتی ہیں مگر کم سن سکینہ یہ سبب کیا جانے؟

اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا عباسؑ ملا ہم سے، شہ دیں ہوئے تنہا

وہ رات ہی شوہر کے منہ سے اعدا کا پیغام سن چکی ہیں، مگر سعادت اور شرف یقین میں ذرا سا شک پیدا نہیں ہونے دیتیں۔ بھائی کو بھائی سے جو محبت ہے اس سے وہ خوب واقف ہیں۔

عباسؑ پھرے شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے
میں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلامِ شہ ابرار
سردار پہ کل ہوگا تصدق یہ علمدار کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اس کا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمھارا بھی شرف ہے

مگر دل میں نہ جانے کیسی ہوک اٹھ رہی تھی، کنبے کی نظر میں سبک ہونے کے خیال سے کلیجہ بیٹھا جا رہا تھا:-

اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ وہ مضطر اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر

رُخ زرد تھا، دل کانپتا تھا سینے کے اندر   دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے سرور

یہ وسواس اور خوف بالکل فطری بات ہے، لاکھ یقین اور بھروسہ ہو مگر انسان کیا کہہ سکتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ عرب کی غیرت دار بیٹی کا یہ جذبہ دیکھئے:۔

یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہوگئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہوگئے عباسؑ

بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے   کیا وجہ جو گھر میں نہ شہِ بحر و بر آئے
شمرِ ستم آرا کی نہ اُمید بر آئے   آپ آئیں و یا مشک و علم خون میں تر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہ ہر دوسرا کا
شہرہ ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا

اَب رنڈاپے کی فکر نہیں۔ بچوں کی یتیمی کا دھیان نہیں، شوہر کی محبت اور جدائی کا احساس نہیں، دردِ فراق کی ٹیس نہیں۔ اب تو آن پر آ بنی ہے۔ دل کا حال کس سے کہیں؟ بیٹا کم سن سہی مگر ہے تو ان کا اپنا بیٹا بلا کر کہتی ہیں:۔

دیکھ آؤ کہ لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہوں میں بیکس و ناچار   کہتے ہیں عدو، پھر گیا بھائی سے علمدار

جانتی ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے مگر غصہ اس پر ہے کہ آخر انھوں نے دشمن سے بات ہی کیوں کی۔ ان دو شعروں کو پڑھئے۔ رفاقت، محبت، اعتماد اور بھروسے، شکوہ شکایت کی کتنی داستانیں اس میں چھپی ہیں:۔

صدقے گئی کہیو مری جانب سے بہ تکرار   کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے، مردودِ خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

بہادر باپ اور صاحبِ غیرت ماں کا بچہ میدانِ جنگ میں جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پھوپھی زینبؑ بیقرار ہو کر بھاوج سے کہتی ہیں:-

عباسؑ کی ہے خیر، عبث روتی ہو بی بی — بچے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہو بی بی

مگر بچہ کس ماں کا بچہ ہے:-

کہتا تھا وہ معصوم لیے ہاتھ میں تلوار — کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکرِ کفّار
رکھتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں انھیں جا کر

خاندانی محبت کا یہ منظر کتنا پُر اثر ہے:-

آنکھوں میں بھرے اشک وہ کرتا تھا یہ تقریر — لیتی تھی بلائیں شہِ دلگیر کی ہمشیر
منہ چوم کے فرماتی تھیں یہ بانوئے دلگیر — صدقے تری جرأت کے میں اے صاحبِ شمشیر
تہمت کوئی رکھ سکتا ہے بابا پہ تمھارے
یہ مکر و فریب اہلِ شقاوت کے ہیں سارے

ناگاہ میدان جنگ میں شور بلند ہوتا ہے:-

لو غیض میں فرزندِ امیرِ عرب آیا — تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا

اور یہ سنتے ہی بیوی کا دل، اطمینان، فخر اور مسرت سے سرشار ہو جاتا ہے:-

سرخی سی ہوئی چاند سے چہرے پہ نمودار — پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار

اور پھر بیویوں سے مخاطب ہو کر بولیں:-

سب سے کہا دیکھو یہ وغا ہے کہ دغا ہے — بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے

اب تک کسی سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ اور اب خود امامِ وقت سے بے خوفی و فخر سے کہا جا رہا ہے:-

کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری

اور پھر توجہ دلائی جاتی ہے:-

عباسؑ کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو
کیا آپ کی الفت ہے اس الفت کے میں قربان بیٹے کا خیال ان کو نہ اسدم ہے مرا دھیان
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آن نقش قدم شہ پہ تصدق ہے مری جان

اور باتیں کرتے کرتے پھر ایک دم کلیجے میں ہوک اُٹھتی ہے اور یہ روح فرسا حقیقت یاد آ جاتی ہے اس لڑائی کا انجام کیا ہے تو بے قراری میں کہہ اُٹھتی ہے:-

لاکھوں میں وہ نہتا ہیں یہ لونڈی ہے قلق میں
صدقے گئی کچھ کیجئے دُعا بھائی کے حق میں

امام حسینؑ جو بھائی کی جدائی میں خود بیقرار ہیں مگر اس بیقراری کو دل کی گہرائیوں میں چھپا رکھا ہے۔ بھاوج کے سامنے بھائی کی بہادری اور وفا و محبت کی تعریف کر کے اس کا دل بڑھاتے ہیں مگر تسلّی میں بھی مایوسی مضمر ہے:-

شہؑ بولے دُعا کرتا ہے سینے میں مرا دل آساں کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل کس شوق سے طے کرتا ہے وہ عشق کی منزل

دو روز کی اس بھوک کے اور پیاس کے صدقے
شبیرؑ وفاداریِ عباسؑ کے صدقے

بھاوج سے بھائی کی محبت اور احسان کا اعتراف کیا جا رہا ہے:-

محبوب خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خواں ہیں اس کی شجاعت کے معرّف شہِ مرداں
اور حمزہ و جعفر بھی ہیں شرمندۂ احساس

اور یہ سن کر جاں نثار بھائی کی بیوی اپنی وفاداری کا یقین یہ کہہ کر دلاتی ہے:-

دنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دعا ہے
عباسؑ سے سو ہوئیں تصدق تو بجا ہے

مگراس جذبۂ صادق کے باوجود عورت پھر عورت ہے جس کے لیے محبوب شوہر کی جدائی سے بڑھ کر عظیم صدمہ اور کوئی نہیں۔ ساری دنیا کی چاہنے والی بیویاں اس جذبے کی شدت میں یکساں ہیں، انیسؔ نے حضرتِ عباسؑ کی شہادت کے بعد زوجۂ عباسؑ کی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ انھیں جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

حضرتِ عباسؑ نہر پر شانے کٹانے کے بعد ابدی نیند سو گئے۔ گھر میں شہید کی لاش تک نہ آسکی کہ سارا تن ٹکڑے ٹکڑے تھا، صرف چھدی مشک اور خون آلود علم آیا ہے۔

اِس وقت:-

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباسِ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہوگئی مرا اقبال لٹ گیا

ناگہ صدا علی کی یہ آئی کہ اے بہو زانو پہ تھا مرے سرِ عباسؑ نیک خو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہرا کشادہ مو بی بی بس اب حسینؑ کو، رو کر رُلا نہ تو
بھائی کے غم میں لال مرا درد مند ہے
اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

(مراثی انیسؔ جلد چہارم صفحہ ۶۹)

اللہ رے دل خراش علی کی بہو کے بین سکان آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ تھامے تھی ہاتھ خواہر سلطانِ مشرقین

ٹکڑے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے
حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

امام حسینؑ وہاں سے ہٹ جاتے ہیں کہ بدنصیب بیوہ دل کی بھڑاس نکال لے تو زوجۂ عباسؑ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں اور عالمِ بیقراری میں شوہر کی روح سے مخاطب ہوکر باتیں کرنے لگتی ہیں:۔

چشمِ تصور سے دیکھئے! نہیں تصور کی بھی کیا شرط ہے۔آپ نے اپنے عزیزوں، دوستوں، ہمسایوں کسی نہ کسی کے ایسا سانحہ دیکھا ہوگا۔کڑیل جوان شوہر مر گیا ہے۔ جوان بیوہ اور ننھے ننھے بچے رہ گئے ہیں۔اس وقت بیوہ کی جو حالت ہوتی ہے وہ لوگوں سے دیکھی نہیں جاتی۔میں نے میّت پر گریہ و ماتم کو بُرا اور ناجائز قرار دینے والی عورتوں کو بھی بسمل کی طرح تڑپتے اور ایسے دل خراش بین کرتے دیکھا ہے کہ سننے والے کا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔میر انیسؔ نے حضرت عباسؑ کی بیوی کی جو حالت دیکھائی ہے، جو بین ان کے منہ سے کرائے ہیں اس میں کسی بھی بیوہ عورت کے نازک احساسات و جذبات کی مکمل اور حقیقی ترجمانی ملتی ہے اندازِ بیان ضرور ہندوستانی عورت کا ہے مگر دل کے زخم سے جو لہو رس رہا ہے وہ ہر درد مند بیوہ کے دل کا ہوسکتا ہے:۔

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں　　بیوہ ہوں، جاں بلب ہوں، غریب الدیار ہوں
جانِ علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں　　ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گذار ہوں
جنگل میں چھوڑیئے نہ مرا ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے　　اس کربلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
کیا اس کی زندگی جسے وارث سے یاس ہو　　میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

رات تو شوہر ان کے پہلو میں تھا۔ پیار و محبت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ چند گھنٹے میں یہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی:-

کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد دم بدم　　تم ہم کو چاہتی ہو، تمھیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثارِ شہ اُمم　　گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

یہ باتیں یاد آتی ہیں تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ ضبط و شرم کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں:-

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیرِ حق کے لال　　بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال　　اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن، نہ شبیں اشتیاق کی
کیوں کر کٹیں گی آہ یہ راتیں فراق کی

صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا　　دریا کا قرب، سرد ترائی، خنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا　　بستر کو خالی دیکھ کے گذرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

درد و غم کا دریا جو لہریں مارتا بہا چلا جا رہا ہے:-

کیونکر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی　　میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت بجا نہ تھی　　کیا پائنتی بھی اک مری تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منہ موڑتے نہیں
ساتھی برا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

(چھ بند مراثی انیس جلد چہارم صفحہ ۱۷۸)

یہ بین ہر حساس مرد اور درد مند عورت کے دل کو تڑپا دیتے ہیں۔ کیونکہ اسی سے ملتی جلتی حالت انھوں نے بھی اپنی یا اپنے کسی پیارے کی دیکھی ہے۔ اہلِ بیت کی مصیبت انھیں اپنی مصیبت محسوس ہونے لگتی ہے۔ جیسے یہ سب ان پر بھی بیت رہا ہے۔ زمان و مکان کا فرق ذرا دیر کے لیے مٹ جاتا ہے۔ دل درد و غم سے بھر جاتے ہیں، آنکھیں بولنے لگتی ہیں۔

اور یہی انیسؔ کا مقصد ہے اور یہی ان کے کلام کی کامیابی

حضرت امام حسینؑ رخصت آخر کے لیے خیمے میں تشریف لائے۔ اہلِ حرم الوداع کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا چاہتے ہیں اس وقت زوجۂ عباسؑ کا یہ بیان میر انیسؔ نے نہایت پُر اثر نظم کیا ہے:-

یہ سن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار　　چلّاتی تھی یہ زوجۂ عباسؑ نامدار
صاحب اُٹھو ترائی سے میں آپ پر نثار　　آقا سوار ہوتے ہیں آتا ہے راہوار
یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

______ (میر انیسؔ جلد دوم صفحہ ۴۰۵)

(بحوالہ:- خواتین کربلا۔ کلامِ انیسؔ کے آئینے میں از صالحہ عابد حسین)

باب ۱۴......

حضرت اُمّ البنینؑ

اوراولادفاطمہ زہراؑ کی محبت

مدینے سے امام حسینؑ کا سفر اور حضرت اُمّ البنینؑ کا اضطراب

جب اُمّ البنین، ولایت کے اس نورانی مرکز (بیتِ علیؑ) میں داخل ہوئیں تو محبت اور مہربانی سے دلسوز ماں کی طرح حسنینؑ، زینبؑ کبریٰ اور اُمّ کلثوم کی دیکھ بھال فرمائی۔ اس وقت امام حسنؑ و امام حسینؑ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ ان کی تیمارداری کرتیں اور رات ان کے سرہانے جاگ کر گزارتی تھیں۔

اُمّ البنینؑ کی تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی، علمی اور اخلاقی اوصاف میں بھی وہ بلند رُتبے پر فائز تھیں۔ قرآن و حدیث کا علم انھوں نے حضرت علیؑ سے سیکھا تھا۔ وہ آیتِ مودّت کی تفسیر سے واقف تھیں، فاطمہؑ اور اولادِ فاطمہؑ کی محبت کو واجب سمجھتی تھیں۔

۲۸/رجب ۶۰ھ کو امام حسین علیہ السلام نے مدینے کو الوداع کہا، قافلہ چلنے کو تیار

تھا۔شہزادیوں کے ناقے آگے بڑھ چکے تھے،سب سے آخر میں حضرت عباسؑ علمدار اپنے سواری کے گھوڑے مرتجز کے قریب آئے تاکہ سوار ہوکر آگے بڑھیں،عصمت سرا سے ایک کنیز برآمد ہوئی،اور باادب حضرت عباسؑ سے کہا کہ آپ کو حضرت اُمّ البنینؑ یاد فرما رہی ہیں۔

حضرت عباسؑ عصمت سرا میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ماں دروازے کے قریب گریاں و پریشاں کھڑی ہیں۔عباسؑ نے ادب سے سرخم کردیا۔اور فرمایا:-

مادرِ گرامی آپ مجھے رخصت کر چکی تھیں،اب کیوں بُلایا ہے۔

اُمّ البنینؑ نے فرمایا:-

بیٹا عباس! یہ حسینؑ، فاطمہ زہراؑ کی جان ہے، یہ فاطمہ زہراؑ کی امانت ہے جو میں تیری حفاظت میں دے رہی ہوں۔عباسؑ! زہراؑ بی بی کی امانت سے خبردار حسینؑ کو میں تجھ سے لوں گی۔بیٹا اپنی جان کو جان نہ سمجھنا، حسینؑ پر آنچ آئے تو اپنی جان حسینؑ پر فدا کردینا:-

میں جانتی ہوں اُس کا تو عاشق ہے مری جان
عباسؑ مرے لال سے رستے ہیں نگہبان

حضرت عباسؑ فرماتے ہیں:-

عباسؑ نے کی عرض میں جب تک ہوں سلامت
بھائی پہ خدا چاہے تو کچھ آئے نہ آفت
اللہ سے تم بھی دعا مانگیو حضرت
شبیرؑ سلامت رہے بندے کی ہو رحلت

سامان تو بڑے یہاں سے کئے جاتا ہے عباسؑ

بیٹے بھی تصدق کو لیے جاتا ہے عباسؑ

مدینے سے سفر کے وقت حضرت اُمّ البنینؑ اپنی پوتی حضرتِ سکینہؑ سے گفتگو فرماتی ہیں۔اس منظر کو مرزا دبیرؔ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

﴿۱﴾

اس باغ کے جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
اک دفعہ مدینے سے نکلنے کے دن آئے
اور گرمیوں کی دھوپ میں جلنے کے دن آئے
قبروں کی طرف پاؤں سے چلنے کے دن آئے
کوفے کی عزیمت ہوئی شاہِ دوجہاں کی
تقدیر وہاں لے چلی تھی خاک جہاں کی

﴿۲﴾

پردوں سے کمر باندھ کے جس دم ہوئے تیار
شہ سے یہ کیا مادرِ عباسؑ نے اظہار
واری مرے لے چلنے سے تو کرتے ہو انکار
بس حشر پہ موقوف ہے اب پیاروں کا دیدار
محبوب کو اپنے علمِ شیرِؑ خدا دو
طوبیٰ مجھے عباسؑ کے کاندھے پہ دکھا دو

﴿۳﴾

حضرت نے منگایا علمِ خیرِ اُمم کو
عباسؑ کے کاندھے پہ دھرا سپرِ علم کو
ماں بولی کہ اب حسرتِ کوثر رہی ہم کو

آنکھوں سے ملا بڑھ کے سکینہؑ کے قدم کو
وہ کہنے لگی دادی نہ چومو کف پا کو
جو اور کہو بابا سے دلوا دوں چچا کو

﴿۴﴾

وہ بولی تمنائے سفارش نہیں جانی
شہہ کرتے ہیں خود فدویوں کی مرتبہ دانی
میں چاہتی ہوں تم سے یہ اقرار زبانی
پردیس میں جب بند ہو شبیرؑ پہ پانی
نا خضر کو مشکیزہ نہ الیاس کو دینا
سقائی تم اپنی مرے عباسؑ کو دینا

﴿۵﴾

اقرار کیا اُس نے کہ اچھا مری دادی
دادی نے دہن چوما بلائیں لیں دعا دی
یثرب سے روانہ ہوا کونین کا ہادی
اور خضرِ شہادت نے رہِ گود بتا دی
غرے کو محرم کے وہاں پہنچے یہاں سے
نورو۹ز کے رستے پہ رہا خلد جہاں سے

(مرزا دبیر)

کربلا میں حضرتِ عباسؑ ۲۸ رجب کو حضرتِ اُمّ البنین کی وصیت کو یاد کر رہے ہیں۔ جو اُنھوں نے اپنے بیٹے حضرتِ عباسؑ سے کی تھی۔ مرزا دبیر حضرتِ عباسؑ کے اس بیان کو نظم کر رہے ہیں۔

جب بھائی کے ہمراہ وطن سے میں چلا تھا
رخصت کے لیے والدہ کے پاس گیا تھا
سینے سے لگایا تھا سر اور پیار کیا تھا
روئیں تھیں بہت اور مکرّر یہ کہا تھا
جاتے تو ہو شبیرؑ کے ہمراہ خوشی سے
عباسؑ خبردار حسین ابن علیؑ سے

شبیرؑ مرا لعل ہے شبیرؑ مری جان
تو میرے پسر فاطمہؑ کے پیارے پہ قربان
چھوڑے گا کسی دکھ میں جو تو بھائی کا دامان
محشر میں مرا ہاتھ ہے اور تیرا گریبان
میں دودھ نہ بخشوں گی اور آزردہ مروں گی
پھر عرش ہلا کر تری فریاد کروں گی

گر تجھ سے ہوئے کچھ بھی خفا سبطِ پیمبرؑ
پھر تو مرا فرزند ہے نے میں تری مادر
مرتے ہوئے مُنھ تیرا نہ دیکھوں گی بُلا کر
گر تیری قضا ہوگی مرے سامنے دلبر
لوگ آئیں گے پُرسے کو تو پُرسا بھی نہ لوں گی
نے روؤں گی تجکو نہ عزادار میں ہوں گی

مادر کا بیاں سنتے ہی میں کانپ گیا تھا
بھائی پہ فدا ہونے کا اقرار کیا تھا

یہ سنتے ہی دور اُن کا ہوا رنج و بُکا تھا
خوش ہو کے کہا بس یہی مطلوب مرا تھا
بابا تو شہنشاہِ شجاعانِ عرب تھا
اتنا یہ مگر دودھ کا مادر کے سبب تھا
(مرزادبیرؔ)

۲۸رجب ۶۰ھ کواولاد کووصیت:

جب مدینے سے سید الشہداء روانہ ہونے لگے تو حضرت اُمّ البنینؑ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا۔

''میرے بچوں میں تمہیں وصیت کرتی ہوں تمہارے آقا و مولا امام حسینؑ کے بارے میں کہ انکی نصرت میں تقصیراورکوتاہی نہ کرنا''

(اُم البنین علیہا السلام ۔۔شیخ نعمۃ الساعدی ۔۔ص ۴۸)

باب ۱۵

حضرت اُمّ البنینؑ

سے شمر کی رشتے داری نہیں تھی

شمر ذی الجوشن الضُبابی:

شجر حقارت کا کڑوا پھل۔ ۱۰ یا ۱۱ ہجری میں خناز بن حارث بن ضنع کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور وہ بنی عذرہ بن زید لات کے قبیلہ سے تھی۔ خناز کے لغوی معنی اس بدبودار عورت کے ہیں۔ جس کو برص کا مرض ہو۔ اصلی نام کا پتہ نہیں۔ شمر نے برص کا مرض اپنی ماں سے ورثہ میں حاصل کیا تھا۔ اس کے باپ کا نام شرجیل بن اعور تھا۔ ذی الجوشن اس لیے کہتے تھے کہ اس کا سینہ ابھرا ہوا تھا۔ بقول بعض پہلے اپنے ڈنڈ پر جوشن اُس نے باندھا تھا۔ ضباب ایک بیماری کا نام ہے۔

شمر کے متعلق حضرت رسولؐ اللہ کی پیشینگوئی:۔

ابنِ اثیر (بنی اُمیہ کے نمک خوار) نے ''اسد الغابہ'' میں شمر کے باپ ذی الجوشن کو صحابیٔ رسولؐ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ رسولؐ اللہ شمر کے متعلق یہ پیشینگوئی کر چکے تھے۔

''رسولؐ اللہ فرماتے ہیں۔ میں ایک مبروص کُتّے کو دیکھ رہا ہوں جو

میرے اہلِ بیتؑ کا خون چاٹ رہا ہے''۔

شمر کو برص (سفید داغ) کا مرض تھا''۔ (تاریخ ابن کثیر)

علامہ کنتوری آئین صفحہ ۳۶۹ پر لکھتے ہیں کہ زہیر بن قین بجلی نے معرکۂ کربلا میں شمر کو یابن البول علیٰ عقبیہ کہہ کر پکارا۔ یعنی اے ناپاک کے بیٹے جو الٹی دھار سے پیشاب کرتا تھا۔ زہیر جیسے بزرگ کا یہ طعنہ خلاف واقعہ نہیں تھا۔ شمر کا باپ کسی سوداوی مرض میں مبتلا ہو کر اونٹ کی طرح پیشاب کرتا تھا۔

نسب:

شمر کے باپ کا شجرہ یہ ہے۔

شرجیل ابن اعور ابن عمر ابن ضُباب ابن مالک ابن ربیعہ ابن نمیر

شمر کا باپ عمر ابن ضُباب کی اولاد سے ہے اس لیے شمر کو ''الضُبابی'' کہا جاتا ہے۔

حالانکہ شمر زنا زادہ تھا اس لیے اس کا شجرہ ناپید ہے۔ قبیلۂ بنی کلاب سے نہیں ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کے خاندان سے دور دور بھی رشتے داری ثابت نہیں ہے۔ یہ تاریخ لکھنے والوں کا افسانہ وشاخسانہ ہے۔ اس لیے عمر بن ضُباب کی اولاد سے ضُبابی کہلاتا ہے۔

شمر بنی ضباب سے تھا بنی کلاب سے نہیں۔

(ام البنین علیہا السلام سیدۃ النساء العرب۔۔ سید مہدی سوتج الخطیب۔۔ ص ۵۸)

حلیہ:

ناک چپٹی اور لمبی، آنکھیں چھوٹی اندر کو گھسی ہوئیں۔ داڑھی گھنی، منہ سے بدبو آتی تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ۔ قد لمبا، جسم فربہ، سامنے کے دو دانت نکلے ہوئے۔ سینہ پر برص۔ حریص اور لالچی شخص تھا۔ (کحل الانظار)

بشارت امام ہمام:

صاحب مآتین مناقب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دورانِ سفر جب آپ منزل عقبۃ البطن پر تھے امام حسین علیہ السلام پر کچھ غنودگی غالب ہوئی۔ جھٹ بیدار ہوئے۔ خصار سے مخاطب ہوکر فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے جیسے بہت سے کتوں نے مجھ پر حملہ کیا۔ تاکہ پھاڑ کھائیں۔ ایک ابلق کتا شدومد سے حملہ کرتا ہے۔ مجھے گمان ہے میرا قاتل اسی گروہ میں وہ ہے جس کو مرض برص ہے یہ بشارت قاتل کے تعین کی غرض سے تھی۔

شمر کا پیشہ:

شمر کے عادات واطوار میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ عورتوں کی دلالی کیا کرتا تھا۔ اس کی اپنی لڑکی شمرانہ جونہایت حسین اور خوبصورت پہلے تو زیرِ نظر عنایت یزید رہی پھر ابن زیاد کے گھر کی زینت بنی۔ ابن مرجانہ نے ۹ محرم جمعرات کے دن شمر کے نام یہ خط لکھا کہ اگر ابن سعد جنگ سے پہلوتہی کرتا دکھائی دے تو اسے قتل کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ لے لے۔ بعض کہتے ہیں شمر خود جاکر ابن زیاد سے لکھوالایا تھا۔ ابن سعد ڈر گیا اور اسی صبح طبل جنگ بجوادیا۔

عبداللہ بن زیاد نے جب کوفہ کا چارج لیا تو ان دنوں شمر یزید کی مصاحبت میں تھا۔ اس نے درخواست کی کہ مجھے بھی کوفہ بھیج دیا جائے۔ یزید پہلے تو رضامند نہ ہوا پھر مصلحت دیکھ کر اجازت دے دی۔ چار ہزار سپاہ کا کمانچی بن کر میدان کربلا میں پہنچ گیا۔ عاشور کے دن گو شمر ابن سعد کے ماتحت تھا۔ لیکن فی الحقیقت اس کا نگراں حال تھا۔ جو بات ابن سعد کے منہ سے نکلتی تھی یہ خوب جانچتا اور تولتا تھا۔ کیونکہ شمر چاہتا تھا جیسے ممکن ہو عنان حکومت اپنے ہاتھ لے۔ ابن زیاد کا منشا بھی یہی تھا۔ ابن سعد کی مکّاری وعیّاری نے شمر کا کوئی داؤ نہ چلنے دیا۔

خباثت وشقاوت:

کہتے ہیں کہ ظلم واستبداد کی یہ منحوس صورت قرآن ناطق کے سینۂ اقدس پر سوار ہوا تو سیدؑ بے کس نے بطور اتمام حجت پوچھا۔ تو مجھے جانتا ہے۔ کہا۔ ہاں پھر کیوں قتل کرتا ہے۔ جواب دیا۔ زر کی لالچ میں۔

وارث صبر ورضا ابھی سجدہ میں تھے کہ راندہ درگاہ ایزدی کو اتنا صبر نہ ہوا کہ سجدہ سے فارغ تو ہونے دے۔ جسم اقدس پر بیٹھ کر گردن کی طرف سے اس طرح خنجر پھیرنا شروع کیا جس طرح قصائی گوسفند کو ذبح کرتے ہیں۔ اللہ اللہ کیسا پتھر دل تھا ذرا رحم نہ آیا۔ سرِ اطہر کو تن مبارک سے علیحدہ کر کے عمر بن سعد کے آگے دھر دیا۔

خوشی سے ناچنے لگا۔ سر اقدس جناب شاہ کربلا نیزہ پر معلق کر کے فوج کے آگے رہتا تھا۔ کربلا سے کوفہ۔ کوفہ سے دمشق پہنچا۔ در قلعہ کے نزدیک جا کر سر امام حسینؑ بشیر کے بیٹے مالک کو اس خیال سے دے دیا کہ اگر یزید ناراض ہوا تو تمام جھاڑ جھپٹ مالک پر ہوگی۔

دمشق میں عرصہ تک آستانہ یزید پر انعامِ کثیر کی امید میں خیالی پلاؤ پکاتا رہا۔ پلاؤ کس طرح پکتا کہ چاول پتھریلے تھے۔ امید کی لکڑیاں جل جل کر خاک ہو چکی تھیں۔ اب سایہ یزید بھی نہ رہا وہ ملک فنا کے قصر آتشیں میں جا بسا تھا۔ ڈھارس کی عمارت جو امید کے معماروں نے تعمیر کی تھی یک لخت گر گئی۔ ساتھ ہی سن لیا کہ انتقام گیروں کے انتقام کی تیغیں میانوں سے باہر نکل رہی ہیں۔ ان کی کثرت اور شہرت نے رہے سہے حواس اور بھی کھو دیئے۔ مصعب بن زبیر کے پاس بھاگنے کی سوجھی۔

شمر کی موت:

مایوسی کے شکنجہ میں تھا۔ ایک رات دس نابکاروں کے ساتھ جن میں سنان بن انس،

یزید بن محارب اور صرد بن عبداللہ بھی تھے، کوفہ سے بصرہ کی راہ لی۔ امیر مختار کے غلام خیر کو خبر پہنچی وہ کچھ سوار لے کر موت کی طرح پیچھے ہولیا۔ کچھ مقابلہ تو ہوا لیکن شمر بھاگ نکلا اور موضع کُلتانیہ میں جا پناہ گزین ہوا۔ امیر مختار نے عبداللہ بن کامل اور عمر بن حاجب کو ۳۰۰ سوار دے کر شمر کی تلاش میں بھیجا۔ موضع کُلتانیہ میں خونی ٹولہ نے یہ تجویز کی کہ مصعب بن زبیر کو اپنے آنے کی خبر دی جائے۔ چنانچہ ایک یہودی نوجوان کو اس کی مزدوری اور خط دے کر بصرہ روانہ کر دیا۔ صید راچوں اجل آید سوئے صیاد ردد۔ نامہ بر نے وہی راہ اختیار کی جہاں عبداللہ بن کامل وغیرہ پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ لشکریوں نے قاصد کو گرفتار کر کے عبداللہ کے سامنے پیش کیا۔ تفتیش پر نامہ بر نے تمام واقعہ کہہ سنایا اور خط بھی پیش کر دیا۔ ابن کامل نے پہنچ کر جھٹ گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ شمر نے جب دیکھا کہ جان پر آبنی۔ جس طرح بیٹھا تھا اٹھ کھڑا ہوا اور تلوار سونت لشکر عبداللہ پر آپڑا۔ عمر بن صاحب نے جو تلوار کا ہاتھ مارا تو بھر پور پڑا۔ تلوار سینے میں اتر آئی۔ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر جا گرا۔ (مختار نامہ)

سب سے زیادہ حیرت انگیز تو یہ بات ہے کہ ابواسحٰق جیسا معتبر راوی عموماً روایات شمر سے لیتا ہے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ کیسے باور کریں کہ ایسے مستند محدث نے شمر کو معتبر سمجھ لیا۔

صاحب عناصر الشہادتین لطائف اشرفی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شمر کو کچھ سونا لوٹ میں مل گیا تھا۔ اس نے لڑکی کو بطور تحفہ دے دیا۔ لڑکی نے سنار کے پاس زیور کے لیے بھیج دیا۔ عبدالکریم بن یعفور صفی راوی ہے کہ سنار نے جب سونا آگ پر رکھا تو راکھ ہو کر رہ گیا۔ شمر نے جھنجھلا کر سنار کو بلوایا اور کہا کہ باقی سونے کو میرے سامنے آگ پر رکھ، جب رکھا تو راکھ ہو گیا۔ شمر اپنے ساتھ امام حسینؑ کا ایک اونٹ ہانک لایا تھا۔

ذبح کر کے خوشی میں گوشت اہلِ کوفہ کو تقسیم کیا۔ مختار نے حکم دیا کہ جن جن گھروں میں وہ گوشت تقسیم ہوا تھا گھروں کو منہدم اور گھر والوں کو قتل کر دیں۔ (کحل الانظار صفحہ ۱۸۲)

ابوبکر بن عباس ابواسحٰق سبعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن شمر اس کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ بعد نماز مغفرت کی دعا مانگنے لگا۔ کسی نے کہا تو کس طرح بخشا جا سکتا ہے۔ جبکہ تو نے نواسۂ رسولؐ کو بے گناہ شہید کیا ہے۔ کہا۔ میں نے جو کچھ کیا حکم حاکم سے کیا۔ اگر نہ کرتا تو گدھے سے بدتر تھا۔ (کحل انظار) صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ امام حسینؑ کے قتل کو گناہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ثواب، اگر گناہ سمجھتے تو ضرور رنج وغم میں حصہ لیتے۔

کہتے ہیں قتل کے وقت شمر کی عمر ۵۶ یا ۵۷ برس کی تھی۔ اس لیے پیدائش ۱۰ یا ۱۱ھ کی ہوسکتی ہے۔ ۶۶ یا ۶۷ ہجری میں قتل ہو کر دنیائے دوں سے رخصت ہوا۔
(اشقیائے فرات)

امان نامے کی حقیقت:

علاّمہ شیخ محمد بن طاہر سماوی نجفی لکھتے ہیں:-

عبداللہ بن ابی المحل بن حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید معظّمہ محترمہ اُمّ البنینؑ کا بھتیجا تھا اور کوفہ میں بہت معزز حیثیت رکھتا تھا۔ یہ اس وقت جب شمر ابن زیاد کا خط لے کر کربلا کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔ دربار ابن زیاد میں موجود تھا۔ اس نے عبیداللہ ابنِ زیاد سے کہا کہ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے بیٹے حسینؑ کے ساتھ ہیں۔ آپ ان کے لیے امان نامہ لکھ دیجیے۔ عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ جس کا نام کزمان تھا اس تحریر کو روانہ کیا۔ وہ اس کو

لے کر ان جان باز بہادروں کے پاس لایا اور کہا یہ آپ کے ماموں زاد بھائی نے امان نامہ بھیجا ہے ان چاروں جوانوں نے کہا کہ ہمارے بھائی کو ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہم کو اس امان کی ضرورت نہیں خدا کی امان ہمارے لیے ابن زیاد کی امان سے بہتر ہے۔

شمر بن ذی الجوشن نے کربلا پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہ لشکر حسینی کے سامنے آیا اور کہا کہ میری بہن کے بیٹے عبداللہ و جعفر و عباسؑ و عمران کہاں ہیں یہ حضرات شمر کی صدا پر جواب بھی دینا نہ چاہتے تھے کہ خلقِ محمدی میں جزر و مد پیدا ہوا اور مظلوم کربلا نے بھائیوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا شمر فاسق سہی مگر اس کی بات کا جواب دو، وہ تمہارا ماموں بن رہا ہے۔ امام کا اشارہ پا کے عباسؑ اور جعفر اور عمران و عبداللہ خیمہ سے برآمد ہوئے اور یک زبان ہو کر کہا۔ کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میری بہن کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تم لوگ امان میں ہو۔ بہادروں نے کہا ''خدا لعنت کرے تجھ پر اور تیری امان پر، ہم کو تو امان ہے اور فرزند رسولؐ کو امان نہیں؟ اے دشمنِ خدا تو ہم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بھائی اور سردار کو چھوڑ کے فاسق اور ولدالحرام کی بیعت کریں''۔ اِس سخت جواب سے اُمّ البنینؑ کے شیروں کے ثبات قدم و استقلال و وفاداری کا کامل اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کی راہ صاف ہونے کے باوجود موت کو اختیار کرنا کسی معمولی دل کا کام نہیں۔

(ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۴۱)

باب ۱۶......

اولاد اُمُّ البنینؑ

سب سے بڑے فرزند عباسؑ:

سب سے بڑے اور پہلے فرزند ''عباسؑ'' ہیں۔ آپ کے فضائل کتابوں میں تفصیل سے موجود ہیں، بحارالانوار میں یہ روایت ہے۔

کَانَ الْعَبّاسُ بَطَلًا جَسِیْماً وَیتیماً اِذا رَکِت الْجَوادُ رِجْلاہُ یَخُطّانِ عَلَی الْاَرْضِ خِطّاً حضرت عباسؑ دلیر وشجاع۔ قدآور اور خوبصورت تھے وہ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تو دونوں پاؤں زمین سے ٹکرا کر لکیر کھینچتے تھے۔

وَلَقَدْ قال فی حَقِّهِ اَلامِامُ الصَّادِقِ عَلیه السلام کانَ عَمِیّ الْعَباسُ نافِذُ الْبَصیْرَۃِ صَبْكُ الْایمانِ ۔ آپ کی تعریف میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میرے چچا عباس دینی بصیرت رکھتے تھے اور دینداری اور ایمان میں بہت مضبوط تھے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی بصیرت اور دیانت میں سخت موقف رکھنے میں یہی کافی ہے جو روز عاشورہ ان سے کارنامے ظاہر ہو گئے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے ایمان کی پائیداری اس وقت ظاہر ہوئی جبکہ عبداللہ

بن ابی المحل بن حزام کلابی نے آپ کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں حضرت عباسؑ اور ان کے تین بھائیوں کے نام امان نامہ تھا۔ کہ حضرت حسینؑ سے جدا ہو کر لشکر عمر سعد سے ملحق ہو جائیں یا الگ ہو جائیں۔ یہی خط لے کر شمر کربلا آیا، دراصل یہ خط حضرت اُمّ البنینؑ کے بھتیجے کا تھا۔ شمر اس خط کا کریڈٹ (Credit) اپنے ذمّے لینا چاہتا تھا۔ آخر ذلیل ہوا۔ اُمّ البنینؑ سے شمر کی کوئی بھی رشتے داری نہیں تھی۔

ابن زیاد نے کچھ مزید جملے بھی لکھے تھے۔ **بِاَنْ یمنَع الْعَباسَ رُتبةً کبیرةً وجَائزةً عَظِمةً**

عباسؑ کو بڑا عہدہ پیش کریں اور بہت بڑا انعام بھی دیا جائے۔

یہ خط لے کر شمر حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عباسؑ نے اس امان نامے کو سختی سے مسترد کر دیا اور اس قدر غصہ آلود ہوئے کہ وہ سخت ڈر گیا کہ کہیں جان سے نہ جائے۔ شمر نے جب یہ حالت محسوس کر لی تو ناکام اور خوف زدہ حالت میں واپس چلا گیا۔

جب کہ چاروں طرف سے دشمن نے ان کو گھیرے میں لے لیا ہے اور کوئی صلح کا راستہ نہیں تو یہ امان نامہ ایک متزلزل ایمان والے کے لیے غنیمت تھا مگر پروردۂ کنارِ علیؑ جو کُلِ ایمان سے تربیت حاصل کر چکا تھا وہ شمر اور ابن زیاد جیسے دنیا پرست انسان کے دھوکے میں کیسے آ سکتا تھا اس امان نامہ کو ٹھکرانے سے عباسؑ کی کمال دین داری اور دینی بصیرت کا اظہار ہے ہوتا۔

اُمُّ البنینؑ کے دوسرے فرزند (حضرت عبداللہ ابن علی علیہ السلام):

حضرت عباسؑ کے تولد ہونے کے دس سال بعد عبداللہ کی ولادت ہوئی۔ کربلا کے میدان میں روز عاشور عبداللہ کی فداکاری اور شجاعت کا مظاہرہ ہوا چنانچہ ان کی

زیارت کے جملوں سے اس بات کوتقویت ملتی ہے۔ اَلسَّلامُ عَلیٰ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ اَمِیْرُالمومنین صاحِبُ الشُجاعۃِ العَظِیۃِ

سلام ہوامیر المومنین کے فرزند محترم عبداللہ پر جو عظیم شجاعت کے مالک تھے۔

اُمُّ البنینؑ کے تیسرے فرزند: (حضرت عمران ابن علی علیہ السلام)

حضرت عباسؑ کے تیسرے بھائی عمران تھے اور کربلا کے واقعے میں آپ کے ساتھ تھے، اس وقت وہ ۲۸ سال کے تھے۔

اُمُّ البنینؑ کے چوتھے فرزند: (حضرت جعفر ابن علی علیہ السلام)

جعفر بن علی علیہما السلام تھا اور عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ جعفر کی کربلا میں ۲۶ سال عمر تھی، بعض روایات میں ۱۹ سال کی عمر بتائی گئی ہے جو بالکل غلط ہے کربلا کا واقعہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بیس برس کے بعد ہوا ہے۔ حضرت کا کوئی بیٹا ۱۹ سال کا نہیں ہوسکتا۔ لوگ ان چاروں بھائیوں کو ''اکبر'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ مثلاً عباس الاکبر، عمران الاکبر، عبداللہ الاکبر اور جعفر الاکبر۔ حضرت عباسؑ نے روز عاشورہ ان تینوں بھائیوں کو اپنی جان کے علاوہ برادر معظم حضرت حسین علیہ السلام کی خدمت میں قربانی کے لیے پیش کیا۔ اور بھائیوں سے مخاطب ہوکر فرمارہے تھے۔ تُقَدِّمُوْا حَتّٰی اَراکُمْ قد نَصحتُم للّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ بھائیو آگے بڑھو میں تمہارے فداکاری کو دیکھوں۔ بیشک تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے حق میں خیر خواہی کا حق انجام دیا ہے۔ چنانچہ تینوں بھائی لڑتے لڑتے عباسؑ کے سامنے شہید ہوگئے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی دختر خدیجہ بنتِ علیؑ:

حضرت اُمّ البنینؑ کی دختر خدیجہ بنتِ علیؑ ہیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ کی زیارت میں

آپ کی دختر خدیجہ بی بی پر سلام ہے:-

''سلام ہو آپ کی دختر پر کہ جو دُرِ مکنون صدف طہارت ہیں اور رضیہ ہیں اور نام ان کا خدیجہ ہے، اللہ جزا دے آپ کو اور ان سب کو''

''عمدۃ الطالب'' میں ہے کہ جناب خدیجہ بنتِ علیؑ کی شادی عبدالرحمٰن ابن عقیل ابن ابی طالبؑ سے ہوئی تھی۔

جناب خدیجہ بنتِ علیؑ حضرت عباسؑ سے چھوٹی اور تین بھائیوں، عبداللہ، عمران اور جعفر سے بڑی تھیں۔ سیّد عبدالمجید حائری کی کتاب ذخیرۃ الدارین میں تحریر ہے کہ خدیجہ بنت علیؑ کربلا میں موجود تھیں شدتِ پیاس سے بروز عاشورہ شہادت پا گئیں۔

حضرت علیؑ کی دو صاحبزادیوں کے نام خدیجہ ہیں۔ ایک خدیجۃ الکبریٰ ہیں جو حضرت اُمّ البنینؑ کی دختر ہیں اِن کو رقیّہ صغرا بھی کہتے ہیں اور دوسری خدیجۃ الصغریٰ ہیں جنھوں نے کوفے میں وفات پائی اُن کی قبر مسجد کوفہ کے سامنے ایک روضے میں اب تک موجود ہے۔ خدیجۃ الصغریٰ نے ۲۱/رمضان ۴۰ھ کو وفات پائی۔ جس دن حضرت امیر المومنین کو نجف اشرف میں دفن کیا گیا فراق پدر میں اس بچی نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان فدا کر دی۔

جناب عقیلؑ کے تین فرزندوں کے نام عبدالرحمٰن ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن اکبر (ان کی شادی نفیسہ بنتِ علیؑ سے ہوئی۔ ان کو زینبؑ صغرا یا زینبؑ اوسط بھی کہتے ہیں)۔

۲۔ عبدالرحمٰن اوسط (اِن کی شادی رملہ بنتِ علیؑ سے ہوئی)

۳۔ عبدالرحمٰن اصغرؑ (ان کی شادی خدیجہ بنتِ علیؑ سے ہوئی)

حضرت اُمّ البنینؑ کے پوتے اور پروتے:

حضرت اُمّ البنینؑ کے چاروں بیٹے اور بعدان کے پوتے، پروتے اورنسل درنسل سب کے سب علم وفضل وتقویٰ اور شجاعت وسخاوت میں نابغۂ روزگار تھے، سب کا اسلامی تاریخ اور سیرت نگاری کی کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ ایک عربی شاعر نے بہت اچھا کہا ہے:-

لِیَهنَّكِ یَا اُمّ البنین بِسادةٍ
مِن فَضلِ الاَبناءِ وَالاحفاد

''اے فاطمہ (اُمّ البنینؑ) بیٹوں کی ماں ہیں آپ، آپ کو مبارک باد کا تحفہ پیش کر رہا ہوں، آپ کس قدر بابرکت خاتون ہیں کہ آپ کے بیٹے، پوتے اور اُن کی اولاد سب کے سب بزرگ سادات میں شمار ہوتے ہیں''۔

فدک اور اولادِ اُمّ البنینؑ:

حضرت فاطمہ زہراؑ نے عباسؑ علمدار کو اپنا فرزند کہا ہے، اس لیے اُمّ البنینؑ کی اولاد کو بعض علماء وعرفاء حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد کا ہم پلّہ قرار دیتے ہیں۔

راوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:-

''مولا! فدک کی سرزمین واپس ملنے کے بعد اولاد فاطمہؑ کے درمیان کتنی اور کس طرح تقسیم کی جائے گی''؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:-

''چوتھائی حصہ عباس علیہ السلام کی اولاد کا حق بنتا تھا، باقی ہم اولاد فاطمہؑ کے لیے۔

حضرت اُمّ البنینؑ کا سلسلۂ نسل حضرت عباسؑ بن امیر المومنینؑ کی اولاد سے آج تک دنیا میں باقی ہے۔ عراق (بغداد، بصرہ) ایران، یمن، ہندوستان میں اس نسل کے سادات موجود ہیں جو علوی کہلاتے ہیں۔ بعض اپنے نام کے ساتھ ہاشمی بھی لکھتے ہیں۔

مورخین، سیرت نگار اور علم انساب کے ماہرین نے حضرت اُمّ البنینؑ کے پوتوں کا ذکر اس ترتیب سے کیا ہے۔

۱۔ فضل بن عباسؑ علمدار (کربلا سے مدینے واپس آئے)

۲۔ محمد بن عباسؑ علمدار (ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کربلا میں شہید ہوئے)

۳۔ قاسم بن عباسؑ علمدار (کربلا میں شہید ہوئے)

۴۔ حسن بن عباسؑ علمدار (شیخ فتونی کا خیال ہے کہ حسن بن عباسؑ سے بھی نسل چلی ہے)

۵۔ عبیداللہ بن عباسؑ علمدار (مدینے میں دادی کے پاس رہ گئے تھے کربلا نہیں گئے)

۶۔ ایک دختر (نفیسہ)

حضرت اُمّ البنینؑ کے پوتے:

سیّد عبدالرزاق موسوی المقرم لکھتے ہیں:۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی، فضل، حسن، قاسم، عبیداللہ لیکن ابن شہر آشوب نے شہدائے کربلا میں پانچویں فرزند محمد کا نام کا اضافہ کیا ہے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

فضل و عبیداللہ کی ماں لبابہ ہیں جو جناب عبدالمطلب کی پروتی ہیں، علمائے نسب کا اتفاق ہے کہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی نسل جناب عبیداللہ سے باقی رہی، شیخ فتونی کا خیال ہے کہ حضرت عباسؑ علمدار کے دوسرے فرزند جناب حسن سے بھی آپ کی نسل چلی ہے''۔ (العباس)

حیدر المرجانی لکھتے ہیں:۔

فارسی کے مقاتل کی کتابوں میں حضرت عباسؑ کی چار اولاد لکھی ہیں:۔

۱۔ فضل ۲۔محمد ۳۔قاسم ۴۔عبیداللہ

ان میں سے محمد اور قاسم نے روز عاشورہ شہادت پائی۔اور دو بھائی فضل اور عبیداللہ مدینے میں تھے۔ چند فارسی اور عربی کے مقاتل کی کتابوں میں یہ اختلاف دیکھا گیا ہے کہ آیا فضل اپنے باپ کی زندگی میں انتقال کر گئے یا مدینے واپس گئے یا کربلا سے مدینے آتے وقت راستے میں شہادت پا گئے۔لیکن یہ بات مسلم ہے کہ عبیداللہ مدینے میں تھے اور اُن کی اولاد نے اسلامی ممالک میں علم وفضل میں شہرت حاصل کی۔

علاّمہ سید محسن شامی عالمی اپنی کتاب ''اعیان الشیعہ'' کی جلد۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے دو بیٹے محمد اور قاسم کربلا میں شہید ہو گئے اور دو بیٹے فضل اور حسن مدینے واپس آئے''۔

اب ہم حضرت اُمّ البنینؑ کے پانچوں پوتوں کے حالات جو دستیاب ہو سکے یہاں تحریر کرتے ہیں۔

شہزادہ محمد بن عباسؑ علمدار (شہید کربلا)

جب حضرت عباسؑ علمدار کے تینوں بھائی شہید ہو چکے تو حضرت عباسؑ نے اپنے فرزند کو کہ اس کا نام محمدؑ تھا بلایا، پہلے اسے سینے سے لگایا اور پیار کیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا، اے فرزند! اے بیٹا اور نور چشم یہ درست ہے کہ تو میرا لخت جگر ہے، تیرا قتل ہونا مجھ پر بہت دشوار ہے لیکن واللہ تو مجھے رسولؐ خدا کے بیٹے سے ہرگز زیادہ پیارا نہیں''۔ بحارالانوار کی روایت کے مطابق محمد ابن عباسؑ بھی لشکر یزید بے دین و ناہنجار سے لڑ کر داد شجاعت حاصل کر کے شہید ہوئے۔ چنانچہ بحارالانوار میں اتنا اشارہ اس روایت کا مذکور ہے۔

وَيُقَالُ قُتِلَ ابنَهٗ محمدَ ابن العبّاسؑ

''یعنی یہ بھی روایت ہے کہ اس معرکے میں محمد ابن عباسؑ شہید ہوئے''

(خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۰۲، توضیح عزا ۳۳۶)

مرزا دبیر نے ایک مرثیہ محمد ابن عباسؑ کی شہادت پر تصنیف کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے:-

جب حضرت عباسؑ کے بھائیوں کے لاشے میدان جنگ سے آچکے، تو حضرت عباسؑ خیمے میں تشریف لے گئے۔

عباسؑ نے زوجہ کو پکارا اِدھر آؤ
چھوٹی سی کوئی تیغ و سپر ہوے تو لاؤ

پھر اپنے بیٹے محمد ابن عباسؑ کو آواز دی بیٹا باپ کی پہلی آواز پر دوڑتا ہوا آیا

روتے ہوئے بیٹے کے قریب آئے علمدار
شفقت سے لیا گود میں حسرت سے کیا پیار

پھر بیٹے سے عباسؑ نے فرمایا:-

شمشیر و سپر ہم تمھیں بندھواتے ہیں پیارے
اب دادا کا زیور تمھیں پہناتے ہیں پیارے

میرے لال تم فدیۂ علی اکبرؑ ہو، پھر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:-

اب صدقے پسر کرتا ہوں ہم شکل نبیؐ پر
پھر ہوں گا میں قربان حسینؑ ابن علیؑ پر

پھر زوجہ سے کہا کہ اب آپ اپنے لال کو رخصت کیجئے۔

ہمشکل محمدؐ پہ محمد کو فدا کیجئے!

تمام اہلِ حرم حضرت عباسؑ اور اُن کے فرزند محمد کے گرد جمع ہوگئے:-

رونے لگے سب صاحبِ اولاد بصد یاس
غُل پڑ گیا بیٹے کو فدا کرتے ہیں عباسؑ

عباسؑ نے بیٹے کے ہتھیار سجائے۔

آراستہ غازی نے کیا بیٹے کو اک بار
قد چھوٹا سا چھوٹی سی سپر چھوٹی سی تلوار

عباسؑ نے فرزند سے کہا میرے لال تم حیدر کرارؑ کے پوتے ہو شان سے جنگ کرنا میں تمھاری لڑائی دیکھوں گا، بیٹے نے بہت پیار سے باپ کی خدمت میں عرض کی کہ۔

مرنے کا بھی ارمان ہے لڑنے کا بھی ارمان
دادا کی لڑائی کا دکھا دوں گا میں سامان

محمد ابن عباسؑ جب ماں سے رخصت طلب ہوئے قیامت کا منظر تھا:-

یارب کسی بیٹے سے جدا ہوے نہ مادر
ماں اُس کی تھی گو صابرہ پر بولی یہ رو کر
کچھ کہہ کے تو جاؤ کہ ہو تسکین مرے جی کو
منھ پھیر کے بولا کہ تمھیں سونپا چچی کو

حضرت عباسؑ، اپنے نورِ نظر کو امام حسینؑ کی خدمت میں لے کر آئے اور فرمایا کے اب غلام زادے کو میدانِ جنگ کی اجازت دیجئے۔

امام حسینؑ نے فرمایا:-

عباسؑ! صبح سے تلواریں چل رہی ہیں، تیروں کی بارش ہے، اس بلا خیز گھڑی میں معصوم کو بھیجو گے۔

عباسؑ نے کہا:-

آقا یہ میرا بیٹا ہے، حیدر کرارؑ کا پوتا ہے، یہ جنگ کرے گا اور میں اس کی شجاعت دیکھوں گا۔

امام حسینؑ نے فرمایا:-

عباسؑ! اگر تمہارا بیٹا قتل ہو گیا تو تمہاری نسل منقطع ہو جائے گی،

عباسؑ نے کہا:-

آقا! اس بات کا انتظام پہلے ہی کر چکا، چھوٹا بیٹا عبیداللہ مدینے میں ہے جس کو مادر گرامی اُمّ البنینؑ کے پاس اُن کی خدمت کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔

اچھا عباسؑ! جیسی تمہاری مرضی،

محمد ابن عباسؑ کو میدانِ جنگ کی اجازت مل گئی، عباسؑ نے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور اب کہا، حیدر کرارؑ کے پوتے ہو میدانِ جنگ سے منھ نہ موڑنا، بڑھ بڑھ کے حملے کرنا۔

محمد ابن عباسؑ میدانِ جنگ میں پہنچے اور رجز پڑھا:-

عباسؑ غلام شہ دیں میرا پدر ہے
اور دادا امامِ ملک و جنّ و بشر ہے

بس کھیل چکا بھائیوں کے ساتھ وطن میں
تلواروں سے اب کھیلنے کو آیا ہوں رن میں

محمد ابنِ عباسؑ نے لشکر پر حملہ کیا، شجاعت کے ساتھ لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے:-

بے رحم جو تھے طیش میں آئے وہ ستم گر — مینہ تیروں کا برسا دیا اُس تشنہ دہن پر
آواز یہ عباسؑ نے دی ہاتھ اُٹھا کر — ہاں پوتے یداللہ کے ہاں فدیۂ اکبرؑ

شرمندہ شجاعوں میں نہ کیجو کہیں ہم کو
کٹ جائے جو سر بھی تو ہٹانا نہ قدم کو

بڑھ بڑھ کے لگانے لگا وہ چھوٹی سی شمشیر　　پھر حوصلہ کیا تھا جو بھڑے لشکرِ بے پیر
کیا کیا تھے رفیق اُن کے دم دار و دم گیر　　تائید خدا روح علیؑ الفتِ شبیرؑ
یہ خوف دم ضرب تھا اُس شیر کا رن میں
وہ تیغیں بھی چھپتی پھریں اعدا کے بدن میں

یہ شیر گراتا تھا وہاں لاش پہ جو لاش　　شہ کہتے تھے شاباش بھتیجے مرے شاباش
کیا حضرت عباسؑ کا دل ہوتا تھا بشاش　　کہتے تھے کہ اے شاہ خطا پوش و عطا پاش
یہ زور ہے فرزند پیمبرؐ کا تصدق
اکبرؑ کا تصدق ہے اور اصغرؑ کا تصدق

گو پیاسا تھا کم سن تھا پہ وہ خوب لڑا واہ　　نیزہ دل نازک پہ لگا اتنے میں ناگاہ
دل تھام کے لختِ دل زہراؑ نے تو کی آہ　　عباسؑ علی بولے کہ المنّتہ لِلّٰہ
دعوے جو انھیں بھائی کی الفت کے بڑے تھے
جس جا پہ کھڑے تھے وہیں چپکے یہ کھڑے تھے

محمد ابن عباسؑ کی صدا میدان سے آئی، چچا جان میرا آخری سلام، بابا آپ پر میرا آخری سلام۔

عباسؑ نے گھوڑا بڑھایا کہ بیٹے کی لاش پر پہنچیں، حسینؑ نے عباسؑ سے پہلے میدان کا قصد کیا اور عباسؑ کے سامنے آ کر کہا عباسؑ کہاں جا رہے ہو،

عباسؑ نے کہا، آقا میرا بیٹا گھوڑے سے گر گیا۔

عباسؑ تمہارے بیٹے کا لاشہ حسینؑ لائے گا، باپ بیٹے کا لاشہ نہیں اٹھاتا۔ (بعد عصر

حسینؑ نے لاشِ علی اکبرؑ اٹھائی تو عباسؑ کو بہت یاد کیا تھا)۔

حسینؑ مقتل میں گئے، عباسؑ کے بیٹے کا لاشہ اٹھا کر لے آئے۔

راوی کہتا ہے اس وقت میں نے دیکھا:-

کیا دیکھتا ہوں جا کے علمدار کے میں پاس
قبلے کی طرف شکر کے سجدے میں ہیں عباسؑ

فرزندِ عباسؑ کا لاشہ درِ خیمے پر آیا، زوجۂ عباسؑ نے پکار کے کہا:-

میدان سے فرزندِ دلیر آیا ہے میرا
پردے کو اُٹھاؤ کوئی شیر آیا ہے میرا

تمام سیدانیوں میں کہرام مچ گیا:-

سب قافلہ سادات کا دروازے پہ آیا ‏ ‏ ‏ اور زوجۂ عباسؑ نے پردے کو اٹھایا
لاشہ لیے آیا اسداللہ کا جایا ‏ ‏ ‏ اور ننھی سی مسند پہ محمد کو لٹایا

پھر نوحہ تھا اور عترتِ شاہِ شہدا تھی
پھر گیسوئے سادات تھے اور خاکِ عزا تھی

زینبؑ نے کہا ہائے بھتیجے مرے پیارے ‏ ‏ ‏ واری یہ پھوپھی مر گئی مرنے سے تمھارے
ماں باپ کے ارمان لگے گور کنارے ‏ ‏ ‏ ماں بولی مجھے سونپ کے تم کس کو سدھارے

صدقے گئی کیا شیر سے مسند پہ ہو سوتے
ماں ہوتی جو پیاری تمھیں جان اپنی نہ کھوتے

امام حسینؑ نے بھیجتے کی لاش اٹھائی گنجِ شہیداں میں پہنچا کر واپس آ گئے۔

شہزادۂ قاسمؑ ابن عباسؑ علمدار (شہید کربلا)

جب محمد ابن عباسؑ کی شہادت ان کے حقیقی بھائی قاسم ابن عباسؑ علمدار نے اپنی

آنکھوں سے دیکھی تو بے چین ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب اے بھائی تمہاری موت کے بعد میری زندگی مشکل ہو گئی، یہ کہہ کر آپ میدان کارزار کی طرف چلے ابو اسحاق اسفرائنی لکھتے ہیں:-

''حضرت قاسم ابن عباس علمدار جب میدان جنگ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ کا سن مبارک ۱۹ برس کا ہے۔ آپ رزم گاہ کربلا کی طرف روانہ ہو کر میدان میں پہنچے اور رجز کے یہ اشعار پڑھنے لگے:-

الیکم من نبیؐ المختار ضرباً

یشیب لھولۃ الطفل الرضیع

''میں تم پر نبیؐ مختار کے صدقے میں ایسا حملہ کروں گا کہ تمہارا دودھ پیتا بچہ بھی خوف اور ہول کی وجہ سے بوڑھا ہو جائے گا''۔

الا یا معشرا کفار جمعاً

بکل منھم خضب قطیع

''اے سارے کافرو! سنو! میں تم میں سے ہر ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا''۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اس کے بعد پیہم حملے کرتے رہے، یہاں تک کہ آٹھ سو دشمنوں کو قتل کیا، بھوک اور پیاس پھر زخموں کی شدت نے دبی ہوئی پیاس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ آپ فوراً امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی چچا جان میری آنکھوں میں پیاس سے حلقے پڑ گئے ہیں، تھوڑا سا پانی عنایت فرمایئے تاکہ دشمنوں سے لڑنے کے پھر قابل ہو جاؤں، یہ سن کر مجبور امام نے فرمایا، بیٹا! تھوڑی دیر اور صبر کرو، تمہیں تمہارے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جام سے سیراب کریں گے کہ پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی، یہ سن کر قاسم ابن عباسؑ پھر

میدان کارزار کی طرف واپس گئے اور دشمنوں پر حملہ کیا، اس حملے میں آپ نے بیس اشقیا کو قتل کیا، لڑتے لڑتے قاسم ابن عباسؑ شہید ہو گئے، امام حسینؑ میدان کارزار میں تشریف لائے، دشمنوں سے جنگ کی چار سو دشمنوں کو قتل کر کے حضرت عباسؑ کے فرزند کی لاش مقتل میں لا کر رکھ دی۔ (ملاحظہ ہو۔نور العین فی مشہد الحسین، ابواسحاق اسفرائنی ۵۲، ۵۳۔خلاصۃ المصائب ۱۰۲ توضیح عزا صفحہ ۲۲۰)

شہزادۂ فضل ابن عباسؑ علمدار اور شہزادۂ حسن ابن عباسؑ علمدار:

حضرت عباسؑ کے یہ دونوں فرزند بہت کمسن تھے، حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد زندہ تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ دونوں میں ایک مدینے واپس آیا ہے یا پھر دونوں کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

اِن دونوں شہزادوں کا ذکر مرثیہ نگار شعرا نے کیا ہے، حضرت عباسؑ رخصت ہو کر پیاسے بچوں کے لیے پانی لینے جا رہے ہیں اُس وقت زوجہ سے دونوں معصوم بچوں کے لیے وصیت کرتے ہیں:۔

زوجہ کی طرف دیکھ کے بولے بدلِ زار — کمسن ہیں یہ ان دونوں سے غربت میں خبردار
کی عرض کہ کچھ میں بھی کروں دردِ دل اظہار — فرمایا نہیں اس سے سوا فرصتِ گفتار

خالق کی انھی حفظ و حمایت میں دیا ہے
جس کی یہ امانت ہیں سپرد اُس کو کیا ہے

ہاں اک یہ وصیت ہے اگر تم کو رہے یاد — مرنے پہ بھی رہتی ہے وہی الفتِ اولاد
بچ جائیں جو ہر طرح کی آفت سے یہ ناشاد — اور تم بھی ہو قیدِ غم و اندوہ سے آزاد

کرنا عمل اُس وقت وصیت پہ ہماری
خود لے کے انھیں آئیو تربت پہ ہماری

کہنے لگی وہ زخمیٔ تیغِ غمِ فرقت   جیتی ہوں تو آنکھوں سے کروں گی میں یہ خدمت
اس وقت بگڑنے میں بنی واہ ری قسمت   بے مانگے ہوئے دے چلے آنے کی اجازت
کیوں کڑھتے ہو یہ لال تو پروان چڑھیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے
(میر عارفؔ)

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ فرات سے عباسؑ کا خوں بھرا علم لے کر خیمے میں آئے، علم کے گرد پیاسے بچوں اور سیدانیوں کا اژدھام تھا، اس وقت حضرت عباسؑ کے یہ دونوں معصوم بچے بھی زیرِ علم آ کر کھڑے ہوگئے، میر انیسؔ کہتے ہیں:-

زیرِ علم کھڑے تھے جو عباسؑ کے پسر   تکمہ کھلا تھا ایک کا اک تھا برہنہ سر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گُہر   سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رُخوں پر غُبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہؑ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا   بابا ہمارے گھر میں کب آئینگے کیوں چچا
آیا علم یہ اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا   چھوٹے سے تب رو کے بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیّا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

سن کر یہ سوئے نہر چلا پیٹتا وہ سر   گھبرا کے بولے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
کی عرض شہؑ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر   بابا کی لاش اٹھانے کو جاتا ہوں نہر پر
میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے

دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے
(میر انیسؔ)

حضرت عبیداللہ ابن عباسؑ علمدار:

حضرت عبیداللہ ابن عباسؑ علمدار حضرت اُمّ البنینؑ کے پانچویں پوتے ہیں۔ آپ کربلا نہیں گئے۔ اپنی دادی اُمّ البنینؑ کی خدمت میں حاضر رہے مدینے میں قیام تھا۔ اس وقت اُن کا سن پانچ اور سات برس بتایا جاتا ہے۔ اہلحرم کی مدینے واپسی کے وقت جب بشیر بن جزلم نے مدینے میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر سنائی اور کہا کہ حضرتِ سید سجادؑ لٹا ہوا قافلہ ساتھ لے کر آئے ہیں تو حضرت اُمّ البنینؑ اپنے پوتے عبیداللہ کے ہمراہ روضۂ رسول پر تشریف لائیں۔

اس موقع پر مقاتل میں ایک ہی روایت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے کہ عبیداللہ ابن عباسؑ کی گفتگو بشیر سے ہوئی۔

''اس عالم میں ایک خوبصورت بچے کو بشیر نے دیکھا جو ایک معظّمہ کے ساتھ ہے، بچے نے آگے بڑھ کر بشیر سے پوچھا۔

بشیر! تو نے کہا کہ ہمارے آقا امام حسینؑ شہید ہوگئے، یہ بتا میرے بابا آئے ہیں یا نہیں؟ بابا آئے ہوں تو میں اچھے کپڑے پہن کر آؤں ورنہ سیاہ لباس پہن لوں''۔

بشیر نے پوچھا، شہزادے! آپ کا بابا کون ہے اور آپ کس کے انتظار میں ہیں۔

عبیداللہ ابن عباسؑ علمدار نے کہا، میرے بابا عباسؑ، علمدار ہیں''۔

بشیر کا دل تڑپ گیا سر جھکا کر بولا شہزادے اب ماتمی لباس پہن لیجیے آپ کے بابا کربلا کے میدان میں فرات کے کنارے شہید کر دیئے گئے۔

(ریاض القدس صفحہ ۱۵۸)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے نزدیک جناب عبیداللہ کی بڑی اہمیت تھی، لہٰذا جب بھی امام کی نظران پر پڑتی تو آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے تھے۔ لوگوں نے حضرت سے گریہ کی وجہ پوچھی تو فرمایا:-

کربلا میں عباسؑ علمدار کا کارنامہ یاد آجاتا ہے اور بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔

جناب عبیداللہ ابن عباسؑ اپنی دادی اُمّ البنینؑ کی بے انتہا خدمت فرماتے تھے۔ جب جنت البقیع جاتی تھیں یہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔

جناب عبیداللہ جب جوان ہوئے اُن کا شمار جلیل القدر علماء میں ہونے لگا، حسن و کمال میں بے نظیر تھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے شاگردوں اور صحابیوں میں آپ کا شمار ہے امام علیہ السلام آپ کی بہت تکریم فرماتے تھے۔

جناب عبیداللہ ابن عباسؑ نے تین شادیاں کی تھیں، تینوں ازواج کے نام ہیں:-

۱۔ جناب رقیّہ دختر امام حسن علیہ السلام

۲۔ دختر معبد بن عبداللہ بن عباسؑ بن عبدالمطلب

۳۔ دختر میسور بن مخزمہ زبیری

جناب عبیداللہ ابن عباسؑ علمدار نے ۱۵۵ ھجری میں وفات پائی۔ آپ کثیر الاولاد تھے ان میں سے ایک فرزند حسن ہیں جن کی اولاد میں سے علماء، اُمرا، اشراف لوگ پیدا ہوئے، یہاں تک کہ عراق، یمن، ہندوستان، طبرستان، شام، مصر، ایران وغیرہ میں پھیل گئے۔

جناب حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار:

جناب حسن نے ۶۷ برس کی زندگی پائی، آپ کے پانچ فرزند تھے۔

۱۔ فضل ۲۔ حمزہ ۳۔ ابراہیم ۴۔ عباس ۵۔ عبداللہ یہ پانچوں بھائی اپنے وقت

کے مشاہیر علماء وادبا اور اہلِ شعروسخن تھے۔

ان پانچوں بھائیوں سے جو اولاد ہوئی نسل درنسل سب کے سب عالم، فاضل، ابرار، متقّی، عظیم شان کے مالک، کریم و سخی، جلالتِ عظمت، علم، حلم، زہد، عبادت، سخاوت، خطابت میں جواب نہ رکھتے تھے۔ عوام اُن کے علوم و کمالات سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔

﴿۱﴾ فضل بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس علمدارؑ:

جناب فضل۔ مرد فصیح و متکلم، دین کے معاملے میں شدید اور عظیم شجاعت کے مالک تھے۔ اپنے وقت کے عظیم ترین ادیب اور شجاع تھے۔ ان کے تین فرزند تھے اور تینوں ادیب تھے۔ (عمدۃ الطالب)

فضل اپنے بھائیوں میں فصیح متکلم حاضر جواب باتقویٰ اور شجاع تھے۔ خلفاء آپ کو عظمت کی نظر سے دیکھتے اور ''ابن الہاشمیہ'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ (مقرم صفحہ ۳۰۹)

ان کی نسل تین بیٹوں سے چلی ان میں سے ہر ایک کی اولادیں تھیں جو قم طبرستان میں پھیلی ہوئی تھیں اور جو اپنے اپنے وقت کے ادیب و شاعر تھے۔
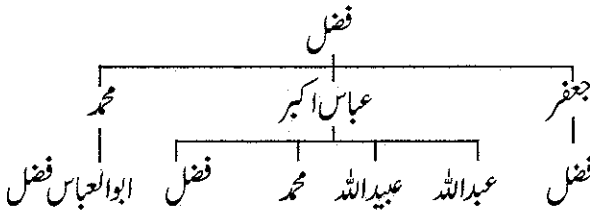
ابوالعباس فضل بن محمد بن فضل بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار:

آپ کے والد محمد بن فضل اور دادا فضل بن حسن ہیں جو زبردست خطیب و شاعر گذرے ہیں۔ ان کے اشعار میں سے ایک مرثیہ ہے جو انھوں نے اپنے جد بزرگوار

حضرت عباسؑ کے متعلق کہا ہے۔ فضل صاحبِ اولاد ہیں۔ (احسن المقال صفحہ۲۲۴)

مولانا سید آغا مہدی لکھنوی لکھتے ہیں:-

فضل بن محمد بن فضل بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ بن علیؑ۔ پانچویں پشت کا تاثر یہ تھا **انی لاذکر للعباس موقف بکربلا وهام القوم تختطف** میں یاد دلاتا ہوں دشت کربلا میں حضرت عباسؑ کی (بلند) جگہ کو جب (اعداء دین کے) سروں کی بارش تھی **یحمی الحسین ویحمیه علی ظماء لایولی ولا یتثی فیختلف** وہ تشنہ لبی میں حسینؑ کی حمایت کر رہے تھے نہ اُنھوں نے دشمن کو پیٹھ دکھائی اور نہ اپنے حملوں میں کمزور ہوئے **ولا اری مشهدا یوما کمشهده مع الحسین علیه الفضل والشرف** (عباسؑ نے) امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہو کر جو فضل و شرف حاصل کیا وہ کسی شہادت میں اُن کی روز شہادت کا ایسا مجھے نظر نہ آیا۔ پانچ پشتوں میں کم وبیش ستر برس کا زمانہ گذرتا ہے اور دوسرے مصرعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ سروں کی بارش اُسی وقت ممکن ہے جب وہ حضرت شمشیر بکف تسلیم کئے جائیں نیزوں سے سر نہیں کٹتے یہ مصرعہ رد ہے اُس کی جو کہتے ہیں کہ دستِ عباسؑ میں فقط نیزہ تھا۔

جعفر ابن فضل ابن حسن

ان کا لقب غریب تھا اور ان کی قبر شیراز میں ہے اور سیّد حاجی غریب کے نام سے مشہور ہیں۔ (منتخب التواریخ صفحہ۲۱۲)

﴿۲﴾ حمزہ اکبر ابن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار:

حمزہ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور حضرت علیؑ کے ساتھ شباہت رکھتے تھے۔ اور یہ وہی ہیں کہ جن کے متعلق مامون رشید نے اپنے قلم سے لکھا کہ حمزہ بن حسن شبیہ امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ایک لاکھ درہم دیئے جائیں۔

بقول ''علامہ مقرم'' ان کی شادی جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے فرزند علی بن عبداللہ کے بیٹے حسین کی دختر زینبؑ سے ہوئی تھی۔ جن کے دادا کو لوگ علی زینبی کے نام سے یاد کرتے تھے اوران کی شہرت ان کی مادر گرامی جنابِ زینبؑ کبریٰ کی وجہ سے تھی۔

علی بن حمزہ بن حسن:

صاحبِ خلاصہ نے ان کو ثقہ شمار کیا ہے۔ نجاشی کے نزدیک ثقہ راوی حدیث ہیں۔ ایک نسخہ کتاب ان کے پاس تھا جس کی ساری احادیث امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کرتے تھے (کبریت احمر۔۳۸۱)
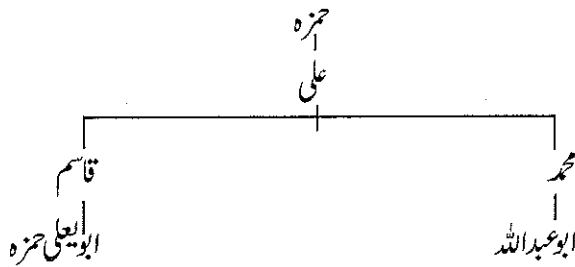
محمد بن علی بن حمزہ:

حمزہ ابن حسن ابن عبید اللہ کے پوتے ہیں۔ فاضل اجمل اور بہترین شاعر تھے۔ شیخ نجاشی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور صحیح الاعتقاد تھے۔

بصرہ میں قیام تھا۔ انھوں نے امام رضا علیہ السلام سے روایت حدیث کی ہے۔ وہ اپنے وقت کے معروف عالم اور شاعر تھے۔ ۲۸۶ ھجری میں وفات ہوئی۔ (عمدۃ الطالب)

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے راوی تھے۔ اُن کی

اولاد سمرقند اور طبرستان میں سکونت پذیر ہوئی۔ سب کے سب عظیم القدر اور اپنے علاقے کے قاضی گذرے ہیں۔ (کبریتِ احمر)

ابوعبیداللہ بن محمد:

ابوعبیداللہ بن محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ادیب اور شاعر اور عالم اور راویٔ اخبار تھے۔ اپنے والد محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار سے روایت کرتے ہیں۔ اپنے استاد کی وساطت سے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ جب خدا کسی مخلوق پر غضبناک ہوتا ہے اور ان کے عذاب میں جلدی نہیں کرتا (مثلاً ہوا اور اس قسم کے دوسرے عذابوں کے ساتھ انھیں ہلاک کرتا کہ جن کے ساتھ اس نے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا ہے) تو پھر ایسی مخلوق پیدا کر دیتا ہے جو خدا کو نہیں پہچانتی اور وہ انھیں عذاب کرتی ہے۔ (احسن المقال صفحہ ۲۲۴)

ابوعبیداللہ بن محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن حضرت عباس علمدار علیہ السلام۔

آپ آلِ محمدؐ کے نزدیک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جس وقت حکومت وقت کو یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند امام مہدیٔ عصرؑ ظلم و جور کو تہس نہس کر دے گا تو حکومت کے جاسوس امام عصرؑ کے بیت الشرف میں آپ کی والدہ ماجدہ کی تلاش میں داخل ہوئے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادتِ عظمیٰ کا وقت قریب آ پہنچا تھا۔ جناب نرجسؑ خاتون حالتِ اضطراب میں با حالِ پریشان پانچ برس کے بیٹے حضرت امام عصرؑ کو گود میں لیے ہوئے خدمتِ امام حسن عسکریؑ میں حاضر تھیں۔

آپ گریہ فرما رہی تھیں اور کہتی جاتی تھیں۔اے مرے سیّد و سردار اے مرے والی و وارث گھر کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے عنقریب میرے لال کو اور مجھے گرفتار کر لیا جائے گا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:-

نرجسؑ پریشان نہ ہو، دجلہ کے کنارے جاؤ ایک کشتی موجود ہے، اس پر میرے بیٹے کو لے کر بیٹھ جاؤ سرمن رائے کے ایک کوچے میں تمہیں ایک مکان ملے گا۔اس مکان سے ایک بزرگ نکلیں گے جو ہمارے فرزند اور تمہاری حفاظت کریں گے۔

جناب نرجس خاتون نے فرمایا:-

''آقا! وہ کون بزرگ ہیں''

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:-

نرجس سنو! کربلا میں ہمارے چچا عباسؑ علمدار نے اپنی اولاد کو قسم دی تھی کہ جب تک دنیا میں رہنا میرے آقا حسین ابن علیؑ کی اولاد کی حفاظت کرتے رہنا، عباس ابن علیؑ کی اولاد ہر دور میں نسلِ حسینؑ کی حفاظت کرتی رہی ہے۔ چچا عباسؑ کی اولاد میں ایک بزرگ ابوعبیداللہ اس مکان میں تمہاری حفاظت کریں گے۔

فہرستِ نجاشی میں لکھا ہے کہ جناب ابوعبیداللہ بن محمد بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار نے جناب نرجس خاتون کو اپنے گھر میں چھپا دیا تاکہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں۔اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس گھر میں نرجس خاتون سلام اللہ علیہا تشریف فرما ہوں گی اس گھر میں بہرحال امام عصر علیہ السلام کی آمد و رفت ہوگی، وہ گھر عزت و شرف کا حامل ہوگا۔

آپ نے آئمہ طاہرین علیہم السلام سے روایات نقل فرمائی ہیں۔زبردست عالم و شاعر اور عوام میں قابلِ احترام شخصیت تھے۔

ابومحمد القاسم:

بنی حمزہ میں سے ہیں ابومحمد قاسم بن حمزۃ الاکبر جو یمن میں بڑی عظمت کے مالک تھے اور وہ بہت خوبصورت اور وجیہ تھے اور زہد کی طرف چونکہ طبیعت بہت مائل تھی لہٰذا لوگ انھیں صوفی کہا کرتے تھے۔

ابویعلی حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ:

بنی حمزہ میں سے ابویعلی حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار ہیں۔ثقہ جلیل القدر ہیں کہ جن کا شیخ نجاشی اور دوسرے علما نے تذکرہ کیا ہے۔ آپ اپنے وقت کے عظیم ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں آپ کا دورِ حیات تھا جس کی وجہ سے آپ کلینیؒ (صاحبِ کافی) کے ہم عصر تھے۔ان کی قبر حلّہ میں ہے۔ (احسن المقال ۲۲۶)

شیخ نجاشی نے نجم الثاقب میں بیان کیا ہے کہ غیبتِ کبریٰ میں حضرت امام صاحب العصرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابویعلی حمزہ، سید جلیل القدر ہیں چھ واسطوں سے آپ کا نسب حضرت ابوالفضل العباس تک پہنچتا ہے میرزا محمد علی اردوبادی نے آپ کی حیات وکارنامے پر ایک کتاب تالیف فرمائی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں،

> ''ابویعلی، علمائے اہلِ بیتؑ میں سے ہیں خاندان وحی اور بوستان ہاشم کی نمایاں فرد ہیں، آپ کا شمار مشائخ روایت میں ہوتا ہے آپ علماء اعلام کے لیے علوم آلِ محمدؐ کا مرجع تھے جن علمی شخصیتوں نے آپ سے استفادے کئے ان میں حسب ذیل ہیں۔

(ب) ابومحمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری [illegible]

ہے ۳۸۵ھ میں رحلت فرمائی۔

(ج) حسین بن ہاشم مودّب،

(د) علی بن احمد بن محمد بن عمران دقّاق اور حسین بن ہاشم یہ دونوں مشائخ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی ہیں۔

(ہ) علی بن محمد قلانسی، عبداللہ غضائری جو علم رجال کے ماہر تھے ان کے مشائخ میں ہیں۔

(و) ابوعبداللہ حسین بن علی خزّاز قمی۔

حالات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب حمزہ زمانہ مرحوم کلینی میں تھے تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل تک زندہ رہے اسی لیے آغا بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب ''نابغۃ الرواۃ فی رابعہ المئات'' میں جناب حمزہ کی بہت تعریف کی ہے۔

جناب حمزہ کے علمی آثار میں، کتاب التوحید، کتاب الزیارات، المناسک کتاب الرد علی محمد بن جعفر اسدی، اور من روی عن جعفرؑ بن محمدؑ ہے۔ نجاشی و علامہ نے ان کتابوں کی بہت تعریف کی ہے۔

آغا بزرگ تہرانی نے جناب حمزہ کو علماء رجال میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب رجال میں ذکر کیا ہے۔ (مصفی المقال فی مصفی علماء رجال)

نجاشی کی کتابوں کی سندیں ابن غضائری کے ذریعہ قلانسی تک منتہی ہوتی ہیں اور قلانسی سے جناب حمزہ تک پہنچتی ہیں۔

متقدمین و متاخرین سبھی علماء نے حمزہ کو موثق و معتبر قرار دیا ہے۔ مرحوم شیخ عباس قمی نے انہیں ان علماء میں قرار دیا ہے جو صاحب اجازۂ حدیث تھے اس لیے سبھی علماء رجال نے آپ کو علم و تقویٰ سے متصف کیا ہے۔ (نجاشی، علامہ مجلسی، مامقانی، شیخ عباس قمی)

اگرچہ صاحب اجازۂ حدیث ہونا جناب حمزہ کے لیے کوئی مرتبہ نہیں ہے کیوں کہ صاحب اجازۂ حدیث ہونا ناشناختہ افراد کے لیے ہوا کرتا ہے جناب حمزہ تمام علماء رجال کے لیے معروف تھے جیسا کہ گذشتہ صفحے میں ذکر ہو چکا ہے، آپ کے مقبرہ سے جو کرامات ظاہر ہوئے ہیں وہ خود آپ کی عظمت کے گواہ ہیں، جناب حمزہ علمائے اہلِ بیت علیہم السلام کی نمایاں فرد ہیں ساری خصوصیتیں اور خصلتیں ان کی ذاتی ہیں آپ کسی کی توثیق وتائید کے محتاج نہیں ہیں خود بے شمار حدیثوں کا آپ سے نقل ہونا آپ کی بزرگی ومنزلت کے لیے کافی ہے حضرات ائمہ طاہرینؑ نے فرمایا ہے:

ہمارے علماء کی قدر ومنزلت کا انحصار ہماری روایت کے بقدر ہے، معصومؑ کا یہ ارشاد اس بات کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے کہ علمائے اہلِ بیتؑ کو زیادہ سے زیادہ احادیث آئمہ اطہار علیہم السلام میں دقت وکاوش کرنا چاہیے تاکہ آپ کے معارف عوام تک زیادہ سے زیادہ منتقل ہوسکیں۔ کیونکہ یہی چیزیں انسان کو خدا سے قریب کرتی ہیں۔

جناب حمزہ میں دونوں باتیں جمع تھیں وہ ایک طرف شجرۂ طیبہ رسالت کی فرد تھے دوسری طرف احادیث ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مستند راوی۔

جناب حمزہ کے مشائخ روایت کی ایک فہرست ہے جو رجال واحادیث کی کتابوں سے جستجو کے بعد فراہم کی گئی ہے، مثلاً رجال شیخ، فہرست نجاشی، کمال الدین شیخ صدوق وہ مشائخ یہ ہیں۔

(۱) سعد بن عبداللہ اشعری (۲) حسن بن میثل (۳) محمد بن اسمٰعیل بن زارویہ قمّی (۴) علی بن عبداللہ بن یحییٰ (۵) جعفر بن مالک، فزاری کوفی (۶) ابوالحسن علی بن جنید رازی (۷) اور ان مشائخ میں سب سے زیادہ جن سے جناب حمزہ نے استفادہ کیا وہ آپ کے چچازاد بھائی ابوعبیداللہ ہیں، ابوعبیداللہ مذکور

آل محمدؑ کے نزدیک نمایاں مقام رکھتے تھے جس وقت حکومت وقت کو یہ خبر ملی کہ امام حسن عسکریؑ کا فرزند ظلم و جور کو تہس نہس کر دے گا تو حکومت کے جاسوس امام عصرؑ کے بیت الشرف میں آپ کی والدہ ماجدہ کی تلاش میں داخل ہوئے جناب ابوعبیداللہ نے جناب نرجس خاتون کو اپنے گھر میں چھپا دیا تاکہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں۔

(فہرست نجاشی)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس گھر میں نرجس خاتون سلام اللہ علیہا تشریف فرما ہوں گی اس گھر میں بہرحال امام عصرؑ کی آمد و رفت ہوگی، وہ گھر عزت و شرف کا حامل ہوگا۔

حضرت امام عصرؑ سے ابوعبیداللہ کے اس گہرے ارتباط کے بعد ان کے لیے پھر کسی تائید کی ضرورت نہیں، یہ ابوعبیداللہ جناب حمزہ کے مشائخ میں ہیں لہٰذا اب جناب حمزہ کے لیے بھی کسی توثیق کی ضرورت نہیں ہے۔

ابن عنبہ نے اپنی کتاب عمدہ، میں لکھا ہے کہ ابوعبیداللہ نے بصرہ میں سکونت کی حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ سے روایتیں نقل کیں ابو عبیداللہ نے بصرہ کے باہر بھی روایات ائمہ طاہرین علیہم السلام نقل فرمائی ہیں، عالم و شاعر اور عوام میں قابل احترام شخصیت تھے۔

نجاشی کا خیال ہے کہ ابوعبیداللہ نے امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے بھی حدیثیں نقل کی ہیں اور معصومؑ سے مکاتبات بھی تھے اور ایک کتاب بھی تالیف کی تھی جس کا نام مقاتل الطالبین تھا، جو ابوالفرج اصفہانی سے علیحدہ تھی۔

نجاشی اور دوسرے علماء نے بھی آپ کے جد علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ ابن حضرت عباسؑ علمدار کی وثاقت کی تائید کی ہے، جناب حمزہ کا مقبرہ حلہ میں آج بھی

''قریہ حمزہ'' میں مومنین کے لیے زیارت گاہ ہے آپ کے حرم سے کرامات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور دردمند دلوں کی مرادیں بھی پوری ہوتی رہتی ہیں پہلے آپ کے لیے یہ کہا جاتا تھا کہ آپ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند ہیں لیکن بعد کے محققین نے یہ ثابت کیا کہ حمزہ فرزند امام ہفتمؑ کی قبر شاہ عبدالعظیم کے پہلو میں ہے۔

حِلّے میں حمزہ کا روضہ:

مرحوم فقیہ بزرگ مہدی قزوینی جس وقت تبلیغ کے سلسلہ سے حلّہ میں مقیم تھے بنی زید کی تبلیغ کے لیے مزار حمزہ سے گذرے لیکن زیارت نہیں کی، کسی موقع پر جب آپ وہاں سے دوبارہ گذرے تو اہلِ قریہ نے زیارت جناب حمزہ کی درخواست کی لیکن فقیہ قزوینی نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ جس کو پہچانتا نہیں اس کی زیارت کے لیے نہیں جاؤں گا، شب سید قزوینی نے اسی قریہ میں گذاری صبح کو دوسری بستی میں جانا تھا نماز شب پڑھی طلوع سحر کے انتظار میں جانماز پر بیٹھے تھے کہ اسی بستی کے ایک سید جو متقی و پرہیز گار تھے جنہیں سید قزوینی پہلے سے جانتے تھے وارد ہوئے سلام کیا اور کہا: سیّد قزوینی آپ نے قبر حمزہ کی زیارت نہیں کی اور نہ اس کو اہمیت دی، سید قزوینی نے فرمایا: ہاں زیارت نہیں کی چونکہ میں انہیں نہیں جانتا ہوں۔

سید علوی نے سید قزوینی کے جواب میں کہا: کہ عوام میں مشہور ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند حمزہ کی قبر ہے۔ لیکن درحقیقت یہ قبر حمزہ بن قاسم کی ہے علمائے رجال نے آپ کی بہت مدح سرائی فرمائی ہے صاحب اجازۂ حدیث ہیں، لیکن سید قزوینی نے ایک عام مومن تصور کرتے ہوئے سید علوی کے بیان پر کوئی توجہ نہیں دی، صبح صادق کی تشخیص کے لیے مصلّے سے اٹھے وہ سید علوی بھی جدا ہو گئے نماز کے بعد سید قزوینی کے ہمراہ جو علم رجال کی کتابیں تھیں اس کو دیکھا تو جناب حمزہ کے لیے

حرف بحرف وہی پایا جس کی خبر صبح کو سید علوی نے دی تھی۔

صبح کے وقت جب مومنین آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے تو وہ سید بھی دکھائی دیئے جو نماز صبح کے قبل سید قزوینی سے ملے تھے سید نے انھیں بلایا اور پوچھا آپ نے جو صبح کو باتیں کہی تھیں اس کو کس کتاب میں دیکھا تھا ان سیّد نے قسم کے بعد کہا کہ وہ اصلاً شب میں اس بستی میں نہیں تھے۔

پھر سید قزوینی متوجہ ہوئے کہ! وہ سید علوی حضرت بقیۃ اللہ الاعظم تھے اس واقعہ کے بعد سید قزوینی رحمہ اللہ جناب حمزہ کی زیارت کے لیے چلے اور کہا کہ مجھے اب کوئی شک نہیں ہے، ان کے اس عمل کے بعد مومنین کی توجہ بھی زیادہ ہوگئی پھر بعد میں سید قزوینی نے ''فلک النجاۃ'' میں اس کی تصدیق کی نتیجہ میں بعد کے علماء نے بھی آپ کی اتباع میں اس قبر کو حمزہ، فرزند قاسم کی قبر قرار دیا۔

حیدر المرجانی لکھتے ہیں:-

اسی طرح عبید اللہ اول فرزند حضرت عباس علیہ السلام کے ایک فرزند جن کا نام حمزہ تھا ان کا شجرہ یوں ہے۔ حمزۃ الغربی کنیت، ابو یعلی علی بن قاسم ابن علی ابن حمزہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس ہے چنانچہ بحر العلوم نے ''تحفۃ العالم'' میں رجال نجاشی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اُن کی قبر حلّہ کے قریب۔ محلّہ زیدیہ میں اب تک موجود ہے۔ چنانچہ کمونہ نے اپنی کتاب مشاہد العترت میں لکھا ہے۔ حمزہ غربی کے روضہ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

ان کے مقبرے کی عمارت ۱۳۴۹ ھجری میں سر نو تعمیر کی گئی۔ وہاں کے تاجروں کے سرمائے سے قبہ کی تزئین کی گئی تھی۔ اخیر میں ۱۹۸۴ مطابق ۱۳۹۴ ھجری میں عراق کے

صدر احسن البکر (علیہ اللعنۃ) کے دور حکومت میں دوبارہ بنایا گیا۔ احسن البکر نے اپنی آنکھوں سے کرامات مشاہدہ کیا تھا۔ حمزہ ابن عبید اللہ کی خواب گاہ ابدی وہاں بہت مشہور ہے۔

روضے کی زیارت:

راقم الحروف (ضمیر اختر نقوی) دو مرتبہ ہم کربلائے معلّٰی زیارت کے لیے گئے۔ دونوں مرتبہ حلّہ میں جناب حمزہ کے روضے پر حاضری دی۔ آپ کا روضہ آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ گرد و نواح کے عرب مرد و زن نہایت ہی عقیدت سے روضہ پر حاضری دیتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ مالکِ کائنات اولادِ حضرت اُمّ البنینؑ اور نسلِ حضرت عباس علمدار کے اس جلیل القدر سیّد و عالمِ دین کے طفیل میں زائرین کی مرادوں کو پورا کرتا ہے اور اُن کے دامنِ تمنا کو گوہرِ مراد سے بھر دیتا ہے۔

میں جب دو مرتبہ زیارت کے لیے گیا اتفاق سے میرے ساتھ دونوں مرتبہ برادرم سیّد ناصر رضا رضوی، ہمشیرہ عزیزہ سیدہ نسرین فاطمہ اور میرے دونوں بھانجے سیّد حسین رضا سلمہٗ اور سیّد عباس رضا سلمہٗ اور بھانجیاں سیدہ سبیکہ رضا، سیدہ انیسہ رضا، سیدہ سمائنہ رضا بھی ساتھ تھے۔ دوسری مرتبہ کی زیارت میں ذاکر اہلِ بیتؑ سیّد ماجد رضا عابدی بھی ہمراہ تھے روضے پر ہم نے مجلس بھی منعقد کی اور نوحہ خوانی بھی ہوئی۔ اس وقت جناب حمزہ بن قاسم کی قبر پر حضرت عباسؑ کے روضے کی پرانی ضریح نصب کی گئی ہے۔

﴿۳﴾ ابراہیم (جردقہ) بن حسن بن عبید اللہ بن عباسؑ علمدار:

ابراہیم جردقہ (روٹی تقسیم کرنے والا، سخی) یہ اپنے وقت کے زاہد، فقیہ اور ادیب تھے۔ ان کا شمار مشہور ادیبوں میں تھا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ حسن، محمد اور علی۔
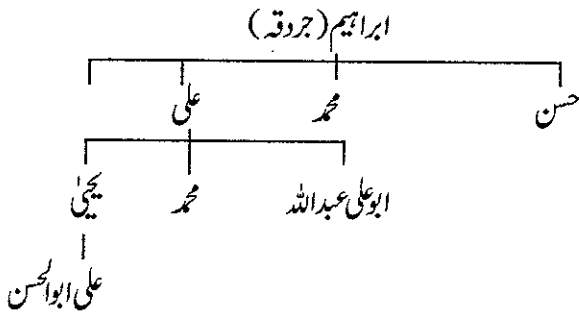
علی بن ابراہیم:

اسخیائے بنی ہاشم میں سے تھے اور صاحبِ عزت و وقار تھے۔ بڑے فیاض، سخی اور صاحبِ جاہ تھے۔ حشمت و جلالت کے مالک تھے۔ نہایت نرم دل۔ ۲۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے ۱۹ فرزند تھے ۱۹ میں سے کچھ بغداد میں رہے کچھ مصر اور بصرے چلے گئے۔

عبداللہ بن علی بن ابراہیم جردقہ:

جن میں سے ایک عبداللہ بن علی بن ابراہیم جردقہ بغداد کے خطیب تھے اور ان کی کنیت ابوعلی تھی اور وہ اہلِ بغداد میں سے تھے۔ مصر میں جا کر وہیں سکونت اختیار کی اور ان کے پاس کچھ کتابیں "مجموعہ جعفریہ" کے نام کی تھیں جن میں فقہ اہلِ بیت ہے۔ اور انھیں شیعہ فقہ پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ ان کی وفات مصر میں ۳۱۲ھ میں ہوئی۔

(احسن المقال صفحہ ۲۲۶)

علی بن ابراہیم کے دوسرے فرزند محمد بن علی تھے جو بصرہ چلے گئے تھے۔ پائے کے عالم تھے یہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی حدیثوں کے راوی بھی ہیں۔ بڑے فقیہ، زاہد اور شاعر بھی تھے۔

﴿۴﴾ عباسؑ (خطیبِ فصیح) بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار:

عباسؑ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار کی کنیت ابوالفضل ہے۔ اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب تھے اُن کے کارنامے تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ فصاحت بیان وشعر میں بنی ہاشم میں نمایاں و بے نظیر تھے وہ خطیب فصیح اور شاعر بلیغ تھے صاف گواور جری تھے۔ ہارون رشید کے ہاں صاحبِ عزت واحترام تھے۔ کوئی ہاشمی ان سے زیادہ تیز گفتگو کرنے والا نہیں دیکھا گیا۔ مدینے میں آباد تھے ہارون رشید کے عہد میں بغداد آئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ آپ کی جلالت وفضل وادب کی وجہ سے بادشاہ آپ کو کنیت سے مخاطب کرتا تھا۔ ''حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے موقع پر دربارِ مامون رشید میں امام کی بارگاہ میں سب سے پہلے عباس ابنِ حسن (اولادحضرت عباس علمدار علیہ السلام) نے قصیدۂ تہنیت پڑھ کر سنایا۔ پھر عرب وعجم کے کثیر التعداد شعرا نے اپنے اپنے قصیدے پیش کئے (تحفۂ رضویہ از فوق بلگرامی صفحہ ۵۲۱)

بعض نے ان کے دس فرزند بتائے ہیں۔ بعض نے چار بیٹے بیان کئے ہیں۔
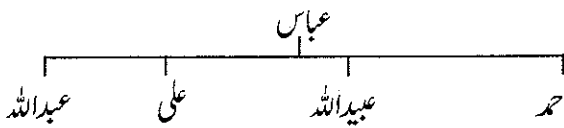
عبداللہ ابن عباس بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار:

عبداللہ بن عباسؑ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار اپنے باپ کی طرح شاعر فصیح تھے والدہ کا نام افطیسہ تھا۔ مامون بہت عزت کرتا تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو مامون نے پا پیادہ جنازے میں شرکت کی مامون نے ان کو سردار ابن سردار کا لقب دیا تھا۔ ان کے فرزند حمزہ ہیں۔ حمزہ کی اولاد شام کے علاقے طبریہ میں ہے۔ حمزہ کے

فرزند ابوطیّب محمد بن حمزہ ہیں۔(احسن المقال۔۲۲۷)

ابوطیّب محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن عباس:

آپ کا شجرہ یہ ہے:-ابوطیّب محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن عباس بن حسن بن عبیداللہ بن حضرت عباس علمدار،

آپ حمزہ کے صاحبزادے ہیں۔آپ میں مروّت حد سے زیادہ تھی اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ صلۂ رحم بہت کرتے تھے جس کی وجہ سے بہت عظمت و منزلت رکھتے تھے۔اُردن کے علاقے طبریہ میں آپ کی بہت زیادہ جائداد تھی۔شجاعت میں مشہور زمانہ تھے،حکومت قرامطہ کے دور میں اُن کو ظلم و زیادتی سے شہید کیا گیا۔(حیدرالمرجانی)

طغج بن جف خرغانی نے حسد کی وجہ سے اپنے سپاہیوں کے ذریعے آپ کو قتل کر دیا۔ یہ حادثہ ۲۹۱ھ میں ہوا۔شعرا نے آپ کی وفات پر مرثیے اور سوگنامے کہے تھے(مقرم)

بنوشہید بن ابوطیّب محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن عباس بن حسن:

معلوم نہیں کہ بنوشہید ابوطیّب محمد کے بیٹے ہیں یا پوتے، بہرحال صاحب معجم الشعراء نے لکھا ہے کہ شاعر تھے اور اپنے بزرگوں کے کارناموں پر افتخار کرتے تھے۔ متوکل کے عہد کے بعد تک زندہ رہے۔الغدیر میں علامہ امینی نے شعرائے غدیر میں آپ کا ذکر کیا ہے۔کتاب بحرالانساب میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

﴿۵﴾ عبداللہ (امیرِ مکہ) بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار:

عبداللہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدارؑ۔ یہ حرمین کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ تمام بھائیوں میں سن کے لحاظ سے بڑے تھے۔لوگ ان کو امیر کہہ کر پکارے تھے

کیونکہ وہ حکومت عباسی کے ابتدائی دور میں مکہ اور مدینہ کے امیر کے منصب پر فائز رہے۔ (طبری، احسن المقال۔۲۲۷)

آپ سے زیادہ بارعب اور بامروت شخص دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ مامون کے زمانے میں حرمین کے متولی اور قاضی شہر تھے۔

آپ کے لیے محمد بن یوسف جعفری کا بیان ہے:

''ہیبت وحشمت ومروّت میں ان کے جیسا انسان نہیں دیکھا زمانہ مامون میں مدینہ ومکہ کے متولی اور انہیں دونوں شہروں کے قاضی بھی رہے۔ (طبری ج اصفحہ ۳۵۵)

۲۰۴ھ اور ۲۰۶ھ میں مامون رشید نے امیر حج بھی معین کیا تھا مامون ہی کے زمانہ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۱۳)

عبداللہ بن حسن کے دو بیٹے تھے علی اور حسن
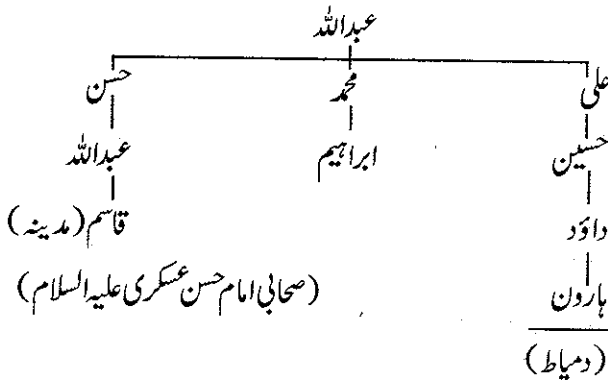
ابراہیم بن محمد:

ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ علمدار آپ قزوین میں شہید کئے گئے۔ قبر بھی قزوین میں ہے۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۳۷۰)

علی بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ بن عباسؑ علمدار:

علی، آپ کی اولاد ''دمیاط'' میں ساکن ہوئی اور بنو ہارون کے نام سے مشہور رہی اور جو مقام ''فسا'' میں آباد ہوئی۔ اس کو ''بنو ہدہد'' کہا جانے لگا،

حسن بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ:

حسن، جناب علیؑ کے بھائی آپ کے فرزند عبداللہ ہیں۔

عبداللہ بن حسن بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ:

عبداللہ بن حسن، آپ کے گیارہ لڑکے ہوئے۔

قاسم بن عبداللہ بن حسن بن عبداللہ بن حسن بن عبید اللہ:

قاسم، عبداللہ کے بیٹے ہیں مکہ و مدینہ کے حاکم و قاضی تھے، مدینہ منورہ میں صاحب الرائے اور متکلم شمار ہوتے تھے۔ ''وہ محدث، فقیہ اور بڑی جماعت کے امیر تھے۔ آپ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے اصحابِ خاص میں تھے''

(حیدر المرجانی)

فرزندان علی و جعفر ''شاید امام علی نقی کے فرزند ہیں'' کے درمیان انس و محبت برقرار رکھی، جناب قاسم امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ (عمدۃ الطالب)

حضرت ابوالفضل العباسؑ کی پاکیزہ نسل ہر دور میں صاحبان فضل و کمال سے بھری رہی جن میں اپنے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ اور صفات حسنہ پائے جاتے رہے، ہمیشہ آثار سیادت و شرافت ظاہر رہا، رگ و پے میں علم و عمل عزت نفس بھری ہوئی تھی۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی نسل کے کچھ افراد ہندوستان بھی آئے تھے۔

مولانا سیّد آغا مہدی لکھنوی لکھتے ہیں:-

اولاد کا باقی رہنا بھی ثمرۂ شہادت ہے اور یہ مستقل موضوع ہے جس پر فاضل حنفی ظفر آبادی، نورالدین ملا محمد عوض کے حال میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے مشہور عالموں اور ریاضت کردہ فاضلانِ جونپور میں تھے اُن کے نسب کا سلسلہ حضرت عباس علمدار تک پہنچتا ہے وہ شیخ علی حزیں مشہور (ادیب وفقیہہ) کے ہمعصر تھے اُن کے فرزند کا نام ملا فتح محمد تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ اولادِ علمبردار کے وجود سے ظلمت کدہ ہند بھی خالی نہیں۔

برٹش میوزیم (لندن) میں اولادِ حضرت اُمّ البنینؑ پر کتاب:

مولانا سیّد آغا مہدی لکھنوی لکھتے ہیں:-

برٹش میوزیم کی فہرست مرتبہ ڈاکٹر چارلس صفحہ ۴۳۷ کے مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ بزرگان جناب رسالت مآب میں جناب عبداللہ وابوطالب کی اولاد پر ایک خصوصی تصنیف محمد بن عبداللہ حسینی سمرقندی کی تحفۃ الطالب نامی (مخطوطات) میں موجود ہے جس میں شرح و بسط سے اولاد محمد بن حنفیہ وحضرت عباس کی تفصیل ہے یہ کتاب محمد حسین بن عبدالکریم کے قلم کا شاہکار اور ۶ ماہ ذی الحجہ روز جمعہ وقت ظہر ۱۱۷۹ھ کا خطی نسخہ ہے یہ وہ جواہر پارے ہیں جو کچھ تو غدر ۱۸۵۷ء لکھنؤ کی لوٹ میں یورپ پہنچے اور کچھ صاحبان احتیاج نے اپنی تنگدستی کے سبب انگریزوں کے ہاتھ بیچے دوسو سات برس کا یہ صحیفہ عتیقہ اگر آج سامنے ہوتا تو کیا کچھ نہ ملتا۔

حضرت عباسؑ علمدار کی اولاد مصر، بغداد، قزوین، شیراز، طبرستان، اردن، دمیاط، قاین، سمرقند، بصرہ میں پھیلی۔

مذکورہ بالا حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابوالفضل العباسؑ خود بھی بے بدل تھے کیونکہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور جناب زینبؑ عالیہ اور خصوصاً

حضرت علی علیہ السلام اور اپنی مادر گرامی حضرت اُمّ البنینؑ سے تعلیم حاصل فرمائی تھی۔ ان کی اولاد بھی جہاں جہاں رہی عالم، شاعر، ادیب، خطیب اور قاضی، امیر غرضکہ سرکار ابوالفضل کی اولاد ہر زمانے میں ہر جگہ مسلمانوں کے لیے سببِ فیض رہی یہ سرکار ابوالفضل کی ذات بابرکات کا فیض ہے کہ آپ کی اولاد علم و فضل درایت حدیث، سخاوت، صلہ رحمی میں ممتاز رہی ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ جیسی عظیم ماں کی عظمتیں ان کی اولاد کی عظمتوں سے وابستہ ہوکر زندۂ جاوید ہوگئیں۔ جتنی اچھی ماں ہوگی ویسی ہی بہترین اولاد بھی پیدا ہوگی۔

حضرت عباس علمدار علیہ السلام

عبید اللہ

حسن

فضل
جعفر
عباس اکبر
محمد
فضل ابو العباس

حمزہ
علی
محمد
ابو عبد اللہ
قاسم
ابو یعلی حمزہ

ابراہیم
علی
یحییٰ
ابو الحسن علی
عبد اللہ

عباس
عبد اللہ
حمزہ
ابو طیب محمد
بنو شہید

عبد اللہ
علی
حسن
عبد اللہ
قاسم
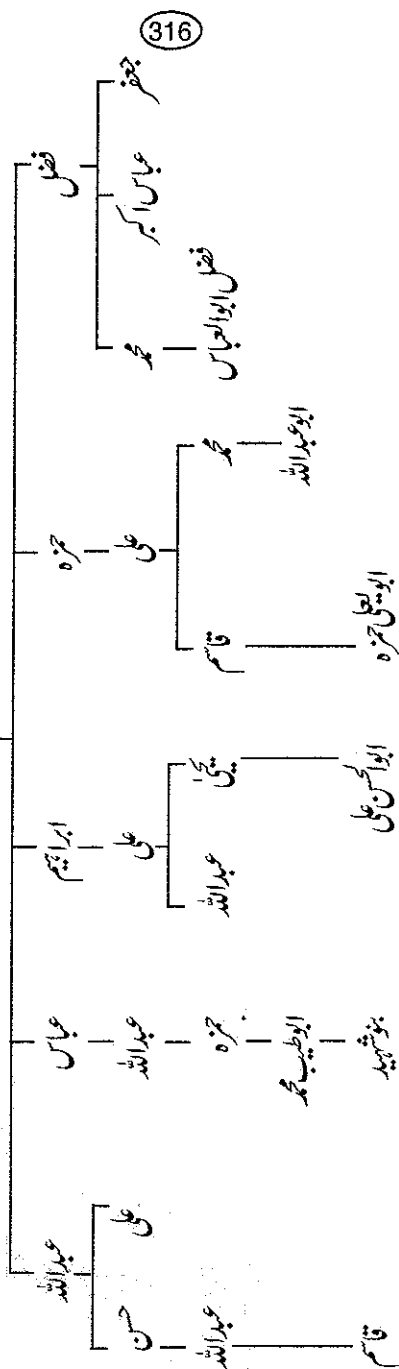
باب ۔۔۔۔۔۔۱۷

حضرت اُمّ البنینؑ

حضرت امام حسینؑ کی عزادار

مدینے میں امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچنا اور حضرت اُمّ البنینؑ کا قاصد سے واقعۂ کربلا سن کر گریہ فرمانا:-

حضرت علیؑ کی ازواج میں جو شرف اور بزرگی بنتِ رسولِ خدا فاطمہؑ زہرا اور بعد اُن کے جناب اُمّ البنینؑ زوجۂ جناب مشکل کشا کو ملی ہے وہ دوسری ازواج کے حصے میں نہیں آئی:-

شرف ازل سے جو ازواجِ مرتضیٰؑ کو ملا کہاں یہ مرتبہ ناموس اوصیا کو ملا
جو کچھ شرف تھا وہ سب اشرف النساءؑ کو ملا نہ ہاجرہؑ کو ملا اور نہ آسیا کو ملا

مگر یہ درجہ بھی حصے میں کس کے آیا ہے
جو بعد فاطمہؑ اُمّ البنینؑ نے پایا ہے

نہ کیوں بتولؑ کی ہو ہم نشیں وہ عرش وقار وہ ماں حسینؑ کی یہ مادرِ علمبردارؑ
کیا حسینؑ کو اُمت پہ فاطمہؑ نے نثار حسینؑ پر کیے قربان اُس نے بیٹے چار

امامؑ فاطمہؑ کے نورِ عین کو سمجھی
حسنؑ کو پیشوا ، آقا حسینؑ کو سمجھی

دمِ اخیر علیؑ نے یہ اس کو دی تھی خبر　　کہ ہوں گے فدیۂ شبیرؑ تیرے چار پسر
یہ اپنے بیٹوں کی تعظیم کرتی تھیں اکثر　　پسر جو پوچھتے کہتی تھیں ہوں فدا تم پر

نہ کیوں میں فخر کروں فخر والدین ہو تم
غلامِ فاطمہؑ ہو فدیۂ حسینؑ ہو تم

چنانچہ روایت ہے کہ جب تک سیّدالشہداء امامِ دوسرا مدینہ منورہ میں رونق افروز رہے، حضرت اُمّ البنین مثلِ فاطمہ زہرؑا امام مظلوم کی شیدا تھیں۔ اور جس وقت سے آپ کوفہ کی جانب روانہ ہوئے حضرت اُم البنینؑ نے بیمار صغرؑا کی خدمت اور تیمارداری اپنے اُوپر فرض کرلی اور ہمیشہ اُس شہزادی کی خدمت گذاری میں مشغول رہتی تھیں۔

بنا کے ہاتھ سے اپنے اسے دوا دیتیں
دوا پلا کے شفا کی اُسے دعا دیتیں

لیکن فراق فرزند رسولؐ الثقلین پارۂ جگر فاتحِ بدر و حنین میں ہمیشہ غمگین اور محزوں رہتی تھیں کیونکہ آپ کو جناب امام حسینؑ سے اپنے فرزندوں سے زیادہ محبت تھی اور:۔

فراغ خدمت صغرؑا سے پا کے وہ ذیجاہ　　ردا کو اوڑھ کے گھر سے نکلتیں شام و پگاہ
عصا کو تھام کے استادہ رہتی تھی سرِ راہ　　مسافروں سے یہ کہتی تھیں بافغان و آہ

پسر سے چھٹ کے کسی ماں کو چین آتا ہے
مسافرو کہو میرا حسینؑ آتا ہے ؟

جو کوئی پوچھتا تم مادرِ حسینؑ ہو کیا　　تو رو کے کہتیں کہ اُلفت تو ماں سے بھی ہے سوا
جو پوچھو رتبہ تو ادنیٰ مقام ہے میرا　　وہ بادشاہ میں اُس کی کنیز ہوں دکھیا

حسینؑ میرا ہے مختار ، دلربا بھی ہے

امام بھی ہے ، پسر بھی ہے، پیشوا بھی ہے

ہر چند کہ حضرت اُم البنینؑ ہر ایک مسافر سے اُس شاہزادۂ کونین کا حال پوچھتی تھیں مگراس سبب سے کہ یزید پلید نے ناکہ بندی کردی تھی کہ کوئی مسافر یا قاصد کربلا سے جانب مدینہ نہ جانے پائے۔اس لیے اُن معظّمہ کو امامؑ کی کچھ خبر نہ ملتی تھی۔مگر امام حسینؑ کی محبت میں آپ کا معمول بدستور رہا۔ ہر روز جناب فاطمہؑ صغریٰ کو دوا پلا کر دروازہ پر آنا ، اور ہر شام کو مایوس ہو کر گھر میں جانا۔غرض اس طرف جناب اُم البنینؑ کو فراق امام حسینؑ کا غم تھا، اُدھر کربلا میں اُس مظلوم کے اہلِ بیتؑ اطہار تشنہ و گرسنہ خیموں میں بیتاب تھے۔ ہر ایک بچہ دل کباب تھا۔تمام یار و انصار شہید ہو چکے تھے اور امامؑ یکہ وتنہا فوجِ اشقیا میں کھڑے تھے۔

بھرے عزیزوں کے داغوں سے سینہ و دل تھے حسینؑ ایک تھے اور چار لاکھ قاتل تھے

آخر اشقیا نے اُس غریب الوطن کو نیزہ و تلواروں سے چُور چُور کر کے شہید کیا۔پھر لاش مبارک سُم اسپاں سے پامال کی اور بعد پائمالی لاش خیموں میں آگ لگادی اور اہلِ حرم کو لوٹنا شروع کیا۔اُس وقت جو ظلم اشقیاء نے اہلِ بیتؑ اطہار پر کیا، کس کی زبان میں طاقت ہے کہ بیان کرے۔

کسی کو نیزے کسی کو طمانچے مارتے تھے حرم حسینؑ کے سب یا علیؑ پکارتے تھے

غرض کہ عصر سے تا وقتِ شام واویلا لعین لوٹ رہے تھے خیامِ آلِ عبًاؑ

حرم کو لا کے نظر بند ظالموں نے کیا خوشی کی نوبتیں بجتی تھیں فوج میں ہر جا

مگر یہ آتی تھی آواز شادیانے سے

ہزار حیف اُٹھے پنجتنؑ زمانے سے

شہید ہو گئے جب رن میں سیّدِ والا　　تو لُٹ کے قافلہ بیووں کا بلوہ میں آیا
بُلا کے منشیوں کو ابن سعد نے یہ کہا　　کہ فتح نامے روانہ ہوں ہر طرف ہر جا
حقیقت اپنی جدال و قتال کی لکھو
شکست فاتح خیبر کے لال کی لکھو

مدینہ و یمن و چین و مصر و روم و حلب　　ہوں مُلک مُلک میں ارسال فتح نامے اب
ہر ایک نامے میں ہو مندرج یہی مطلب　　حسینؑ قتل ہوئے بے ردا ہوئی زینبؑ
نگوں امامتِ سرورؑ کا تخت و تاج ہوا
جو پوچھو تخت کا مالک یزید آج ہوا

مری طرف سے لکھو عرض داشت بہر یزید　　کہ لے ہوئے ترے اقبال سے حسینؑ شہیدؑ
میں نذر فتح کی دوں گا سرِ امامِ سعیدؑ　　ہیں چند عورتیں اور لڑکیاں بقیدِ شدید
نہ ہم نے ہے علی اصغرؑ کو بھی اماں بخشی
یہ تیرے ہاتھ سے سیدانیوں کو جاں بخشی

جدا عریضہ لکھو اک برائے ابنِ زیاد　　کہ نام پنجتن پاک کر دیا برباد
جو مجھ سے وعدے کئے ہیں انہیں بھی رکھیو یاد　　کیا ہے خوش تجھے میں نے تو کر میرا دل شاد
نہ لایا دھیان میں خیر النساء کے رونے کو
نہالِ فاطمہؑ کاٹے نہال ہونے کو

پسرِ سعد نے یزید پلید کے خط میں لکھا، قبل از جنگ مجھ کو خوف تھا کہ یہ بنی ہاشم بہادر اور جرّار ازلی ہیں اولادِ علیؑ ہیں جنہوں نے اژدر کو چیرا، اور خیبر کو اُکھاڑا۔ مرحب کو پچھاڑا، حنین و خندق میں فتح پائی۔ جنوں کو اُن کے مقابلے کی تاب نہ آئی۔ لہٰذا ایسے جرّاروں سے لڑنے میں معرکۂ حرب و ضرب کئی مہینے رہے گا:۔

مگر ہوئی جو لڑائی بروز عاشورا سحر تھی جمعہ کی دِن عشرۂ محرم کا
نہ دو مہینے لگے اور نہ ایک دن گذرا اخیر لشکرِ شبیرؑ دوپہر میں ہوا
تمام ظہر تلک شہؑ کے نورعین ہوئے
شہید چار گھڑی دن رہے حسینؑ ہوئے
نماز عصر پڑھی کاٹ کر سرِ شبیرؑ حرم کو لوٹ کے مغرب کی پھر کہی تکبیر
ہماری فوج میں سیدانیاں ہیں ساری اسیر خدا کے شیر کا پوتا ہے بستۂ زنجیر
مدد کو اہلِ حرم کی نبیؐ نہیں آتے
پکارتے ہیں علیؑ کو علیؑ نہیں آتے

پھر کاتب کو حکم دیا کہ حاکمِ مدینہ کے خط میں یہ بھی لکھ دینا کہ اب بے خوف وخطر خطبۂ یزید منبرِ نبیؐ پر پڑھنا۔خاندان رسولؐ مختار میں اب کوئی بجز عابدؑ بیمار کے باقی نہیں ہے اور وہ بھی طوق وزنجیر میں اسیر ہے:-

غرض کہ نامے کئے منشیوں نے سب ترقیم لفافہ رکھے گئے پیش ابن سعد لئیم
بوقت صبح کئے قاصدوں کو وہ تقسیم ہوئے روانہ ہر اک سمت کرکے سب تسلیم
خط مدینہ لیے اک شتر سوار چلا
مگر حسینؑ کے ماتم میں اشک بار چلا

الغرض قاصدِ مدینہ رخصت ہو کر چلا۔جب مدینہ کے قریب پہنچا:-

کلس رواق نبی کا نمود ہونے لگا
اُتر کے ناقے سے ناقہ سوار رونے لگا
گیا مدینہ کی مسجد میں قاصدِ ناچار وطن میں آمدِ قاصد کا غُل ہوا اک بار
گھروں سے جانبِ مسجد چلے صغار وکبار زباں سے کہتا تھا ہے ہے حسینؑ قاصد زار

نبیؐ کے روضہ کا گنبد تمام ہلتا تھا
ستون مسجدِ خیرالانام ہلتا تھا

یہ ایک لڑکی نے صغرٰؑا کو دی خبر آکر مبارک آپ کے پردیسیوں کی آئی خبر
ابھی ابھی چلا آتا ہے ایک نامہ بر رسولؐ پاک کی مسجد میں کھولتا ہے کمر

خدا نے چاہا تو اکبرؑ بھی یونہی آتے ہیں
خبر حسینؑ کی سب پوچھنے کو جاتے ہیں

یہ خبر سن کر حضرت صغرٰؑا بستر بیماری سے اُٹھ بیٹھیں اور حضرت اُم البنینؑ سے کہنے لگیں کہ اے دادی جان سنتی ہوں کہ کوئی قاصد آیا ہے جو مسجدِ نبوی میں جو پیغام لایا ہے سنائے گا۔ آپ چلئے تو اُس سے بابا کا، مادر کا، اکبرؑ و اصغرؑ کا اور اپنی بہن سکینہؑ کا حال پوچھ آؤں۔ اللہ اللہ کیا اشتیاق تھا حضرت فاطمہ صغرٰؑا کو۔ یہ سن کر جناب اُمّ البنینؑ نے فرمایا:-

وہ بولی واری بھلا تم میں اتنی طاقت ہے
میں پوچھے آتی ہوں بابا ترا سلامت ہے

یہ کہہ کے اوڑھ لی چادر اُٹھایا اپنا عصا رواں ہوئیں طرف مسجدِ رسولِؐ خدا
زنان ہاشمیہ ساتھ تھی پیادہ پا قریب پہنچیں جو مسجد کے دیکھتی ہیں کیا

وہ کون شخص ہے جس کا کہ حال غیر نہیں
پکاری خیر ہو پردیسیوں کی خیر نہیں

ابھی وہ خط لیے منبر پہ نامہ بر تھا گیا پڑھا تھا ایک ہی فقرہ کہ حشر تھا برپا
کہ ناگہاں درِ مسجد سے غلغلہ یہ ہوا عزیزو راہ دو آتی ہے ثانیٔ زہرٰؑا

زنانِ ہاشمیہ نے جو اہتمام کیا

تو نامہ بر نے بھی تعظیم سے سلام کیا

عصا پہ ماتھے کو رکھ کر کھڑی ہوئیں وہ آہ　　کہا کہ بھائی یہ خط پیچھے پڑھیو خاطر خواہ

زباں سے پہلے یہ کہہ دے کہ خیر سے تو ہیں شاہ　　وہ رو کے کہنے لگا لا اِلٰہ الاّ اللہ

بہت حسینؑ کی عاشق ہو اور شیدا ہو

مگر جہان میں اب تم بجائے زہراؑ ہو

پکاری وہ کہ بھلا میں کہاں بتولؑ کہاں　　میں خادمہ ہوں وہ مخدومۂ زمین و زماں

وہ بولا اسم شریف آپ کا وہ بولی ہاں　　علیؑ کی زوجہ ہوں عباسؑ نامدار کی ماں

ابھی نہ ماں ہوں میں اس کی نہ وہ پسر میرا

جو کچھ حسینؑ کے کام آیا تو جگر میرا

ہے بات کرنا بھی نامحرموں سے مجھ کو عار　　علیؑ کی لونڈیوں کا یہ چلن نہیں زنہار

مگر حسینؑ کی اُلفت نے کر دیا ناچار　　نکل پڑی میں ردا اوڑھ کر سر بازار

خبر حسینؑ کی کہہ آرزو میں ہوں جس کی

کنیز ہوں تو میں اُس کی جو ماں ہوں تو اس کی

میں ہول کھاتی ہوں بھائی تو ہے گریباں چاک　　بشکلِ ماتمیاں سر پہ اپنے ڈالے خاک

وہ بولا کم ہے جو کچھ غم کروں میں اے غمناک　　ہوئی حسینؑ پہ بیدادِ لشکرِ سفاک

جگر ہو سنگ کا فولاد کی زباں ہووے

تو ایک پیاس کا اس پیاسے کی بیاں ہووے

الغرض اُس قاصد نے حالِ شہدائے کربلا اِس طرح بیان کرنا شروع کیا کہ اے اُمّ البنینؑ حسینؑ کی کون سی مصیبت تم کو سناؤں۔ اُس طرف کئی لاکھ خنجر خونخوار، ادھر ایک حسینؑ بے دیار۔ چاروں طرف سے فوجِ جفا کار نیزہ و تلوار کے وار کر رہے تھے، اور

ایک قطرہ پانی کا نہ دیتے تھے حتیٰ کہ سوار ہونے کے وقت کوئی رکاب تھامنے والا نہ تھا کہ حضرت زینبؑ نے خیمہ سے نکل کر رکاب تھامی اور بھائی کو سوار کرایا تھا۔

عدو کی فوج میں اس وقت رو دیا سب نے
جب اپنے بھائی کی تھامی رکاب زینبؑ نے

یہ سن کر حضرت اُم البنین غصہ سے کانپنے لگیں اور فرمایا کہ عباسؑ کو کیا ہوا تھا رکاب تھامنے کو عار سمجھا۔ وہ تو ہمیشہ نعلینِ حسینؑ اُٹھایا کرتا تھا۔

غرور کی تو مرے لال کو نہ عادت تھی
رکاب تھامنا تو فخر تھا، سعادت تھی

پکاری سوئے نجف مُڑ کے یا علیؑ فریاد — لو خوب آپ کے عباسؑ نے کیا دل شاد
اسی کو اہلِ وفا آپ کرتے تھے ارشاد — حقوق پالنے والی کے کردیئے برباد

کچھ آپ سنتے ہیں یہ نامہ بر جو کہتا ہے
غلام خدمتِ آقا میں یونہی رہتا ہے

جب یہ شکایت حضرت اُم البنینؑ کی نامہ بر نے سنی تو اُس وقت کہنے لگا کہ اے مادرِ عباسؑ خدا گواہ ہے کہ عباسؑ سا باوفا نہ دیکھا نہ سنا یہ جو میں نے عرض کیا، حال دو پہر کا تھا۔ اور بوقت صبح جب امام حسینؑ سوار ہونے لگے، بھانجے بھتیجے یار وانصار مع عباسؑ علم بردار جلو میں موجود تھے اور عباسؑ جرار نے رکاب تھام کر حضرتؑ کو سوار کیا تھا۔ قاسمؑ سر مبارک امامؑ پر رومال ہلاتے تھے۔ اکبرؑ جرار عنان کو تھامے تھے مگر یہ حال تو دو پہر کا تھا جو میں نے عرض کیا۔ اس وقت اُن جراروں میں سے کوئی بھی باقی نہ تھا۔ اس وقت:-

وداع ہو کے نبیؐ زادیوں سے وہ بولا — کھڑے تھے خیمہ کی ڈیوڑھی پہ سیّد والا
رکاب تھامنے کو تھا نہ کوئی واویلا — حسینؑ دیکھتے تھے سوئے مقتل و دریا

بلاتے تھے علی اکبرؑ کو اور روتے تھے
پکارتے تھے برادر کو اور روتے تھے

نہ کر تو شکوۂ عباسؑ اے حمیدہ صفات — رکاب تھامے وہ کیونکر کٹے ہوں جس کے ہاتھ
پڑا تھا بے کفن و گور وہ کنارِ فرات — صدا یہ لاش سے آتی تھی اے شہِ خوش ذات

اگر رضا ہو یہ مظلوم کربلائی کی
رکاب تھاموں کٹے ہاتھ سے میں بھائی کی

اے معظّمہ حضرت عباسؑ کو وفاداری کا حال تو بیان نہیں ہوسکتا کیونکہ جب ساتویں تاریخ محرم سے حرم پر پانی بند ہوا تو آپ کے بیٹے نے چار کنوئیں کھودے اور دسویں تاریخ کو سکینہؑ کا سقّہ بنا۔ مگر اُس پیاسی کی قسمت میں پانی نہ تھا کہ شانے کٹا کر دریا پر شہید ہوگیا۔ ہر چند شمر نے عباسؑ کو اپنی فوج کی سپہ سالاری کا پیغام دیا، مگر اُس وفادار نے حسینؑ کی کفش برداری کو ترک نہیں کیا۔ یہ سن کر جناب اُم البنینؑ:-

سجودِ شکر بجا لائی پھر تو وہ بے آس — کہا میں خوش ہوئی عباسؑ آفریں عباسؑ
لحد میں چین سے اب سوؤ ہو کے بے وسواس — غذا ہو میوۂ طوبیٰ تو حُلّے ہوویں لباس

بہشت میں غمِ محشر سے بے ہراس رہو
غلامِ سبطِ نبیؐ ہو اُنہی کے پاس رہو

میں سُرخ رو ہوئی شبیرؑ کے تُو کام آیا — جو کچھ کہ تجھ پہ میرا حق تھا میں نے پھر پایا
ہزار شکر یہ مژدہ خدا نے سنوایا — علیؑ کی پوتی کا سقّہ بنا مرا جایا

خدا گواہ کہ تو نے مجھے نہال کیا
لے اپنا دودھ بھی میں نے تجھے حلال کیا

پھر قاصد سے جناب امام حسینؑ کو دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ابھی اپنے اور تین

بیٹوں کا حال بھی سن لیجئے کہ عبداللہ اور عون اور جعفر نے بھی اپنی جانیں حسینؑ پر نثار کیں۔ یہ سن کے آپ نے قاصد سے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا:-

میں پوچھتی ہوں تو کہتا ہے اور ہی کچھ حال　　تو ہوش میں ہے کہ بیہوش کس طرف ہے خیال
میں پہلے کہہ چکی تجھ سے نہیں میرا کوئی لال　　حسینؑ ایک پسر ہے جیے صدوسی سال
سوا حسینؑ کے فرزندِ نورِ عین نہیں
پسر تو کیا کوئی میرا بجز حسینؑ نہیں

اے قاصد میں تجھ سے شہنشاہِ کونین کا حال پوچھتی ہوں اور تو غلاموں کا حال بیان کرتا ہے۔ مجھے حسینؑ کے حال سے آگاہ کر۔ یہ سن کر:-

جگر پہ مار کے ہاتھ اپنا نامہ بر نے کہا　　جو حال سننا ہے بی بی حسینؑ بے کس کا
لو اب کھڑی نہ رہو بیٹھ جاؤ رکھ دو عصا　　زنانِ ہاشمیہ کو بٹھا لو گرد ذرا
کلیجہ تھام لو تم اپنا دونوں ہاتھوں سے
کہ غش نہ آئے کہیں تم کو میری باتوں سے

پھر نامہ بر نے سر پیٹ کر با گریہ وزاری بیان کرنا شروع کیا:-

اُڑا کے خاک کہا اے ضعیفہ ہو آگاہ　　ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم، اک تنِ شاہؑ
اور ایک حلق پہ ہفتاد ضرب خنجر آہ　　چڑھا حسینؑ کے سینہ پہ قاتل بدخواہ
سرِ حسینؑ تو اُس بد گمان نے کاٹا
غضب ہے ہاتھوں کو پھر ساربان نے کاٹا

یہ سن کے غش ہوئی اُم البنینؑ عالی جاہ　　اُٹھا یہ شور کہ فریاد یا رسولؐ اللہ
ہوا جو غش سے افاقہ علیؑ کی زوجہ کو آہ　　تو پوچھا حال سے زینبؑ کے بھی تو کر آگاہ
وہ ساتھ مر گئی بھائی کے یا اسیر ہوئی

لحد پہ سیّدِ والا کے یا فقیر ہوئی

سر اپنا پیٹ کے پھر نامہ بر یہ چلّایا حسینؑ نے تو کفن بھی ابھی نہیں پایا
رسولؐ زادیوں پر سخت حادثہ آیا برہنہ سر ہیں اُٹھا جب سے شاہؑ کا سایہ

گلے میں طوق ہے عابدؑ کے شدتِ تپ میں
ہیں زخم نیزوں کی نوکوں کے پشت زینبؑ میں

یہ حال سن کر حضرت اُم البنینؑ نے چادر سر سے پھینک دی، اور سینہ و سر پیٹ کر ہمراہی عورتوں سے فرمایا:-

بناوَ شکل مری سوگواروں کی لوگو میں بال کھولتی ہوں خاک چہرے پر مل دو
پکارو کہہ کے پسر مردہ آج سے مجھ کو مٹا نشانِ نبیؐ نامِ حیدرؑ خوش خو

مری نگاہوں میں دنیا یہ اب سیاہ ہوئی
مرے حسینؑ کا پُرسا دو میں تباہ ہوئی

اس طرف تو یہ حال تھا، وہاں انتظار میں حضرت فاطمہ صغراؑ کے ہونٹوں پر جان تھی۔ جناب اُم البنینؑ سے ساتھ کی عورتوں نے جناب صغراؑ کی بے قراری بیان کی کہ:-

پڑی ہے ڈیوڑھی پہ بے ہوش فاطمہ صغراؑ یہ سن کے گھر کو چلی خاک اُڑاتی وہ دُکھیا
سر اپنا پیٹتا قاصد بھی ساتھ ساتھ چلا یہاں مریض کی آنکھیں تھیں سوئے مسجد وا

سفید چہرہ تھا دہشت سے تھرتھراتی تھی
کبھی کھڑی کبھی در پر وہ بیٹھ جاتی تھی

یہ دیکھا دُور سے صغراؑ نے اتنے میں ناگاہ کہ روتی آتی ہیں اُم البنینؑ عالی جاہ
جبیں پہ خاک ملے ایک شخص ہے ہمراہ ہوا یہ غُل کہ یہی قاصدِ حسینؑ ہے آہ

خبر حسینؑ کے مرنے کی لے کے آیا ہے

سنانی سبطِ پیمبرؐ کی لے کے آیا ہے

وہ قاصد آتا تھا منہ پر لگائے خاکِ عزا کہ نوجوانوں کا مجمع نظر پڑا اک جا
وہاں ٹھہر کے یہ دی قاصد حزیں نے صدا سنو جوانو پیامِ اخیر اکبرؑ کا
وطن میں طور ہو جس نوجواں کی شادی کا
قلق کرے علی اکبرؑ کی نامرادی کا

پکاری فاطمہ صغرؑا بتاؤ دادی جاں ہیں خیر سے مرے پردیسی باپ و بھائی جاں
وہ بولی خیر کہاں گھر کا گھر ہوا ویراں سفر میں مٹ گیا بالکل علیؑ کا نام و نشاں
تو چھوٹی باپ سے اور میں پسر سے چھوٹ گئی
ہماری اور تری آس آج ٹوٹ گئی

قریب آن کے قاصد نے بھی کیا مجرا اُٹھا کے لایا تھا جو خاکِ مقتل شہدا
لہو کے مثل تھی وہ خاک سرخ واویلا وہ دے کے فاطمہ صغرؑا کو نامہ بر بولا
لگاؤ آنکھوں سے یہ مٹی پاک ہے بی بی
ابوترابؑ کے بیٹے کی خاک ہے بی بی

یہ ہے عزیزوں کا تحفہ شہیدوں کی سوغات تمام کنبہ ترا قتل ہوگیا ہیہات
ترے لیے سر اکبرؑ تڑپتا ہے دن رات بندھے ہیں عابدؑ بیمار کے رسن سے ہاتھ
یہ خاکِ مقتلِ شاہِؑ شہید لایا ہوں
میں قید میں ترے کنبہ کو چھوڑ آیا ہوں

میں کربلا سے چلا جب اِدھر کو اے صغریٰ تو قیدیوں میں سے اک لڑکی نے یہ رو کے کہا
بہن سے کہیو کہ زخمی ہوا ہے کان مرا جو تم سے ہو سکے کچھ بھیج دو دوا بھینا
مریضہ بولی وہ میری بہن سکینہؑ ہے

اُسی کی باتوں کا واللہ یہ قرینہ ہے

وہ خاک سونگھی جو صغراؑ نے آئی بوئے حسینؑ　　سر اپنا خاک پہ دے پٹکا ہو کے تب بے چین
منہ اپنا ڈھانپ کے کُرتے سے کرتی تھی یہ بین　　اور آس پاس تھیں ہمجولیاں بشیون وشین
زنانِ ہاشمیہ رو رہی تھیں چلا کے
بپا قیامت کبریٰ تھی گھر میں صغریٰ کے

یہ نوحہ کرتی تھی رو رو کے فاطمہ صغریٰ　　میں کس کے آنے کے اب دن گنوں گی اے بابا
میں کس کی پوچھوں گی اب خیر و عافیت آقا　　مجھے بھی پاس بلا لو سکینہؑ کا صدقہ
مریضہ بیٹی سے کس طرح منہ کو موڑ گئے
گئے تو چھوڑ کے اور آس آہ توڑ گئے

یہ کیا ستم ہے کہ اب تک تمہیں کفن نہ ملا　　تمہارا لاشہ اور اس قابل آہ واویلا
بدن تمہارا ہے رَن میں سناں پہ سر ہے چڑھا　　تمہاری لاش کے صدقے تمہارے سر کے فدا
تمہارے حلق پہ شمشیر بے دریغ چلی
میں اُس گلے کے تصدق کہ جس پہ تیغ چلی

بہن سکینہؑ ترے قید پر بہن قرباں　　جب ہنسلی سالگرہ کی پہناتی تھیں اماں
تو بار بار گلا چومتے تھے بابا جاں　　رسن کے بندھنے کی مشکل خدا کرے آساں
گلا رسن میں بندھا زندگی وبال ہوئی
یہ تیری سالگرہ آہ چوتھے سال ہوئی

جوانا مرگِ برادر مرے علی اکبرؑ　　تمہاری مرگ جوانی کے صدقے یہ خواہر
صغیر بھائی مرے بے زباں علی اصغرؑ　　بہن نثار ہو ننھے سے تیرے لاشہ پر
کہاں سے ڈھونڈ کے ماں جائے تم کو لاؤں میں

کہ دے کے لوریاں گہوارے میں سلاؤں میں

یہ بین کرتے ہی وحشت ہوئی جو اس کو سوا　　سر اپنا پیٹتی باہر کو دوڑی ننگے پا

لپٹ کے دادی پکاری کدھر کدھر صغرٰاؑ　　وہ بولی جاتی ہوں میں آج سوئے کرب وبلا

نہ روکو صاحبو جنگل کی خاک اُڑانے دو

پدر کی لاش پہ جاؤں گی مجھ کو جانے دو

میں جاکے دیکھوں گی لاش امام نیک خصال　　سُنا ہے خاک پہ اصغرؑ پڑے ہیں خوں میں نڈھال

اسیر کنبہ کا پوچھوں گی قید میں احوال

میں چھوٹے بھائی کے سلجھاؤں گی جھنڈولے بال

نہ جب تلک شہؑ مظلوم دفن ہو دیں گے　　ہم اپنے باپ کے لاشہ پہ یونہی رودیں گے

الغرض جناب اُم البنین اور تمام عورات بنی ہاشم نے جناب صغرٰاؑ کو تشفی اور دلاسا دیا مگر رونے والو جب کسی کا کوئی عزیز مرجاتا ہے تو لاکھ تسلی و تشفی دی جاتی ہے لیکن صبر نہیں آتا۔ زبان اگر نالہ وفریاد سے رُک جاتی ہے تو آنسو نہیں تھمتے۔ آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ ہائے صغرٰیؑ کا تو سارا کنبہ عالم غربت میں تباہ ہوگیا، سارا گھر اُجڑ گیا، بیمار کو کیونکر چین آئے۔ وہ بیمار ہر وقت اپنے باپ اور بھائیوں کو یاد کر کے رویا کرتی تھی۔ (بحوالہ۔ ذائقہ ماتم (چہل مجلس) تالیف از سیّد وزیر حسین رضوی رائے بریلی)

امام حسین علیہ السلام سے حضرت اُمّ البنینؑ کی والہانہ عقیدت:

جب بشیر یہ شعر پڑھتا ہوا مدینے میں داخل ہوا کہ

"یا اھل الیثرب لا مقام لکم بھا"......الیٰ آخر

اور اسوقت جب آپ اس مجمع میں تشریف لائیں تو فرمایا۔

''مجھے حسینؑ کے بارے میں بتا''

اس نے آپ کے فرزندوں کی جانثاری کا تذکرہ کیا تو اسے روک کے کہا۔

''وہ میری اولاد تھے۔اپنے آقا و مولا پر فدا ہوئے ۔مجھے ابا عبد اللّٰہ الحسینؑ کے بارے میں خبر دے۔''

(اُمّ البنین علیہا السلام۔محمد رضا عبد الامیر انصاری۔ص ۲۸)

حضرت اُمّ سلمیٰ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

جب شیشہ خون ہوگیا۔

جب روز عاشور جناب ام سلمیٰؓ نے دیکھا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شیشہ میں کربلا کی خاک دے گئے تھے اس سے خون ابل رہا ہے۔تو بلند آواز سے دہائی دی۔ "وا حسیناہ"

یہ سن کر جناب امّ البنین نے نوحہ کیا۔

"یا ریحانة قلب ا لبتول ویا قرّة عین الرسولؐ"

جسے سن کر بنی ہاشمؑ کی خواتین نے آپکی تأسی میں گریہ و ماتم کیا۔

(امّ البنین علیہا السلام۔محمد رضا عبد الامیر انصاری۔۲۶)

باب ۱۸

حضرت اُمّ البنینؑ

پر واقعہ کربلا کے اثرات

شہادت کی خبر:

ایک سال تک قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد قافلہ حرم کو رہائی نصیب ہوئی۔ اور یہ لٹا ہوا قافلہ کربلا ہوتا ہوا مدینہ کے لیے روانہ ہوا۔ ایک مدت کے بعد ''مدینے والے'' مدینہ واپس آئے تو اس عالم میں کہ جناب اُمّ کلثومؑ نے مدینہ کو دیکھتے ہی آواز دی۔

''نانا کے مدینے! ہمارے آنے کو قبول نہ کرنا، ہم حسرتیں لے کر آئے ہیں۔ مدینے! ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے تو بھرا گھر ہمارے ساتھ تھا اور واپس آئے ہیں تو نہ بچے ہیں اور نہ والی و وارث''۔

بیرون مدینہ قافلہ ٹھہرا امام زین العابدینؑ نے نعمان بن بشیر بن جزلم کو حکم دیا کہ مدینہ والوں کو ہماری آمد کی اطلاع کر دے۔ ''بشیر'' حکم پا کر چلا۔ شہر میں داخل ہو کر آواز دی:-

یـــا اھـل یثــرب لا مــقــام لکم بھــا

قتـل الـحسیـن فـادمـعـی مـدرار

الــجسـم مــنــه بکـربلاء مضـرج

والــراس مــنــه عـلـی الـقـنـاۃ یـدار

(ترجمہ) ''مدینہ والو! مدینہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ حسینؑ مارے گئے۔ دیکھو میرے آنسو برابر بہہ رہے ہیں۔ مدینہ والو قیامت ہے کہ حسینؑ کا جسم خاک وخون میں آغشتہ زمینِ کربلا پر رہا اور اُن کے سر کو نوکِ نیزہ پر دیار بدیار پھرایا گیا۔''

اس آواز کا سننا تھا کہ سارا مدینہ بیتاب ہو کر نکل پڑا۔ شہر میں ایک کہرام برپا تھا۔ بشیر محلّہ بنی ہاشم میں پہنچا تو کیا دیکھا کہ ایک معظّمہ ''باحالتِ تباہ'' اُس منزل کی طرف دوڑتی چلی جارہی ہیں جہاں قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ زبان پر واحسینا واحسینا کے نعرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ جناب اُمّ البنینؑ مادرِ حضرت عباسؑ ہیں جنھیں اپنا ''شہزادہ'' یاد آرہا ہے اور اُس کے غم میں اپنے فرزند کے غم کو بھلا دیا ہے۔ (ناسخ التواریخ۔۶ صفحہ ۳۷۴)

اس عالم میں ایک بچہ پر بھی نظر پڑی جو سرِ راہ کھڑا ہوا تھا بشیر قریب پہنچا۔ بچہ نے بڑھ کے راستہ روکا اور کہا بشیر مولاؑ تو شہید ہوگئے۔ یہ بتا میرے بابا آئے ہیں یا نہیں؟ بابا آئے ہوں تو میں اچھے کپڑے پہن کر آؤں ورنہ سیاہ لباس پہن لوں''۔

بشیر نے پوچھا۔ ''فرزند! تمھارا بابا کون ہے اور تم کس کے انتظار میں ہو''۔

عبیداللہ بن عباسؑ نے کہا۔ ''میرا بابا عباسؑ علمدار ہے''

بشیر کا دل تڑپ گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ ''بیٹا! اب ماتمی لباس پہن لو۔ تمھارے بابا کربلا کے میدان میں شہید ہوگئے۔ (ریاض القدس۔۱ صفحہ ۱۵۸)

حضرت اُمّ البنینؑ نے جب یہ خبر پائی کہ عباسؑ کے بازو قلم ہوئے۔

جب یہ خبر سنی تو فرمایا۔

"الحمد للّٰہ الذی جعل ولدی فداءاً لابن بنت رسول اللّٰہ صلّ اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم"

''ساری تعریف اس پروردگار کے لئے جس نے میرے بیٹے کو دلبندِ بتولؑ کا فدیہ قرار دیا'' (ام البنین علیہا السلام۔۔شیخ نعمۃ الساعدی۔۔ص ۲۹)

مخدراتِ عصمت کا مدینہ میں ورود اور جناب اُم البنینؑ کا اضطراب

تاریخ کامل میں ہے کہ نعمان بن بشیر نے اہلِ بیت کو ایک برس کی قید کے بعد مدینہ پہنچا دیا۔ کتاب ماتئین و ناسخ التواریخ میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ سے باہر ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب اہلِ مدینہ کو آمد کی خبر ملی۔ تو چھوٹے بڑے سب استقبال کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ اور اُمِ سلمیٰؑ ایک ہاتھ میں وہ شیشی جس میں کربلا کی مٹی خون ہوگئی تھی اور دوسرے سے فاطمہ صغرٰا کا ہاتھ تھامے تشریف لائیں۔

امام ابواسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب اُمِ سلمیٰ نے مخدرات عصمت سے ملاقات کے بعد اس خون کو جو پیغمبر اسلام کی دی ہوئی کربلا کی مٹی سے یوم عاشورا ہوا تھا۔ اپنے منہ پر مل لیا اور فریاد کرنے لگیں۔ (نور العین صفحہ ۱۰۸) بعدہٗ مخدرات عصمت روضۂ رسولؐ پر تشریف لے گئیں اور فریاد و فغاں کرتی رہیں۔ علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ سنانی سنتے ہی حضرت اُمّ البنینؑ جو فاطمہ صغریٰ کی تیمارداری کی وجہ سے کربلا نہ گئی تھیں۔ اس مقام کی طرف دوڑیں۔ جہاں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا اور آپ انتہائی اضطراب

کے عالم میں امام حسین علیہ السلام سے والہانہ محبت کے ماتحت صرف امام حسینؑ ہی کو پکارتی رہیں۔ آپ کو اس وقت حضرت عباس وغیرہ کا خیال تک نہ آیا۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۷۴)

مرزا دبیرؔ نے مدینے میں اہلحرم کا داخلہ اور حضرت اُمّ البنینؑ کے ماتم و گریہ پر نہایت پُر اثر مرثیے تصنیف کئے ہیں، ایک منظر یہ بھی ہے:-

﴿۱﴾
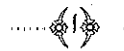
اب مدینہ کا سنو حال تم اے اہلِ عزا
تھی گرفتار غم ہجر پدر جو صغرٰا
یہ الم میں شہ بیکس کے وہ کہتی تھی صدا
ہے یقین مجھ کو نہ ہوئے گی کسی طرح شفا

باپ کے ہجر سے ہوئیگا نہ جینا میرا
مژدہ اے مرگ کہ غافل ہے مسیحا میرا

﴿۲﴾

ایک دن غل یہ ہوا شہر مدینہ میں بپا
کربلا میں سر شبیرؑ تو خنجر سے کٹا
قافلہ لوٹا ہوا لے کے پھرے زین عبا
سن کے یہ مادر عباسؑ کا دل کانپ گیا

گھر سے باہر جو وہ بانالۂ جانکاہ چلی
سر کھلے فاطمہؑ بیمار بھی ہمراہ چلی

﴿۳﴾

گھر سے باہر جو وہ نکلی تو یہ دیکھا ناگاہ

غل ہے ہنگامہ ہے اک شور ہے اور نالہ و آہ
غور سے فاطمہؑ بیمار نے کی جبکہ نگاہ
دیکھا آئے ہیں حرم پہنے ہوئے رخت سیاہ
سر کھلے نعرہ زنان ہیں سبھی شیدائے حسینؑ
ہائے وارث کوئی کہتا ہے کوئی ہائے حسینؑ

﴿۴﴾

ناگہاں آیا قریں رخش جناب شبیرؑ
دیکھا صغراؑ نے کہ گھوڑے کے لگے ہیں کئی تیر
خانۂ زیں پہ ہے عمامۂ شاہِ دلگیر
ہوگیا دل پہ یقیں مٹ گئی شہہ کی تصویر
دل میں بولی کہ کوئی اپنا بجز یاس نہیں
علی اکبرؑ نہیں قاسمؑ نہیں عباسؑ نہیں

﴿۵﴾

ناگہان قبر محمدؐ پہ چلے اہلِ حرم
اُن کے ہمرہ ہوئی روتی ہوئی وہ صاحب غم
بولی یہ مادر عباس سے صغراؑ اُس دم
کربلا میں ہوئے مقتول امامِ عالم
سر کھلے اہلِ حرم سارے نظر آتے ہیں
قبر احمدؐ پہ وہ رونے کے لیے جاتے ہیں

﴿۶﴾

جبکہ یہ مادر عباسؑ سے صغراؑ نے کہا

قبر احمدؐ پہ چلی وہ بھی بہ فریاد و بکا
ساتھ دادی کے چلی روتی ہوئی واں صغرؑا
پہنچی جب روضۂ اقدس پہ یہ ساماں دیکھا
زینبؑ خستہ جگر رو رو کے چلاتی ہے
قبر سے ہائے حسینا کی صدا آتی ہے

﴿۶﴾

کیا زینبؑ سے عباسؑ کی مادر نے بیاں
چلیے اب گھر کو نہیں طاقت فریاد و فغاں
غم سے شبیرؑ کے ہوجائے نہ صغرؑا بے جاں
چشم پُر آب سے خوں ہے، عوض اشک رواں
جب تلک جیتے ہیں اس غم سے سدا روئیں گے
ایسے وارث تو فراموش نہیں ہوئیں گے

﴿۷﴾

الغرض واں سے اُٹھی خواہر فرزند علیؑ
گھر میں داخل ہوئی اولاد رسولِ عربی
بات یہ مادر عباسؑ نے زینبؑ سے کہی
مجھ سے فرمایئے حالت تو میرے دلبر کی
آگے شبیرؑ کے میدان میں کچھ کام کیا
میرے عباسؑ نے کہیے کہ مرا نام کیا

﴿۸﴾

بنت حیدرؑ نے یہ فرمایا کہ دیکھا نہ سنا

بھائی عباسؑ پہ سو جان سے زینبؑ ہے فدا
خاتمہ اُن پہ وفاداری و الفت کا ہوا
کی علمداری و سقائی شاہِ شہدا
شاہ بیکس ہوئے جس وقت کہ وہ چھوٹ گیا
اُن کا دم اِن کا ادھر بند کمر ٹوٹ گیا

﴿۹﴾

بولی تب مادر عباسؑ میں اُس کے قرباں
مجھ سے صد شکر ہوئی روح محمدؐ شاداں
صدقہ ہوتا نہ شہ دین پہ جو وہ راحت جاں
واسطے اس کے میں واللہ نہ ہوتی گریاں
کیا کہوں تم سے جو اس وقت تھا وسواس مجھے
سرخرو پیش نبیؐ کر گیا عباسؑ مجھے

﴿۱۰﴾

کہہ کے یہ بولی کہ اے بیبیو شاہد رہنا
حق مرے دودھ کا عباس کے اوپر جو تھا
میں نے بخشا اُسے اور میرے خدا نے بخشا
دل پھٹا جاتا ہے اب میری تسلی کیجے
مجھ کو عباسؑ علمدار کا پُرسا دیجے

(مرزا دبیرؔ)

عبیداللہ ابن عباسؑ کا حضرت عباسؑ کے بارے میں سوال:

علامہ قزوینی فرماتے ہیں۔ کہ نعمان بن بشیر ابن جزلم جونہی شہدائے کربلا کی سنائی

کے سلسلہ میں **یا اھل یثرب لا مقام لکم ...** پڑھتا ہوا داخل شہرِ مدینہ ہوا تو عبید اللہ ابن عباسؑ نے آگے بڑھ کر پوچھا اے قیامت خیز سنانی سنانے والے یہ تو بتا۔ کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ہمراہ میرے پدر بزرگوار عباسؑ ابن علیؑ بھی آئے ہیں یا نہیں۔ اس نے جواب دیا بیٹا وہ تو نہر عقلمہ پر دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہو گئے ہیں۔ اب تم لباس سیاہ پہنو اور نوحہ و ماتم کرو۔ کہ ''پدر نہ داری'' کہ تمہارے والد بزرگوار دین اسلام پر قربان ہو گئے ہیں۔ اور اب تم بلا باپ کے ہو۔

(ریاض القدس جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ طبع ایران)

مدینہ میں مجلسوں کا انعقاد:

مدینہ منورہ میں مخدرات عصمت کے پہنچنے کے بعد مجلس غم کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلی مجلس جناب اُم البنینؑ مادر عباسؑ کے گھر منعقد ہوئی۔ پھر دوسری مجلس فاطمہ صغریٰ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر تیسری مجلس امام حسنؑ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر محمد حنفیہ کے گھر مجلس منعقد ہوئی۔ پھر روضۂ رسولؐ پر مجلس منعقد کی گئی اور وہاں جو نوحہ پڑھا گیا اس کا پہلا شعر یہ تھا:۔

الا یارسول اللّٰه یا خیر مرسل حسینك مقتول ونسلك ضائع

اے پیغمبرؐ اسلام! اے اللہ کے رسولؐ، اے بہترین مرسل۔ آپ کے حسینؑ کربلا میں قتل کر دیئے گئے اور آپ کی نسل ضائع و برباد کی گئی۔

پیغمبر اسلام کے روضے پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد سارا مجمع حضرت فاطمہ اور امام حسنؑ کے روضہ انور پر آیا اور قیامت خیز نوحہ و ماتم کرتا رہا۔ اس وقت جو نوحہ پڑھا گیا اس کا پہلا شعر یہ ہے:۔

الانوحوا وضبحوا با البکاء

علــی السبــط الشهیــد بکــربــلاء

اے لوگو! نوحہ کرو اور روؤ اس قتیل عطش پر جو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ (ریاض القدس جلد ۱ صفحہ ۲۴۶)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ نوحہ و ماتم کا سلسلہ پندرہ شبانہ روز مسلسل جاری رہا اور کئی روز بنی ہاشم کے گھر میں آگ روشن نہیں کی گئی۔ (مائتین صفحہ ۸۰۰)

اُمّ البنینؑ اور حسینؑ کی مجالس:

حضرت زینب سلام اللہ علیھا، حضرت اُمّ البنینؑ کا خاص احترام کرتی تھیں جیسا کہ شہید اوّل لکھتے ہیں:۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی عظمت اور شخصیت کی وجہ سے زینبؑ سلام اللہ علیھا کربلا سے مدینے واپس آئیں اور حضرت اُمّ البنینؑ کے پاس پرسے کے لیے تشریف لے گئیں۔

حسینؑ کی عزاداری ان کے گھر میں برپا ہوتی تھی۔ (ریاض الاحزان صفحہ ۶۰)

اس عزاداری میں بنی ہاشم کی خواتین جمع ہو کر حسین علیہ السلام کے مظلوم خاندان پر گریہ کرتیں۔ مجلس پڑھنے والوں میں کبھی اُمّ سلمہ ہوتیں جو اس طرح بین کرتیں۔ خدا ظالموں کی قبروں کو اپنے غضب کی آگ سے جلائے۔ (ادب الطف ۱:۱۴۷)

خدایا ان پر لعنت بھیج اور انہیں خوار و ذلیل کر اور انہیں ہلاک کر جنہوں نے اہلِ بیت کو قتل کیا۔ (کشف الغمہ ۲:۵۸)

اُم لقمان بنت عقیل بن ابی طالب نے اس طرح سے مرثیہ پڑھا:

ماذا تقولون اذقال النبی لکم

ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

بعترتی وباھلی بعد منقلبی

منهم اساری ومنهم ضرجوا بدمی

تم اس وقت کیا جواب دو گے اگر رسولؐ تم سے پوچھے کہ یہ تم نے کیا کیا جبکہ تم آخری امت میں سے تھے؟ یہ تم نے میری عترت اور خاندان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ ان میں سے بعض کو اسیر اور بعض کو شہید کر دیا کیا میری نصیحتوں کا صلہ یہ تھا کہ میرے اہلِ بیتؑ کے ساتھ برا سلوک کرو؟

حضرت زینبؑ اُم البنینؑ کو تسلی دیتی ہوئی ان کی اولاد کی شجاعت کے قصے سناتیں کہ کیسے انہوں نے میدان کربلا میں مقابلہ کیا۔ فرماتی ہیں:

جب عباسؑ نے دیکھا کہ سب شہید ہو رہے ہیں تو اپنے بھائیوں سے کہا: مولا کی حمایت میں جام شہادت نوش کرو۔ یہ سن کر عبداللہ آگے بڑھے اور یہ رجز پڑھا:

انا ابن ذی النجدة والافضال ذاك علی الخیر ذو الفعال۔

میں دلیر اور جود و کرم کرنے والے کا فرزند ہوں وہ علی علیہ السلام جو برتر اور نیک کردار ہیں۔ (کشف الغمہ ۲۸۰۲)

پھر جعفر نے رجز پڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ (مقاتل الطالبین ۸۱)

اس کے بعد عمران نے بھی اپنا تعارف رجز پڑھ کر کیا اور خولی ملعون کے تیر سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے اور بنی آبان کے ایک شخص نے ان کے سر کو تن سے جدا کیا اور آخر کار عباسؑ کی باری آئی اور پھر ان کی شجاعت کے قصے سنائے۔ (بحار الانوار ۴۵/ ۳۷)

علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔ کہ جب عون و محمد کی خبر شہادت عبداللہ ابن جعفر طیار کو

پہنچی تو آپ نے **انا للّٰہِ وانا الیه راجعون** ۔ کہا اور آبدیدہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک غلام مسمی ابوالسلاسل بولا۔ **ھٰذا مالقینا من الحسین ابن علی** ۔ حضور! یہ مصیبت تو ہمیں حسین ابن علی کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ یہ سننا تھا کہ عبداللہ نے ابوالسلاسل کو نعلین سے مارنا شروع کیا۔ اور کہا خدا کا شکر ہے کہ میرے بچے حسینؑ کے کام آ گئے۔ مجھے رنج ہے کہ میں کیوں نہ جا سکا۔ میں وہاں ہوتا تو ضرور شرف شہادت حاصل کرتا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۳۶۔ طبع بمبئی)

حضرت زینبؑ کا جناب اُمّ البنینؑ کے گھر عید کے دن جانا:

۱۰ھ نزولِ آیۂ تطہیر کے وقت اہلِ بیتؑ کے گھرانے میں کُل اتنے افراد تھے کہ بس ایک چادر میں آ گئے تھے، لیکن قدرت چاہتی تھی کہ ہمارے محبوب کا گھرانا پھولے پھلے لہٰذا وقت گذرا اور فاطمہؑ زہرا کے گھر میں بہاریں آنا شروع ہو گئیں اس بہار پر شباب آیا کہ ۵۰ھ کے بعد کہ اب اہل بیتؑ کے گھر میں ہر طرف خوبصورت پھول کھلے نظر آتے تھے اولادِ عقیلؑ، اولادِ جعفرؑ، اولادِ علیؑ۔ اس گھر میں جناب زینبؑ کو ثانیٔ فاطمہ زہراؑ ہونے کا شرف حاصل تھا۔ چنانچہ جنابِ زینب ہر گھر کی خبر گیری رکھتی تھیں۔ خصوصیت سے تاریخ نے محفوظ کیا کہ جناب زینبؑ ہر سال عید پر جناب اُمّ البنینؑ کے گھر ضرور جاتی تھیں۔ آپؑ جناب اُمّ البنینؑ کا خاص احترام کرتی تھیں۔ جناب اُمّ البنینؑ کے چار بیٹے جناب عباسؑ، جناب عبداللہ، جناب جعفر اور جناب عمران، حضرت اُمّ البنینؑ کے چاند اور ستارے تھے۔ ۶۰ھ تک اس گھر میں جناب عباسؑ کے صاحبزادے اور امکان ہے کہ باقی تین صاحبزادگانِ اُمّ البنینؑ کی بھی اولادیں ضرور ہونگی۔

جناب زینبؑ ہر عید پر جب اپنے ان بھائیوں کے گھر پر آتی ہونگی تو جناب اُمّ البنینؑ اور ان کے چاروں صاحبزادوں کی خوشی تو ایک طرف لیکن خود جناب زینبؑ

اپنے شیر دل بھائیوں کو دیکھ کے کتنا خوش ہوتی ہوں گی کہ یہ ہمارے پردے کے محافظ ہیں۔ یہ ہمارے دلوں کی قوت ہیں، یہ ہمارے ارادوں کا استحکام ہیں، یہی ہمارا عزم و حوصلہ ہیں، یہی ہمارا فخر ہیں، یہی ہماری قوت ہیں۔ جب جناب زینبؑ بیتِ اُمّ البنینؑ میں داخل ہوتی تھیں تو خود جناب اُمّ البنینؑ اور اُن کی اولادیں جناب زینبؑ کے استقبال اور احترام میں کھڑے ہو جاتے اور نہایت عزت و تکریم کے ساتھ نشست پیش کی جاتی۔ جناب اُمّ البنینؑ کے صاحبزادے جناب زینبؑ کا ماں کی طرح احترام کرتے تھے۔ وہ گھر عباسؑ، عبداللہ، جعفر اور عمران کے انوار سے جگمگا رہا تھا، ان کی اور ان کی اولادوں کی خوشبوؤں سے مہکا ہوا تھا۔ لیکن ہر سال کی طرح جب بعدِ کربلا پہلی عید آئی تو حسبِ دستور جناب زینبؑ، بیتِ اُمّ البنینؑ میں داخل ہوئی ہونگی تو اس دن کیا کیا نہ یاد آیا ہوگا وہ شیر جیسے بھائی اور اُن کے جگمگاتے حُجرے جب ویران نظر آئے ہونگے تو کیا جنابِ زینبؑ نے ایک ایک بھائی کا نام لے کر یاد نہ کیا ہوگا۔ تو جناب اُمّ البنینؑ جناب زینبؑ سے لپٹ کر روئیں اور بانالہ و آہ اپنے فرزندوں کو یاد کیا۔ جناب اُمّ البنینؑ نے جناب زینبؑ سے پوچھا کہ بی بی بتائیں میرے عباسؑ نے حقِ وفا کس طرح ادا کیا جناب زینبؑ نے اپنے بھائی عباسؑ علمدار کے وفاؤں اور شجاعتوں کا ذکر کیا کہ کس طرح عباسؑ نے حسینؑ اور ان کے بچوں کی تا دمِ زیست حفاظت کی اور جنگ کرتے کرتے کس طرح اپنی جان دے دی جناب اُمّ البنینؑ نے پوچھا بی بی میرا بیٹا عباسؑ کس طرح گھوڑے سے گرا کیا گھوڑے سے گرنے سے پہلے میرے عباسؑ کے ہاتھ کٹ چکے تھے؟ جناب زینبؑ نے سر پیٹ لیا اور کہا کہ ہر شہید جب گھوڑے سے گرا تو اپنے ہاتھوں کا سہارا لے کر زمین پر آیا لیکن ہائے عباسؑ کا گرنا کیا بتاؤں میرے بھائی عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے میرا بھائی سر کے بل زمین پر گرا۔ گھر میں

ایک کہرام بپا ہوگیا۔ جناب اُمّ البنینؑ اٹھیں اور عباسؑ علمدار کے بیٹے عبیداللہ کو بلا کر سینے سے لگایا اور کہا میرے لعل تم نے اپنے بابا کی وفا کا ذکر سنا تو اب میں تم کو بھی وہی وصیت کرتی ہوں جو میں نے عباسؑ سے کی تھی۔ اے عبیداللہ! اب فاطمہ زہراؑ کے گھر کی ایک نشانی بچی ہے جس طرح عباسؑ نے تادم آخر حسینؑ کی حفاظت کی تم بھی جب تک زندگی ہے حسینؑ کے لعل سیّدِ سجادؑ کی حفاظت میں اپنی زندگی وقف کردو۔

دن کی دھوپ، رات کی اوس:

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پانچ بیبیاں سائے میں نہیں بیٹھیں حضرت زینبؑ، حضرت اُمّ البنینؑ، حضرت اُمّ فروہؑ، حضرت اُمّ لیلیٰؑ، حضرتِ اُمّ ربابؑ، دن کی دھوپ اور رات کی اوس میں کھلے آسمان کے نیچے یہ خواتین بیٹھ کر گریہ کرتی رہیں یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

باب ۱۹

حضرت اُمّ البنینؑ کے مرثیے

حضرت عباسؑ کے متعلق

عربی ادب میں مرثیہ:

واضح ہو کہ مرثیہ خوانی عربی ادب میں مشہور ہے جسے انسان کی وجدانی اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اور شاعر کا عقیدہ جو اس کے دل میں راسخ ہے۔ اور محبت کا اندازہ جو محبوب سے متعلق دل میں موجود ہے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مرثیہ گوئی اسلام سے پہلے عربوں کے درمیان بہت محدود تھی۔ اگر کوئی مرجائے تو اس کے صفات اور جھوٹی باتوں پر مشتمل اشعار پڑھتے تھے جس سے زندوں کے لیے فائدہ نہیں ہوتا تھا۔

فن شاعری کے لحاظ سے جس قدر غزل گوئی۔ مدح و منقبت فخر و مباہات۔ غیرت و سخاوت اور شجاعت سے متعلق اشعار کا دائرہ وسیع ہے نسبتاً ایک مرنے والے کی صفتوں پر مشتمل اشعار بہت محدود ہوتے ہیں اور دائرہ بھی محدود اور تنگ ہوتا ہے۔

میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔اور ہر شاعر کا انداز بیان اور شاعری کا اسلوب دوسرے سے جدا ہوگیا۔ چونکہ موضوع شاعری ایک ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر کی طرح گہرا اور موجزن تھا اس لیے ہر شاعر اپنا اسلوبِ مرثیہ گوئی میں جداگانہ حیثیت رکھتا تھا۔اس لیے کہ شہدائے کربلا کے موضوعات اور اوصاف محدود نہیں تھے وہ شہدائے اولین و آخرین کا مجموعہ تھے ہماری زندگی کے لیے نور ہدایت اور طاغوتی قوتوں سے مقابلے کے لیے بہترین نمونہ اور ضرورت کے وقت دین کے لیے قربانی پیش کرنے کا اعلیٰ ترین اُسوۂ حسنہ تھے۔

اس لیے ہم عاشورا ۶۱ھ کے بعد اس درس گاہ فداکاری کا سبق حاصل کرتے ہیں۔جس کی مثال نہ اولین سے مل سکتی ہے نہ آنے والے دور میں۔ چنانچہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عَظُمَ الفَدیٰ وَتَضحِیاتُکَ اَعظَمُ

فِیھِنَّ یَفتَتِحُ الجِھَادُ وَیَختَتِمُ

تیری فداکاری اور قربانی عظیم ہے۔ جہاد کا افتتاح یہیں سے ہوتا ہے اور اختتام بھی۔

یہ شاندار فصیح و بلیغ مرثیہ حضرت اُمّ البنینؑ سلام اللہ علیہا نے اپنے چار بیٹوں جو کربلا میں شہید ہوگئے کے بارے میں فرمایا ہے۔

لَا تَدعُوَنّی وَیکِ اُمَّ البَنِینِ

تُذَکِّرِینی بِلیُوثِ العَرِینْ

(آج کے بعد) مجھے اُم البنینؑ (بیٹوں کی ماں) کہہ کر مت پکارو، اس پکار سے تم مجھے اپنے دلیر شیروں کی یاد دلاتے ہو۔

كَانَتْ بَنُونَ لِي أُدْعَىٰ بِهِمْ
وَالْيَومَ اَصْبَحْتُ وَلَامِنْ بَنِيْنَ

میرے چار بیٹے زندہ تھے اس لیے سب مجھے اُمّ البنینؑ کے نام سے پکارتے تھے۔
آج میں نے صبح اس حالت میں گزاردی میرے کوئی فرزند نہیں۔

اَرْبَعَةٌ مِثْلُ نُسُوْدِ الرُّبىٰ
قَدْ وَاصَلُواْ الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِينِ

میرے چار بیٹے کوہسار کے عقاب جیسے تھے۔موت نے ان کی شہ رگ تمام کاٹ دی ہے۔

تَنَازَعَ الْجِرْحَانُ اَشْلَائَهُم
فَكُلُّهُمْ اَمسىٰ حَرِيقاً طَعِيْنِ

ان کے جسموں پر اس قدر نیزے پڑے کہ۔سب کے سب نیزوں کے نوک سے شہید ہوگئے۔

يَالَيتَ شَعْرِی كَمَا اَخْبَرُوا
بِاَنَّ عَبّاساً قَطِيعُ الْوَتِيْنِ

اے کاش مجھے یہ معلوم ہوتا جیسا کہ مخبر نے مجھے خبر سنائی کہ۔کیا میرے عباسؑ کے ہاتھ بدن سے جدا کئے گئے ہیں۔

یہ دلسوز مرثیہ جناب اُمّ البنینؑ نے گریہ وزاری کے ساتھ پڑھا چونکہ اولاد سے جدائی کا داغ والدین کے قلب وجگر پر لگتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَوْلَادُنَا اَكْبَادُنَا فَاِنْ عَاشُوْا فَتَنُونا وَاِنْ مَاتُوْا اَحزَنُونا۔

ہماری اولاد ہمارے جگر ہیں۔ اگر زندہ رہے ہمیں آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور مر گئے تو غم و فکر سے دوچار کر دیتے ہیں۔

محبت کا جذبہ اولاد کے بارے میں جس قدر ماں کے دل میں موجود ہوتا ہے باپ کے دل میں نہیں ہوتا۔ ماں اپنی جان قربان کر دیتی ہے لیکن اولاد پر معمولی سی ضرر قابل برداشت نہیں سمجھتی ہے۔ (حیدر المرجانی)

جناب اُم البنینؑ جنت البقیع میں:

جب کربلا کا سنگین واقعہ عالم وقوع میں آچکا۔ اور اس کی خبر جناب اُم البنینؑ مادر گرامی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو پہنچی تو آپ نے اسی دن سے بقیع میں آکر فلک شگاف نالے شروع کر دیئے۔ آپ کی آواز میں وہ درد تھا کہ در و دیوار گریہ کُن نظر آنے لگے تھے۔ کیا دوست کیا دشمن سب رو پڑے تھے۔ سب کو جانے دیجئے۔ مروان شقی علیہ اللعن جو شقاوت دلی اور قساوت قلبی میں اپنی نظیر آپ تھا وہ بھی آپ کے درد بھرے کلمات درد آگین لہجہ سے سُن کر رو پڑتا تھا۔

قد كانت تخرج الى البقيع كل يوم ترثيه و تحمل
ولده عبيدالله فيجتمع يسماع رثائها اهل المدينة
وفيهم مردان ابن الحكم فيبكون لثجى الندبة الخ

(ابصار العین صفحہ ۳۱ طبع نجف اشرف۔ تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۸۔ اسرار الشہادت صفحہ ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۱ طبع بمبئی جلاء العیون صفحہ ۲۰۸۔ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰۔ مجالس المتقین صفحہ ۲۷ طبع ایران۔ مقتل عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران۔ (دمعۃ الساکبہ صفحہ ۳۳۷)

جناب اُمّ البنینؑ حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے عبید اللہ کو لے کر روزانہ بقیع میں جا کر مرثیہ کی حیثیت سے اس بے تابی سے گریہ کرتی تھیں کہ تمام اہل مدینہ اس کے سننے کے لیے جمع ہو کر رے

پناہ گریہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مرواؔن بن حکمؔ بھی درد بھرے
نوحے سُن کر رو دیتا تھا۔

سچ ہے ماں کا دل نہایت ہی نرم اور نازک ہوا کرتا ہے۔ جناب اُمّ البنینؑ جس قدر بھی گریہ کرتیں کم تھا۔ ایک تو امام حسینؑ کی مصیبت۔ دوسرے اپنے چار بیٹوں کی بے دردانہ شہادت وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن۔ کوئی وفا کا بادشاہ۔ کوئی شجاعت میں بے نظیر۔ کوئی بہادری میں بے مثل کوئی فرمانبرداری میں لاجواب۔ یہ وہ اسباب تھے۔ جو جناب اُم البنینؑ کو خون کے آنسو مدتوں رُلاتے رہے۔

اخلاقی دنیا کا عظیم ترین فرض اور نفسیاتِ انسانی کا اہم ترین مظہر مرثیہ ہے۔ مرثیہ اُن جذباتِ دلی کے اظہار کا نام ہے جو کسی انسان کے غم میں اُبھرا کرتے ہیں اور وابستگان کے قلوب کو بریاں کرتے ہیں۔ ہیئت اور تکنیک سے قطعِ نظر مرثیہ صرف جذباتِ غم کا اظہار ہے اور بس یہ اور بات ہے کہ اس سے ضمنی طور پر مرنے والے کے کردار اور اُس کی شخصیت و حیثیت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جذبہ کا تعلق ایک خصوصیت اور امتیاز پیدا کرتا ہے اور مرثیہ کی حقیقت اُس کے بغیر ناتمام رہ جاتی ہے۔

قصیدہ اور مرثیہ کا بنیادی امتیاز یہی ہے کہ قصیدہ اُن جذبات کے اظہار کا نام ہے جو کسی صاحبِ کمال کے کمال سے متعلق ہوتے ہیں اور مرثیہ اُن جذبات کے اظہار کا نام ہے جو صاحبِ کمال کے غم والم سے پیدا ہوتے ہیں۔

مرثیہ کی تاریخ انسانی نفسیات کی تاریخ ہے اور مرثیہ کا وجود انسانی جذبات کی پیداوار ہے یہ ناممکن ہے کہ صاحبِ کمال انسان دنیا سے اُٹھ جائے اور اُس کے وابستگان اُس کا مرثیہ نہ پڑھیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مرثیہ کبھی نثر میں ہوتا ہے اور کبھی نظم میں۔

اصطلاحی طور پر نثر میں اظہارِ غم کو مرثیہ نہیں کہا جاتا لیکن یہ مفہوم مرثیہ کا قصور نہیں ہے یہ صرف عربی مزاج کا تقاضا تھا کہ عرب فطری طور پر شاعر ہوا کرتے تھے۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو اجتماعی طور پر نظم ہی میں ظاہر کیا کرتے تھے۔ اُن کا رجز۔ اُن کی مدح۔ ان کی ہجو سب عام طور پر نظم ہی سے متعلق ہوا کرتی تھی ... مرثیہ بھی اُنھیں اصناف اظہار میں ایک صنف کا نام تھا اس لیے اُس کا بھی نظم میں ہونا ناگزیر تھا۔

دھیرے دھیرے اُس کے اصول وقوانین مرتب ہونے لگے اور اُردو شاعری میں مرثیہ قصیدہ سے بالکل الگ ایک صنفِ سخن بن گیا۔

عربی شاعری میں اس قسم کے امتیاز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہاں قصیدہ اور مرثیہ کا فرق صرف جذبات سے متعلق تھا۔ ہیئت اور تیکنیک سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا ... اُردو زبان میں دونوں کا فرق مادہ اور ہیئت دونوں سے متعلق ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب مرثیہ پڑھنا ایک اخلاقی فرض اور جذباتی مطالبہ ہے تو جس قدر مرنے والا صاحبِ اوصاف وکمالات ہوگا اتنا ہی مرثیہ جامع اور ہمہ گیر ہوگا اور جس قدر تاثر شدید ہوگا اُسی قدر مرثیہ کی اثر انگیزی بھی زیادہ ہوگی۔

جناب عباسؑ کی شخصیت بھی ایک عظیم ترین شخصیت ہے۔ آپ کے کمالات بے حد جامع اور ہمہ گیر تھے اس لیے آپ کے مرثیہ کا انداز عام افراد سے مختلف ہونا ہی چاہیئے تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب بقیع میں جناب اُمّ البنینؑ آپ کا مرثیہ پڑھا کرتی تھیں تو مروان جیسا دشمنِ اہلِ بیتؑ بھی چند لمحہ ٹھہر کر آنسو بہایا کرتا تھا اور آپ کے بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عباسؑ کے متعلق اُم البنینؑ کے مرثیے:

عام طور پر مشہور یہی ہے کہ سب سے پہلے جناب عباسؑ کا مرثیہ آپ ہی نے پڑھا ہے۔ لیکن تاریخی اعتبار سے اس سے پہلے بھی مرثیہ کا وجود ملتا ہے اور تاریخِ کربلا کے بیان کے مطابق سب سے پہلے آپ کا مرثیہ امام حسینؑ نے پڑھا ہے۔

لاش علمدار کے سرہانے پہنچ کر امام حسینؑ نے جن جذبات کا مظاہرہ کیا ہے وہ یہ ہیں:-

اخی یا نور عینی یا شقیقی
فلی قد کنت کالرکن الوثیق
ایا ابن ابی نصحت اخاك حتی
سقاك اللّٰه کاساً من رحیق
ایا قمراً منیراً کُنت عوبی
علیٰ کل النوائب فی المضیق
فبعدك لاتطیب لنا حیاة
سنجمع فی الغداة علی الحقیق
الا اللّٰه شکوای و صبری
وما القاه من ظمأ وضیق

(اسرار الشہادات)

حضرت عباس علیہ السلام کی ماں جناب اُمّ البنینؑ نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابوالحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے۔ بطور مرثیہ پڑھے:-

یامن رای العباس کر

علی جماهیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباسؑ کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا۔

ووراہ من ابناءِ حیدر

کل لیث ذی لبد

اوران کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت ہے۔

اتبئت ان ابنی اصیب

براسہ مقطوع ید

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگِ جان سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے (ہائے کیا یہ سچ ہے)۔

ویلی علی شبلی اما

ل براسہ ضرب العمد

آہ! آہ! میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔

لوکان سیفك فی ید

یك لمادنا منك اَحَدٌ

اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا تھا۔

(ابصار العین فی انصار الحسین صفحہ ۳۱ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰ طبع ایران، ۱۳۵۲ھ۔ منہاج الدموع صفحہ ۴۰۹ طبع قم ۱۳۴۱ھ)

مرثیہ ثانیہ:

لا تدعوني ويك ام البنين

تذكريني بليوث العرين

ہائے اے سرزمین مدینہ کی رہنے والیو (خدا کے لیے) مجھے اُمّ البنینؑ کہہ کر نہ پکارو۔ اس لیے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آ جاتے ہیں۔

كانت بنون لي ادعى بهم

واليوم اصبحت ولا من بنين

ارے جب میرے بیٹے تھے تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی۔ مگر افسوس کہ آج میرے کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعة مثل نسور الربى

قد واصلوا الموت بقطع الوتين

(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے، جو (جماعت امام حسینؑ میں) رگِ گردن کٹا کر آغوش موت سے ہمکنار ہو گئے۔

تنازع الخرصان اشلائهم

فكلهم امسى صريعا طعين

ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہوگئی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔

ياليت شعري أكما اخبروا

بان عباساً قطيع اليمين

اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا سچ مچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباسؑ کے

ہاتھ شمشیر ظلم سے کاٹے گئے ہیں۔ (ابصار العین صفحہ ۳۲ ومفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰)

حضرت عباسؑ پر جناب اُمّ البنینؑ کے پروتے فضل بن حسن کا مرثیہ:

علامہ مرزا عبدالحسین الامینی اپنی کتاب الغدیر جلد ۳ صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے پوتے فضل ابن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ بن علی ابن ابی طالب نے اپنے جد نامدار حضرت عباس علیہ السلام کا مرثیہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

احق الناس ان یبکی علیہ

فتی ابکی الحسین بکربلاء

اخوہ وابن والدہ علی

ابوالفضل المضرج بالدماء

متٰی واساہ لایثنیہ شیئی

وجادلہ علی عطش بماء

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس پر رویا جائے۔ جس نے امام حسین علیہ السلام جیسے صابر کو کربلا میں رلا دیا۔ وہ کون تھے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کے بھائی تھے اور ان کی امداد میں خون میں نہائے ہوئے دنیا سے گئے۔ انہوں نے پوری مواسات کی اور ان کے لیے حالت عطش میں جنگ کی اور پیاسے دنیا سے سدھارے۔

ایضاح: اشرف علی مورخ بندی نے اپنی کتاب روض الجنان میں مذکورہ اشعار کو فضل بن حسن کی طرف اور ابوالفرج نے مقاتل الطالبین میں ایک شاعر کی طرف اور علامہ عبداللہ شبیر نے اپنی کتاب جلاء العیون عربی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اہلِ نسب اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جس دن حضرت حسین علیہ السلام عراق جانے کے قصد سے مدینہ چھوڑ رہے تھے اس وقت اُمُّ البنینؑ زندہ تھیں۔ اور واقعہ کربلا کے بعد بھی آپ جنت البقیع جا کر وہاں اپنے چار بیٹوں کی شہادت پر مرثیہ پڑھتی اور گریہ کرتی تھیں۔ عقیلۃ القریش حضرت زینبؑ سلام اللہ علیہا ان کے گھر جا کر زیارت کرتی تھیں اور خیریت پوچھا کرتی تھیں۔

طبری اپنی تاریخی کتاب میں اور ابوالفرج اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ حضرت اُمُّ البنینؑ روزانہ مزار بقیع جاتی تھیں اپنے شہدا پر مرثیہ پڑھتی اور گریہ کرتی تھیں۔ سننے والوں پر گریہ طاری ہو جاتا اور وہاں سے گزرنے والے سخت متاثر ہوتے تھے، مروان ایک دفعہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اُمُّ البنینؑ کا گریہ اور مرثیہ سن کر خود اور ساتھی رونے لگے۔ یاد رکھئے مروان دشمنِ اہلِ بیت علیہم السلام اور پتھر دل ہوتے ہوئے بھی رونے لگا۔ اس سے مصیبت آلِ محمد علیہما السلام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر بنت الشاطئ نے اپنی کتاب ''سکینہ بنت الحسین'' میں لکھا ہے کہ حضرت اُمّ رباب سکینہ بنت حسینؑ کی شہادت سے دن رات گریہ فرماتی تھیں۔ یہاں تک اسی حالت میں رحلت فرما گئیں اسی طرح اُمّ البنینؑ زوجۂ حضرت علی علیہ السلام روزانہ بقیع جا کر اپنے چاروں بیٹوں پر گریہ کرتی تھیں آخر کار رحمت الٰہی سے پیوستہ ہو گئیں، کتاب زینبؑ کبریٰ میں نقدی نے اور مقتل الحسین نامی کتاب میں عاملی نے لکھا ہے کہ حضرت اُمُّ البنینؑ حضرت عباسؑ کے چھوٹے فرزند عبیداللہ کو اپنے ساتھ لے کر جنت البقیع تشریف لے جاتی تھیں اور مرثیہ جو درج ذیل ہے پڑھتی تھیں۔

لَاتَدْعُونِيّ وَيْكِ أُمَّ الْبَنِينَ   تُذَكِّرِينِي بِلُيُوثِ الْعَرِينِ

اُم البنینؑ کہہ کے پکارے نہ اب کوئی   آئے ہیں یاد مجھ کو وہ شیرانِ حیدری

کَانَتْ بَنُونَ لِی اُدْعیٰ بِهِمْ وَالْیَومَ اَصْبَحْتُ وَلاٰ مِنْ بَنِینَ

جب تک تھے میرے لال میں اُمّ البنینؑ تھی اجڑی ہے ایسی کوکھ کہ اب کچھ نہیں رہی

اَرْبَعَۃٌ مِثْلُ نُسُورِ الرُّبیٰ قَدْ وَاصَلُوا الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِینِ

وہ میرے چار شیر نیستان مرتضیٰ سردے کے سوگئے جو سرِ خاکِ کربلا

تَنَازَعَ الْخِرْصَانُ اَشْلاٰئَهُم فَکُلُّهُمْ اَمْسیٰ صَرِیعاً طَعِینَ

میداں میں جو بھی آ گیا ان سب کے روبرو وہ جنگ کی زمیں پہ برسنے لگا لہو

یَا لَیْتَ شِعْرِی اَکَمَا اَخْبَرُوا بِاَنَّ عَبَّاساً قَطِیعُ الْیَمِینِ

اے کاش کوئی آ کے مجھے دیتا یہ خبر کیا واقعاً تھا دست بریدہ مرا پسر

اس کے علاوہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اُمّ البنینؑ فاطمہ مٹی کی چار قبریں سامنے بنا کر ان کے درمیان میں خود بیٹھ کر مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔

یَا مَنْ رَایٰ الْعَبَّاسَ کَرَّ عَلیٰ جَمَاهِیرِ النَّقَدِ

دیکھا ہے جس نے حملۂ عباسؑ نامور

وَوَرَاهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَیْدَرَ کُلُّ لَیْثٍ ذِی الْبَدِ

تھے جس کے ساتھ اور بھی کرار کے پسر

اُنْبِئْتُ اَنَّ ابْنِی اُصِیبَ بِرَأْسِهِ مَقْطُوعَ یَدٍ

سنتی ہوں ہاتھ کٹنے پہ زخمی ہوا تھا سر

وَیْلِی عَلیٰ شِبْلِی اَمَالَ بِرَأْسِهِ ضَرْبُ الْعَمَدِ

یارب گرا تھا لال مرا کیسے خاک پر

لَوْکَانَ سَیْفُكَ فِی یَدَیْكَ لَمَا دَنیٰ مِنْهُ اَحَدٌ

ہوتی جو تیغ پاس نہ آتا کوئی نظر

حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند یوسف کے لقمہ گرگ ہوجانے کے شک پر روئے اُم البنینؑ نے سرِ حسینؑ کے آنے کے بعد یقین پر صف ماتم بچھائی۔ جس ماں کے ایسے چار بیٹے ہوں اور وہ چاروں ایک ساتھ قتل ہوجائیں اُس کے تاثرات قلم کی زبان سے کہاں ادا ہوسکتے ہیں شرح کامل میں ابوالحسن اخفش عرب کے بہت بڑے ادیب کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ اُم البنینؑ واقعہ کربلا کی اطلاع پانے کے بعد سے برابر روزانہ بقیع کی طرف چلی جاتی تھیں اور جناب عباسؑ کے بچہ عبیداللہ کو اپنے ساتھ لے جاتی تھیں اور عباسؑ کا مرثیہ پڑھتی تھیں یہ نوحہ اتنا دردناک ہوتا تھا کہ مدینہ کے لوگ اُس کو سننے جمع ہوتے تھے اور مروان بن الحکم ایسا دشمن بھی اکثر وہاں چلا جاتا تھا اور پُر درد اشعار کو سن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے ذرا ان اشعار کا مضمون سنئے دیکھئے تو وہ کیا ہیں؟ اُن میں فقط درد ہی نہیں بلکہ وہ قوتِ نفس بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسؑ ایسے شیر کی ماں کے دل سے نکلے ہوئے ہیں۔ کہاں ہیں دیکھنے والے میرے شیر عباسؑ کے جب وہ حملہ آور تھا بھیڑوں کے گلہ پر اور اُس کے پیچھے تھے حیدر صفدر کی اولاد کے کئی شیر مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے فرزند کے سر پر گرز لگا اُس وقت جب اُس کے ہاتھ کٹ چکے تھے ہائے افسوس میرے بچہ کے سر کو گرز نے شگافتہ کردیا اے عباسؑ مجھے یقین ہے کہ اگر تیری تلوار تیرے ہاتھ میں رہتی تو کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ تیرے قریب آسکے۔ انتہیٰ

یہ اشعار بھی جناب اُم البنینؑ کے ایک خاص اثر کے حامل ہیں ''اے لوگو اب مجھے اُم البنینؑ (فرزندوں کی ماں) نہ کہو اس سے تو مجھے میرے شیر یاد آجاتے ہیں۔ تھے کبھی میرے کئی بیٹے جن کے نام سے میں پکاری جاتی تھی اب تو میرے بیٹے ہی نہیں رہ گئے چار وہ جیسے باز ہائے شکاری سب موت کے گلے میں باہیں ڈال چکے نیزوں

نے اُن کے جسم کے ٹکڑے کیے اور سب زمین پر بے جان ہوکر گر گئے۔ ارے کیا یہ صحیح ہے لوگ کہتے ہیں کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہو گئے تھے۔

باب الاسماء میں اس نوحہ پر بحث ہو چکی ہے۔ اور لفظ بلفظ تشریح سے خوفِ طول میں ہم قاصر ہیں اصل مرثیہ یہ ہے۔

يــــامــن راوى الــعبـــاس كــرّ

عــلـــى جــمـــاهيـــرا لـــنــفــد

دوراه مـــــن انبـــــاء حيـــد

ركـــــل ليــــث ذى لبـــلـــد

انبـئـت ان الـنبى احيب براسه مقطوع يد

ويـلـــى عــلـــى شبـلــــى ام

ل بـــراســــه ضـــرب الــعــمــد

لـــوكـــان سيــفك فـــى يـــد

بك لـــمــــارنـــا مـــنـــه احـــد

پہلے شعر میں مکرر حملہ کا ذکر ہے جو حدیث خیبر كـراراً غير فراراً سے ماخوذ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شعر میں محترمہ نے کسی اُس حملہ کا ذکر کیا ہے جس میں سب بھائی شریک تھے ظاہر ہے کہ بی بی نے براہ راست زینبؑ واُم کلثوم شاہزادیوں سے حالات پوچھے ہیں اور چشم دید کیفیت کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے کر تاثرات سلک نظم میں آئے شبلی کی لفظ محترمہ اُم البنینؑ نے جناب معصومہ عالم فاطمہ زہراؑ کے منظوم کلام سے حاصل کی ہے جو سورۂ دہر کی شان نزول میں استعمال ہو چکی ہے۔ اسـواجيـاعـاً وهم اشبـالى (ابوالحسن) بچوں نے میرے یوں شام کی ہے کہ وہ

بھوکے ہیں مگر وہ شیر کے بچے ہیں۔ دوسرا مرثیہ یہ ہے۔

لاتــدعــونــی ویك و اُم البــنیــن

تــذکــریــنــی بـلیـوث الـعـریـن

کـــانــت بــنـــون لـی ادعـی بهـم

والیــوم اصبـحــت ولا مـن نبیــن

اربــعـة مثــل نــور الــربـــی

قـد وصـلـوا الـمیت یـقـطع الـوتیـن

تـنـــازعــاالــخــرصـان اشلائهم

فـکـلـهـم امـی صــریـعــا طـعبن

یـــالیــت شـعـری اکـمــا اخبـروا

بــانّ عبــاســاً قــطـع الیـمیـن

دوسری نظم سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ چاروں بھائیوں کو دشمن کے نیزوں کا زیادہ سامنا ہوا یہ دلیل شجاعت ہے کہ دشمن اُن پر دور سے حملہ آور تھے۔

حضرت اُم البنینؑ حضرت عباسؑ کے ماتم میں:

مقاتل کی کتابوں میں حضرت عباسؑ کی فضیلت اور بلند مقام کے متعلق بہت سی روایات ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیّد الساجدینؑ نے فرمایا کہ خداوند بزرگ و برتر میرے چچا عباسؑ پر رحمت نازل فرمائے، انھوں نے بڑا ایثار کیا اور اپنی جان اسلام کی نصرت میں اپنے بھائی پر قربان کردی یہاں تک کہ اپنے بھائی کی یاوری میں ان کے دونوں ہاتھ قطع کر دیئے گئے اور حق تعالیٰ نے دو ہاتھوں کے عوض ان کو دو پر عنایت فرمائے اور ان پروں سے فرشتوں کے ساتھ بہشت میں مانند حضرت جعفر بن

ابی طالب پرواز کرتے ہیں اور خداوند کریم کے نزدیک وہ بلند مرتبہ ہے جس پر قیامت کے دن تمام شہداء رشک کریں گے۔

حضرت اُم البنینؑ نے جب حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کی شہادت کی خبر سنی تو اس قدر دل سوز گریہ فرمایا کہ اہل مدینہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چونکہ شہر میں آپ کی گریہ و زاری سے ہمسائیوں کو تکلیف ہوتی تھی لہٰذا ''بقیع'' کے قبرستان میں آپ نے ایک حجرہ بنالیا جہاں آپ صبح کو جاتی تھیں اور شام تک نالہ و فریاد کرتی تھیں اور اس محبت کی وجہ سے جو آپ کو حضرت عباسؑ سے تھی جب تک زندہ رہیں روتی رہیں اور جو شخص ان کے پاس سے گذرتا تھا وہ بھی ان کے بین سن کر رونے لگتا تھا حتیٰ کہ دشمن اور سنگ دل لوگ بھی رونے لگتے تھے۔ ایک روز مروان بن حکم جو کہ خاندان نبوت کا سب سے بڑا دشمن تھا حضرت اُم البنینؑ کے پاس سے گذرا اور ان کا نوحہ سن کر رونے لگا۔

حضرت اُم البنینؑ نے اپنے بیٹوں کے غم میں بہت سے مرثیے لکھے۔ وہ صاحب علم اور فصیح و بلیغ شاعرہ اور بڑی زاہدہ تھیں۔

حسب ذیل اشعار جو انھوں نے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے غم میں نظم فرمائے ہیں بہت مشہور ہیں:-

یَامَنْ رایَ العباس کَرَّ عَلی جماھیر النقد

اے وہ شخص جس نے عباسؑ کو منتخب بہادروں کے ہجوم پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا۔

وَوَزاہُ مِنْ اَنباءِ حَیْدر کُلُّ لَیْثٍ ذی لَبَیدٍ

جبکہ عباسؑ کے پیچھے حیدر کی اولاد تھی جس میں ہر شخص ایک بہادر شیر کی طرح تھا۔

اُنبئتُ اَنّ ابْنِی اُصِیْبَ بِرَاسِہٖ مقطوعَ یَدٍ

مجھ کو اطلاع ملی ہے کہ میرے بیٹے کے سر پر اس وقت گرز مارا گیا جبکہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے تھے۔

وَیْلی عَلیٰ شِبْلِی اَمَالَ بِرَاسِہٖ ضَرْبُ اَلْعَمَد

مجھ کو افسوس ہے کہ میرے جوان شیر کے سر پر گرز لگا۔

لَوْکَانَ سَیْفُکَ فی یَدَیْکَ لمادَنیٰ منه احَد"

اے عباسؑ! کاش تیرے ہاتھوں میں تلوار ہوتی تو کوئی حملہ آور قریب نہ آتا۔

لا تــدعــونــی ویك اُمّ البــنیــن

ارے اب مجھے اُم البنینؑ کہہ کر نہ پکارو

تُـذَکّـرِیْـنـیِ بِلُیـوُثِ الْـعَـرِیْـنِ

کہ تم مجھے یاد دلاتی ہو ان بیشہ وغا کے شیروں کی

کَـانَـتْ بَـنُـونَ لِـی اُدْعـیٰ بِهِـمْ

تھے میرے بیٹے جنکی طرف منسوب کر کے مجھے پکارا جاتا تھا

وَالْیَـومَ اَصْبَـحَـتُ وَلَامِـنْ بـنیـن

اب تو میں اس عالم میں ہوں کہ اب میرے بیٹے نہیں رہ گئے ہیں

اَربَـعَةٌ مثـلُ نُسُـوْرِ الـرُّبـیٰ

وہ چار جو مثل شہبازوں کے تھے

قَـدُوا صَـلُـوْا الْـموتِ بِقَطْـعِ الـوتِیـنِ

جنھوں نے موت سے رشتہ قائم کیا اپنی رگہائے گردن کو کٹا کر

تَـنَـازَع الـحِـرضَـانُ اَشْلَائـمُ

نیزوں کی انیاں متواتر ان کے جسم پر پڑیں

فَكُلُّهُم أمسَىٰ صَرِيعاً طِيْنَ

جس سے وہ بے جان ہوکر زمین پر گر گئے

يَالَيتَ شِعرِي أكَمَا أُخبَرُوا

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سچ ہے

بِأَنَّ عَبَّاساً قَطِيْعُ اليَمِيْنِ

کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہوگئے

باب ۲۰......

وفات حضرت اُمُّ البنینؑ

بعدِ واقعہ کربلا حضرت اُمّ البنینؑ ایسی ضعیف و ناتواں ہوگئیں کہ ہمیشہ بہ سبب دردِ سر کے سرِ اطہر پر ایک رومال بندھا رہتا تھا اور چشمِ انور سے ہر وقت متصل اشک جاری اور ہائے حسینؑ، ہائے عباسؑ، ہائے جعفر، ہائے عبداللہ زبان اقدس پر جاری تھا اور ہمیشہ قبرستان جنت البقیع جا کر نوحہ اور بین کرتی تھیں اور ایک ایک فرزند نوجوان کا نام لے کر رویا کرتی تھیں۔ جب تک زندہ رہیں اسی طرح روتی رہیں۔ یہاں تک مغموم و محزوں دنیا سے رحلت کر گئیں۔ (بحر المصائب صفحہ ۴۶۰)

وفات کا سن اور تاریخ:

۱۳ر جمادی الثانی یوم جمعہ ۶۴ ھجری میں اس دنیا سے رحلت فرما گئیں (یعنی حادثہ کربلا کے بعد تین سال پانچ مہینے اور تین دن زندہ رہیں) لیکن مشہور خواتین جو عالم اسلام میں گزر چکی ہیں ان میں سے اکثر کی تاریخ ولادت و وفات کتابوں میں ذکر نہیں۔

میں تاریخی اور انساب کی کتابوں میں انتہا جستجو کے بعد تاریخ وفات اور دن تلاش

کرنے میں کامیاب ہوا۔ اتفاق سے علامہ بیرجندی کی کتاب معروف ''وقائع الشہور والایام'' میں لکھا تھا کہ جناب فاطمہ اُمُّ البنینؑ کلابیہ مادر عباسؑ نے ۶۴ ھجری میں وفات پائی۔ حضرت اُمّ البنینؑ کا سن اس وقت ۵۸ برس تھا۔ (حیدرالمرجانی)

اس کے علاوہ اعمش نے اپنی کتاب ''اختیارات'' میں لکھا ہے کہ ایک دن میں امام زین العابدین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا اور اس دن کی تاریخ ۱۳ ر جمادی الثانی اور جمعہ کا دن تھا اتنے میں فضل ابن عباسؑ امیر المومنین داخل ہوئے۔ وَهُوَ بَاكٍ حَزِينٍ يَقُولُ لَقَدْ مَاتَكْ جِدَّتِي أُمُّ البَنِينِ فضل غمگین حالت میں رو رہے تھے اور عرض کیا میری جدہ اُمُّ البنین اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

علامہ شیخ ھادی آل کاشف العظآء اپنی کتاب ''المقبولۃ الحسینیہ'' میں تحریر فرماتے ہیں جناب اُم البنینؑ کی ذات نادر الوجود خواتین میں شمار ہوتی ہے۔ ان کی عظمت و جلالت اہلِ سیرت وبصیرت کی نگاہ سے مخفی نہیں۔

سید محمد باقر قراباغی ہمدانی نے اپنی کتاب کنز المطالب (خطی) میں ص ۸۷ پر

اور

بیرجندی نے **وقائع الشهور والايام** میں ص ۱۰۷ پر

اور

سید مہدی سویج الخطیب نے **ام البنين سيدة النساء العرب** میں ص ۸۵ پر

۱۳ جمادی الثانی بروزِ جمعہ ۶۴ھ تحریر کی ہے۔

اور یہ بھی درج کیا ہے کہ

''اس روز فضل بن عباس علمدار علیہ السلام روتے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا میری دادی امّ البنینؑ نے رحلت پائی''

اگر چہ اس موقع پر ہمارے پاس زیادہ روایات نہیں کہ جو واقعیت کو آشکار کر سکیں لیکن ظاہر ہے یہ سارے قرائن خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں نماز جنازہ امام زین العابدین علیہ السلام نے ہی پڑھائی ہوگی اور امام وقت اور معصوم کا آپکی نماز جنازہ پڑھانا خود آپؑ کی عظمت پر شاہد ہے۔

(امّ البنین علیہا السلام۔۔شیخ نعمۃ ھادی الساعدی۔۔ص ۷۷تا۸۱)

مدفنِ حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت اُمّ البنینؑ قربِ جناب فاطمہ زہراؑ میں مدفون ہیں، جنت البقیع (مدینۂ رسولؐ) میں دروازے کے قریب آپ کی قبر ہے۔ مومنین جب باریاب ہوں آپ کی زیارت ضرور پڑھیں۔

باب ۔۔۔۔۔۲۱

بابِ اُمّ البنینؑ

کربلائے معلّیٰ (عراق) میں حضرت عباسؑ علمدار کے روضۂ مبارک میں سنہرے حروف سے ایک دروازے پر لکھا ہے ''بابِ اُمّ البنینؑ''۔ دروازے پر ایک موٹی سی زنجیر لگی ہے۔ زائرین اس زنجیر کو پکڑ کر بے تابی سے گریہ کرتے ہیں۔

زیارتِ قبرِ حسینؑ اور اُمّ البنینؑ:

کربلائے مُعلّیٰ میں یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت اُمّ البنینؑ امام حسینؑ کے قبر کی زیارت کے لیے مدینے سے تشریف لائی تھیں۔ جب جوان فرزند عباسؑ علمدار کی قبر پر زیارت کے لیے چلیں تو اس مقام پر غش آ گیا۔ قبرِ عباسؑ تک پہنچتے پہنچتے حالت غیر ہوگئی۔

جس جگہ آپ غش کھا کر گری تھیں وہاں اب ''بابِ اُمّ البنینؑ'' بطور یادگار قائم ہے۔ اور یہی دروازہ حضرت عباسؑ کی اصل قبر تہہ خانے تک لے جاتا ہے جو ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔

ماجد رضا عابدی نے کیا خوب شعر کہا ہے:-

اک درِ اُمّ البنینؑ ہے روضۂ عباسؑ میں
سُنتی ہیں بیٹے سے پہلے عرضیاں اُمّ البنینؑ

باب ۔۔۔۔۔ ۲۲

عظمتِ حضرت اُمّ البنینؑ

تاریخ نے جو کچھ حضرت اُمّ البنینؑ کے بارے میں ذکر کیا ہے وہ آپ کی عظمت کے پیشِ نظر بہت کم ہے۔

(ام البنین علیہا السلام۔۔شیخ نعمۃ الساعدی۔۔ص ۹)

حضرت اُمّ البنینؑ ۵ ھجری میں پیدا ہوئیں۔شادی ۲۰ ھجری میں ہوئی۔اس وقت آپ کا سن مبارک ۱۵ برس تھا۔۲۲ ھجری میں حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی اس وقت حضرت اُمّ البنینؑ کا سن مبارک ۱۷ برس کا تھا۔ جب حضرت علیؑ کی شہادت ہوئی حضرت اُم البنینؑ کا سن مبارک ۳۴ برس تھا۔واقعۂ کربلا کے وقت حضرت اُم البنینؑ کا سن مبارک ۵۵ برس اور وقتِ وفات ۵۸ برس کا سن تھا۔

حضرت زینبؑ کی ولادت کا سن ۶ ھجری سے ۹ ھجری کے درمیان لکھا جاتا ہے۔ حضرت زینبؑ، حضرت اُمّ البنینؑ سے دو یا تین سال چھوٹی تھیں۔لیکن حضرت زینبؑ کی شادی ۱۷ ھجری میں ہو چکی تھی جب حضرت اُمّ البنینؑ بیاہ کر خانۂ علی میں تشریف لائیں۔

بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؑ اور حضرت عبداللہ دونوں بھائیوں میں

۸ برس کا فرق ہے۔ اِن آٹھ برسوں کے درمیان حضرت اُمّ البنینؑ کی صاحبزادی حضرت خدیجہ بنتِ علیؑ کی ولادت ہے۔ زیارت اُمّ البنینؑ میں آپ کی صاحبزادی حضرت خدیجہ پر بھی سلام ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ۴۰ھجری میں ہوئی۔ اس وقت حضرت عباسؑ ۱۹ برس کے تھے۔ خدیجہ بنتِ علیؑ ۱۷ برس کی تھیں، حضرت عبداللہ بن علی ۱۱ برس کے تھے، حضرت عمران بن علی ۹ برس کے تھے۔ حضرت جعفر بن علی ۷ برس کے تھے۔

کربلا میں وقت شہادت حضرت عباس علمدار ۳۸ برس کے تھے، حضرت عبداللہ بن علی ۳۰ برس کے تھے۔ حضرت عمران بن علی ۲۸ برس کے تھے۔ حضرت جعفر بن علی ۲۶ برس کے تھے۔ حضرت خدیجہ بنتِ علی ۳۶ برس کی تھیں۔

حضرت اُمّ البنینؑ کی شادی، حضرت فاطمہ زہرؑا، اُمامہ بنتِ ابی العاص، خولہ بنتِ جعفر، اسما بنتِ عمیس، صہبا خاتون (عرف اُمِّ حبیب) کے بعد ہوئی ہے۔

حضرت اُمّ البنینؑ خاتونِ ششم ہیں جو خانۂ امیر المومنینؑ حضرت علیؑ میں بیاہ کر آئی ہیں۔

تاریخِ انبیاء اور حضرت اُمّ البنینؑ

حضرت آدمؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ

حضرت آدمؑ کا گریۂ و بکا مشہور ہے۔ حضرت اُمّ البنینؑ بعدِ کربلا تا حیات گریۂ و بکا میں مصروف رہیں۔ حضرت آدمؑ ایک فرزند کی شہادت پر روئے لیکن اُمّ البنینؑ اپنے چار فرزندوں پر اور فرزندِ زہرا امام حسینؑ اور اپنے پوتوں کے غم میں روتی رہیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت نوحؑ نے اتنا نوحہ کیا کہ ان کا نام ہی نوحؑ ہو گیا۔ اُمّ البنینؑ نے بھی اپنے بیٹوں

کے غم میں نوحہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ حضرت نوح کے بھی چار بیٹے تھے تین بیٹے فرماں بردار اور ایک اُن کے اہل سے نہ تھا وہ باغی اور سرکش تھا۔ حضرت اُمّ البنینؑ کے بھی چار بیٹے تھے اور چاروں منتخب روزگار، سعادت مند اور فرماں بردار تھے۔ اس طرح اُمّ البنینؑ کا مرتبہ حضرت نوح سے افضل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت ابراہیم نے ایک بیٹا راہ خدا میں فدا کیا لیکن وہ بچ گیا۔ اُمّ البنینؑ نے چار بیٹے راہ خدا میں قربان کئے اور چاروں شہید ہو گئے اور چاروں کی شہادت مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوئی۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو نصیحت کی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بنی امیّہ کا فرعون مروان جو ظالم ترین شخص تھا۔ حضرت اُمّ البنینؑ کے مرثیے سُن کر رونے لگتا تھا۔

حضرت یعقوبؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت یعقوب کے ۱۲ بیٹے تھے۔ (۱) حضرت یوسف Joseph (۲) روبن Reuben (۳) شمعون Simeon (۴) لاوی Levi (۵) یہوداہ Judah (۶) اشکار Issachar (۷) زبلون Zebulun (۸) جد Gad (۹) آشر Asher (۱۰) دان Dawn (۱۱) نفتالی Nephtali (۱۲) بن یمین Benjamin ایک بیٹی تھی دینہ Dinah

حضرت یعقوب کے ۱۲ بیٹوں میں سے صرف ایک حضرت یوسف اپنے باپ یعقوب سے جدا ہو گئے۔ یعقوب اتنا روئے کہ دیدے بہہ گئے، آنکھیں سفید ہو گئیں،

آنکھوں کا نور چلا گیا، اللہ نے قرآن میں کہا کہ

''میرے بندے یعقوب نے صبرِ جمیل کیا''

حضرت اُمّ البنینؑ کے چار بیٹے خود اُن کے بطنِ مبارک سے تھے لیکن وہ علیؑ کے سب بیٹوں کی ماں تھیں وہ امام حسینؑ کو اپنا سگا بیٹا سمجھتی تھیں۔ کربلا میں اُمّ البنینؑ کے بارہ بیٹے تین دن کے بھوکے پیاسے کربلا میں قتل کر دیئے گئے۔ اللہ رے اُمّ البنینؑ کا صبر کیا یعقوب سے افضل ہیں اُمّ البنینؑ اور قرآنی آیات کی مصداق ہیں۔ اُمّ البنینؑ کے بیٹے:-

(۱) حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ (۲) حضرت عباسؑ ابن علیؑ (۳) حضرت عبداللہ ابن علیؑ (۴) حضرت عمران ابن علیؑ (۵) حضرت جعفر ابن علیؑ (۶) حضرت محمد ابن علیؑ (۷) حضرت عبداللہ ابن علیؑ (۸) حضرت ابراہیم ابن علیؑ (۹) حضرت عباس اصغر ابن علی (۱۰) حضرت محمد اوسط ابن علی (۱۱) حضرت عون ابن علیؑ (۱۲) حضرت عمیر ابن علیؑ

حضرت یوسفؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا کہ چاند، سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یوسفؑ کے خواب کی تعبیر یہ تھی کہ انھیں مصر کی حکومت ملی اور اُن کے بھائی ماں اور باپ اُن سے آکر ملے۔

حضرت اُمّ البنینؑ نے خواب دیکھا کہ اُن کی گود میں چاند اور تین ستارے آکر گرے ہیں۔ حضرت علیؑ نے خواب کی تعبیر بتائی کہ تمھارا ایک بیٹا عباسؑ ہوگا جو قمرِ بنی ہاشم ہوگا اور تین بیٹے مثل ستاروں کے ہوں گے جو تمہاری گود میں پرورش پائیں گے۔ اُمّ البنینؑ کے چاروں بیٹے اُن کی سلطنت تھے۔ اُن کی سلطنت کربلا میں تاراج ہوگئی۔

اس کا صلہ اللہ نے کیا عطا کیا ہے یہی نہ کہ عباسؑ جب محشر کے میدان میں آئیں گے انبیاء اُن پر غبطہ (رشک) کریں گے۔ وہ جنّت میں زمرّد کے دو پروں سے پرواز کرتے ہیں۔

ازواجِ انبیاء اور حضرت اُمّ البنینؑ

حضرت حوّا اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت حوّا نے ہابیل کی شہادت پر ماتم و گریہ کیا۔ ایک فرزند کا غم انھیں دیکھنا پڑا لیکن حضرت اُمّ البنینؑ نے چار بیٹوں کا غم کیا اور تا حیات گریہ کرتی رہیں۔ حضرت حوّا کی نسل جناب شیث سے پوری دنیا میں پھیل گئی۔ حضرت اُمّ البنینؑ کے پوتے حضرت عبید اللہ ابن عباس علمدار سے نسل پوری دنیا میں پھیل گئی اور سب کے سب منتخبِ روزگار تھے۔

حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت ہاجرہؑ کا ایک بیٹا کچھ دیر کے لیے پیاس سے تڑپا تو وہ بے قرار ہو گئیں اور پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ کے چار بیٹے تین دن کے پیاسے قتل کر دیئے گئے اور انھوں نے صبر کیا۔ حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیل کی قربانی کا حال سُن کر صدمے سے چند دن علیل رہ کر انتقال کر گئیں۔ حضرت اُمّ البنینؑ نے اپنے چار بیٹوں کی خبر شہادت سُن کر شکر کا سجدہ کیا۔

حضرت اُمّ موسیٰؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت موسیٰؑ کی والدہ یوکبید سے حضرت موسیٰؑ جدا ہوئے تو اللہ کہتا ہے قریب تھا کہ غم سے اُن کا کلیجہ پھٹ جاتا، ہم نے اُن کو صبر و قرار عطا کیا اور جلد ہی ماں کو بچے سے ملا دیا۔

مگر حضرت اُمّ البنینؑ کے چار کڑیل جوان بیٹے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو ماں سے جدا ہوئے تو پھر کبھی ملاقات نہ ہوسکی اور اُن کی شہادت کی خبر آئی۔ اللہ نے حضرت اُمّ البنینؑ کو صبر و قرار عطا کیا۔

حضرت آسیہؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت آسیہؑ نے اللہ سے دعا کی "پروردگار میرے لیے جنت میں ایک مکان بنادے"

اذقالت ربِّ اُبنِ لِي عندكَ بيتاً في الجنّة (سورۂ تحریم آیت ۱۱)

اللہ نے آسیہ کو جنت میں گھر عطا کردیا۔

حضرت اُمّ البنینؑ جنت البقیع میں جاکر اپنے چاروں بیٹوں کی قبریں بناتی تھیں۔ لیکن اُن قبروں کو مٹا کر ایک قبرِ حسینؑ کی بناتی تھیں اور کہتی تھیں جب تک زندہ ہوں حسینؑ کو روؤں گی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اُمّ البنینؑ کو اُس نے جنت میں بلند ترین قصر عطا کیا ہوگا۔ اس لیے کہ خدا کی بارگاہ میں اُم البنینؑ کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضرت مریمؑ اور حضرت اُمّ البنینؑ:

حضرت مریم کو اللہ نے ایسا فرزند حضرت عیسیٰؑ عطا کیا جو بیماروں کو شفا عطا کرتا تھا۔ اُن کا لقب مسیح تھا۔ حضرت اُمّ البنینؑ کو اللہ نے عباسؑ جیسا بیٹا دیا جو "باب الحوائج" ہے۔ عباسؑ بھی بیماروں کو شفا عطا کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا فیض ختم ہوگیا۔ حضرت عباسؑ کا فیض اب تک جاری ہے۔

شمشاد و خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی — تاجِ سرِ اربابِ ہُمم ہے وہ بہشتی
سقّائے یتیمانِ حرم ہے وہ بہشتی — پیاسا ہے مگر بحرِ کرم ہے وہ بہشتی

شرمندہ ہے نیساں شہِ مرداں کے پسر سے
بھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے

گو دور ہیں پر اپنے غلاموں کا ہے کیا پاس　　جس وقت کہ ہوتا ہے ہجومِ الم و یاس
آتی ہے صدا دل سے کہ یا حضرتِ عباسؑ　　ہو جاتا ہے وہ امر کبھی جس کی نہ ہو آس

مانا کہ امامت سے وہ ممتاز نہیں ہے
بتلاؤ یہ پھر کیا ہے جو اعجاز نہیں ہے

دو ہاتھ جو قربان کئے ، حصے میں آئی　　دیں پروری و داد رسی عقدہ کشائی
کوثر تو ہے قبضے میں تصرّف میں ترائی　　ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی

بے دست ہیں لیکن سپرِ پیر و جواں ہیں
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیفِ زباں ہیں

تھرّاتا ہے خورشید جلال و حشم ایسا　　لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا　　جھک جاتی ہے شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا

قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
دامن دُرِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

کیا فیض ہے کیا اسمِ مبارک میں اثر ہے　　ہنگامِ مرض تقویتِ قلب و جگر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہے　　بازو پہ جو باندھے تو سرِ دست ظفر ہے

کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں بلا میں
آفت میں سپر ہے تو سروہی ہے وغا میں

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر　　شیعوں کی پناہ اور عدو کے لیے شمشیر
وہ مشکلِ لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر　　یا حضرتِ عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر

اعجاز و کرامت اسے کہیے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مثلِ علیؑ عقدہ کشا ہے

محبان اہلبیتؑ کا زیارتِ حضرت اُم البنینؑ میں یہ کہنا کہ:-

"انّكِ من اولياء الله "

''بے شک آپ اولیاء خدا میں سے ہیں''

اسکے حق ہونے میں کوئی بات مانع نہیں۔

(ام البنین علیہا السلام۔۔شیخ نعمۃ الساعدی۔۔ص ۲۱)

حضرت اُم البنین کی کرامات:

آپکی کرامات کثیر ہیں۔آپ بھی باب الحوائج ہیں۔

نجف اشرف اور مومنین کی اور بستیوں میں آپ کی کرامات کو شہرت ہے۔

اہل نجف میں واقعہ بہت مشہور ہے۔کہ اس وقت عراقی حجاج کی عقلیں حیران ہوگئیں جب اہل نجف نے بعدِ حج مدینہ کو رجوع کیا اور ایک ولیمہ جناب اُم البنین (علیہاالاسلام) کے دستر خوان کے نام سے منعقد کیا اور سارا اسباب خورد ونوش جس جگہ رکھا وہ سعودیوں میں سے ایک شخص المدعو بن جمزان کے گھر کے دروازے کے بالکل قریب تھا۔وہ اپنا دروازہ کھول کر باہر آیا اور ان سب چیزوں کے بارے میں پوچھا۔اِن لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمان حجاج ہیں، ہم نے اس دستر خوان کا اہتمام کیا ہے، کہ ہم حجاج میں کھانا تقسیم کریں اور یہ ہمارا دستور ہے کہ ہم ان دنوں میں زوجۂ امیر المومنین، جناب ام البنینؑ (علیہم السلام) کے نام پر کھانا کھلاتے ہیں۔اس نے غصہ اور تلخ کلامی کی اور بلند آواز سے بدوی لہجے میں اہلبیتؑ پر سبّ کیا۔اور کہتا تھا کون ام البنین ۔۔۔(نعوذ بالله من ذالك) پھر اسباب طعام کی طرف بڑھا اور دیگیں اور رکابیاں الٹ دیں۔سب کھانا زمین پر گر گیا۔

یہ دیکھ کر مومنین نے جناب مادرِ ابوالفضلؑ سے توسّل کیا اور پکار کر کہا۔

''اے ام البنینؑ اگر آپ ام البنینؑ ہیں تو اپنی کرامت دکھایئے''

ابھی توسّل تمام نہ ہوا تھا کہ وہ شخص اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کے زمین پر گرا اور لوٹنے لگا اور اپنے پیٹ اور آنتوں میں تکلیف کی شکایت کرتا تھا۔ اٹھا کر اسپتال لے جایا گیا لیکن جانبر نہ ہوا۔ کچھ ہی دیر میں موت کی خبر آگئی جسکے بعد اسکے گھر والوں نے مومنین سے معذرت کی۔ (امّ البنین علیہا السلام ۔۔ شیخ نعمۃ الساعدی ۔۔ ص ۴۸)

مومنین میں آپکے نام پر دسترخوان اور لوگوں کو کھانا کھلانے کا رواج ہے اور یہ یقیناً مقبول عمل ہے جو آل رسول علیہم السلام کے سرور کا سبب ہے۔ آپ کے دسترخوان پر مراد آتی ہے اور منّت پوری ہوتی ہے اور خصوصیت سے مرض میں شفاء اور بے اولاد کے لئے اولاد آپ کی عنایات خاصہ میں سے ہے

(امّ البنین علیہا السلام ۔ محمد رضا عبد الامیر انصاری ۔ ص ۴۳)
(امّ البنین علیہا السلام ۔۔ شیخ نعمۃ الساعدی ۔۔ ص ۲۳)

خواص کے درمیان اس بات کی شہرت ہے کہ اگر کسی کی کوئی شئے کھو جائے یا کسی شئے کی آرزو ہو تو ایک بار سورہ حمد کی تلاوت کر کے روح گرامیٔ جناب ام البنینؑ کو نذر کیا جائے تو فوراً مراد آئے گی اور وہ شئے مل جائے گی۔

(امّ البنین علیہا السلام ۔ محمد رضا عبد الامیر انصاری ۔ ص ۳۶)
(ام البنین علیہا السلام ۔۔ شیخ نعمۃ الساعدی ۔۔ ص ۲۲)

آپ کی ذات جلیلہ کے بارے میں قلوب میں یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ عند اللہ آپ کی شان بلند اور آپ کا رتبہ عظیم ہے۔ اور لوگ اپنے کرب میں آپ کے واسطے خدا سے التجاء کرتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کو وسیلہ قرار دیتے ہیں تو غم والم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور آپ کی ذات سے لو لگاتے ہیں اور پکارتے ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ عند اللہ آپ صاحبة المنزلة الكريمة ہیں۔ یقیناً آپ نے راہ خدا میں

اپنے جگر پاروں کو قربان کر کے یہ عظمت پائی ہے۔

(العباسؑ ابن علیؑ رائد الکرامۃ والفداء فی الاسلام۔۔باقر شریف القرشی)

گمشدہ حقیقتیں:

ا۔ آپ شاعرہ تھیں اور آپ کے کہے ہوئے مرثیے وارد ہوئے ہیں جنھیں ہم پڑھتے ہیں اور کتب ادب (جیسے ادب الطف) میں روایت ہوئے ہیں۔لیکن ہم نہیں پڑھتے کسی کتاب میں کوئی ایک بیت بھی جو امیر المومنینؑ کی شہادت پر آپؑ نے کہی ہو۔کیوں؟ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس بارے میں قاری کی فکر سوال کرتی ہے۔اور اسکی وجہ صرف یہی بیان کی جاسکتی ہے آپ نے تو شعر کہے لیکن تاریخ میں محفوظ نہ ہوسکے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ بھی مدوّن نہیں ہے اور بعید نہیں کہ کثیر رثائی سرمایہ وہ ہے جو ضائع ہوا ہے۔

۲۔ خواص وعوام میں اسکی شہرت ہے کہ آپؑ ایک فاضلہ وعارفہ وصاحبِ یقین خاتون آپ کی حیات کا خاصہ حصہ مولائے کائناتؑ کے ساتھ بسر ہوا جو خزانہ علم بھی تھے اور معنی وبیان کے بحر بے کنار بھی تھے۔مگر ہم نہیں پاتے کہ آپؑ سے کوئی روایت ہوئی ہو یا حکایت یا حدیث یا آپ نے کبھی کہا ہو کہ میں نے امیر المومنینؑ سے یہ سنا۔کیوں؟ یہ وہ حقیقت ہے جو ہم پر مخفی ہے شاید اسکا سبب یہ ہو کہ کس کے امکان میں تھا کہ اسے مدوّن کرے کہ خانہ علیؑ میں کیا بیان ہوا ہے؟ لیکن یہ کافی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو اسی چھاؤں میں پروان چڑھایا جو امیر المومنینؑ سے حاصل کی تھی۔تو گویا بیانیہ روایات عمل میں ڈھل کر ظاہر ہوئیں۔

۳۔آپ اور مستوراتِ بنی ہاشم کی طرح کربلا نہیں گئیں۔کیوں نہیں گئیں؟ آپ مدینے میں کیوں رہ گئیں؟ کیا اسکا کوئی سبب ہے یا علیل تھیں۔یا کبرسنی کی وجہ سے یا

امام حسینؑ نے اس سلسلے میں کچھ ارشاد کیا تھا۔ بات یہ نہیں تھی۔ وہ مدینے میں رہیں تھیں تاکہ ذریّتِ عباسؑ کا تحفظ ہو سکے۔

۴۔ (یہ صورت فرضی ہے) اگر آپ کربلا چلی جاتیں۔ اور آپکی اولاد قتل ہوتی اور آپ بھی اسیروں میں ہوتیں تو کیا آپ کی قوم خاموش رہتی اور کیا اس واقعہ پر آپ کے قبیلے والے سکوت اختیار کرتے نہیں بلکہ آپ کی رہائی کا مطالبہ کرتے ابن زیاد (ملعون) سے۔ اور ظاہر ہے کہ انہیں اپنے عزیزوں سے تعلق ہوتا نہ کہ سارے اسیرانِ اہلبیت علیہم السلام سے۔ آپؑ نے اس صورتحال پر مدینے میں رہنے کو ترجیح دی اور اسمیں ذرّیت عباسؑ کا تحفظ شامل تھا۔

۵۔ کیا آپؑ کے لئے کتبِ زیارات وادعیہ میں زیارت وارد ہوئی ہے اور یا کوئی حدیث جس سے اخذ کیا جائے یا اس پر اعتماد کیا جائے؟ اس عنوان پر سندِ صحیح سے کچھ وارد نہیں ہوا۔ پس جب ہم آپ کی زیارت کرنا چاہیں تو ہم کیا کہیں اور کن لفظوں میں آپ کو مخاطب کریں؟

ہمیں آپ کی زیارت کرنا چاہیے (قریب و دور سے) اور آپ کا حق ہے کہ آپ کو اس عبارت سے یاد کیا جائے کہ ''اے مومنہ صالحہ'' اور اس محبت کے سبب جو ابا عبداللہ الحسینؑ سے تھی۔ ہم آپ کو پکاریں۔

''اے ام الحسینؑ، اے زندۂ جاوید کی مادر گرامی کہ روز حشر معیت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں آئیں گیں خدا آپ سے راضی ہے۔ اور بارگاہِ قدوسیت میں آپ کی کاوشوں پر آپ کے لئے بہترین صلہ ہے''

ہم ''ساعدی'' کی کوششوں اور عقیدت کی قدر کرتے ہیں لیکن ہمیں اس پر حیرت ہے کہ وہ کیسے بے خبر رہے جناب ام البنین علیہا السلام کی اس زیارت سے جسے

متاخرین میں محمد رضا عبد الامیر انصاری نے اپنی کتاب ''امّ البنینؑ'' ص ۵۰ پر نقل کیا ہے اور محمد الصالح جوہری نے ضیاء الصالحین میں ص ۶۰۶ پر درج کیا ہے۔

جناب امّ البنین اور عہد جدید:

اسوقت دنیا انٹرنیٹ پر سمٹ کر آ گئی ہے۔ اور مذہب اور عقائد بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ اس برقی صفحہ پر جگمگا رہے ہیں۔ جہاں اور دوسرے ناموں سے دین حقّہ کے معارف مختلف اداروں کے طرف سے انٹرنیٹ پر موجود ہیں وہاں ایک سائٹ اس نام سے بھی ہے عربی زبان میں۔

اس کا نام عربی میں ''موقع امّ البنین علیہا السلام'' ہے۔

اور انگریزی میں www.banin.org ہے۔

یہ کاوش ''قطر'' میں آباد مومنین کی ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔

یہ کاوش خود اہل ایمان کے دلوں میں مادر ابوالفضل علیہا السلام کے لئے جو عقیدت ہے اس پر شاہد ہے۔

باب ۲۳

زیارت اُمّ البنینؑ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ
اللّٰه اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيرَالْمُؤْمِنِين
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ
سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَى
الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ

اَهْلِ الْجَنَّةِ اَلسَّلَامُ عِلیكِ یا زَوْجَةَ
وصِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ اَلسّلَامُ عَلیْكِ یَا
عَزیْزَةَ الزَّهْرَاَء اَلسّلامُ عَلَیْكِ یَا اُمَّ
الْبَدُوْرِ السَّوَاطِعُ فَاطِمَةَ بِنْتِ
حِزَامِ الْكَلَابِیَةَ اَلْمَلقَبّةِ بِاُمَّ البنین
وَبَابَ الْحَوائِج اَشْهَدُ اللّٰه
وَرَسُوْلَهُ اَنّكِ جَاهَدتِ فِي سبیلِ
اللّٰهِ اِذْ ضَحَیْتِ بِاَوْلَادِكِ دُوْنَ
الْحُسینْ بن بِنْتِ رَسُوْل اللّٰه
وَعَبَدْتِ اللّٰهَ مُخْلَصَةً لَهُ الدَّینَ
بِولائِكِ لِلائِمّةَ الْمَعْصُوْمِیْنَ
وَصَبَرْتِ عَلٰی تِلْكَ الرَّزیّةِ العُظیمةَ

وَاحْتَسَبْتِ ذَالِكَ عِنْدَاللّٰهِ ربّ
الْعَالِمِينَ وَآزَرْتِ الِامَامَ عَلْيّاً فِيْ
الْمَحَنِ والشَّدائِدِ وَالمَصائبُ
وكُنْتِ فِي قِمَّةَ الطَّاعةِ وَالْوَفاِء
وَانّكِ اَحسَنُتِ الْكِفَالَةِ وِاَدَيْتِ
الْامَانَة اِلْكُبَرىٰ فى حِفظِ ودِيعتِى
الزَّهراءَ البتُولِ (الحسن
والحسين) وَبَالَغْتِ وَآثَرْتِ
وَرَعَيْتِ حُجَجَ اللّٰهِ الَمياَمِيْنَ
وَرَغبُت فِى صِلةِ اَبْنَاءِ رَسُوْلُ رَبّ
الْعَالَمِيْن عَارفَةً بِحَقّهِمِ مؤمِنَةِ
بِصِدْقِهِمْ مُشْفَقَةً عَلَيْهِمْ مؤثَرَةً

هَـوَاهُـمْ وَحُبُهِّـمْ عَـلٰـی اوْلَادِكَ
السُّــعُـدَاءِ فَسَلَامُ اَلـلّٰــه عَـلَيْكِ يَـا
سَيِّدَتِیْ يَا اُمَّ اَلْبَنِينَ مادجَیَ اللیلِ
وَغسَـقَ وَاَضَـاءَ الَــنَّهـاَرِ وَاشَـرْقَ
وَسَـقَـاكِ الـلّٰـهُ مِن رُحَيقِ مَخْتُوْمٍ
يَـوْمَ لا يَـنْفَعُ مَالٌ وبَنونٌ فَـصَرَتً
قُدْوَةَ لِـلمُؤمِناتِ الصّالِحاتِ لانّكِ
كَـرِيْمَةُ الخَلَائِقِ عَالِمَةً مُعلمَّةً تَقِيَّةً
زَكِيَّةً فَـرَضِـیَ الـلّٰهُ عَنكِ وَاَرْضَاكِ
ولَـقَـدْ اعـطَـاكِ الـلّٰهُ مِنَ الكُرامَاتَ
الْبٰاهِرٰاتِ حَتّٰی اَصْبَحْتِ بِطاعَتِكِ
لـلّٰــه۔وَلِـوَصـیِّ الْاَوْصِيـاءَ وَحُبُّكِ

لِسَیِّدَۃَ النِّسَاءِ "اَلزَہْرَاءَ" وَفِدائِكِ
اَوْلادِكِ الاَرْبَعَة لِسَیِّدِ الشُّھَدَاءِ بَاباً
لِلْحَوَائِجِ فَاشْفَعِی لِی عِنْدَاللّٰہِ
شَاناً وَجَاھاً مَحْمُوداً وَالسَّلَامُ
عَلٰی اَوْلَادِكِ الشُّھَدَاءِ العَبَّاسِ قَمَرُ
بَنِی ھَاشِم وَبابِ الْحَوائِجِ
وعَبْدَاللّٰہ وَ عِمْرَانِ وَ جَعفرِ الَّذِینَ
اسْتَشْھَدُوا فِیْ نُصْرَۃِ الْحُسَینْ
بِکَرْبَلَاءِ وَالسَّلَامُ عَلٰی ابْنَتِكِ
الْدُّرَّۃِ الزّاھِرَۃِ الطّاھِرَۃِ الرَّضِیّۃِ
خَدِیْجَۃَ فَجَزاكِ وَاَجزاَھُمُ اللّٰہُ
"جَنَّاتٍ تَجْرِیِ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ

خَالِدِیْنَ فِیْهَا" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّآلِ مُحَمَّدٍ"۔

ترجمہ:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی سزاوار عبادت نہیں ہے بجز اللہ کے جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

آپ پر سلام ہو اے اللہ کے رسولؐ۔ آپ پر سلام ہو اے امیرالمومنین (علیہ السلام) آپ پر سلام ہو اے خواتین عالم کی سیدہ و سردار فاطمۃ الزھراؑ۔

سلام ہو امام حسنؑ و امام حسینؑ پر کہ وہ جوانان جنت کے سردار ہیں سلام ہو آپ پر اے وصی رسولؐ کی زوجۂ گرامی سلام ہو آپ پر کہ آپ عزیز ہیں دختر رسولؐ معصومہ کونین کی سلام ہو آپ پر فاطمہؑ بنت حزام کلابیہ کہ آپ کے لیے زیبا ہے اُمّ البنینؑ اور مادر باب الحوائج ہونا کہ آپ

کے فرزند ماہ کامل و درخشندہ ہیں۔

اللہ اور اس کا رسولؐ گواہ ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کی قربانی کے ذریعے راہ خدا میں کاوش اور گرانقدر جدوجہد کی اور آپؑ نے بصد اخلاص خدا کے متعین کردہ طریق پر اس کی عبادت کی۔ آئمہ معصومین کی محبت کے ساتھ اور ہولناک اور دل ہلا دینے والی آزمائش کی گھڑی اور اُس عظیم ابتلا میں اپنے پروردگار کے حضور ماجور ہوئیں اور آپ نے امام عالی کی غمخواری کی مصیبت اور رنج ومحن کی شدّتوں میں اور آپ اطاعت ووفا کی بلندی پر رہیں خوب کفالت کی آپ نے (ان کی جنھیں امام وقت پر قربان کیا) اور فاطمہ زہراؑ کی ودیعت کردہ اور سپرد کردہ امانت کبریٰ کی بہترین حفاظت کی۔ آپ نے اللہ کی پناہ دینے والی حجتوں کو پالیا۔ ان کی حفاظت کی اور ان کی رعایت کی اور انہیں ترجیح دی اور مائل ہوگئیں پروردگار عالم کے رسولؐ کے بیٹوں کی ولایت میں۔ اس عالم میں کہ آپ ان کے حق کو پہچانتی تھیں اور اپنے ایمان سے اس کی تصدیق کرنے والی تھیں اور آپ ان پر شفیق تھیں

اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز تھیں اور اپنی سعادت منداولاد پران کی محبت کوترجیح دیتی تھیں۔

پس آپ پرسلام ہواللہ کا اے ہماری سیدہ اے اُمّ البنینؑ جب تک کہ رات چھائے اوردن اپنی روشنی پھیلائے اور اللہ آپ کو مہر بہ لب کاسۂ خنک سے کوثر کے سیراب کرے۔اس روز کہ جب نہ مال نفع بخش ہوگا نہ اولاد۔ بس آپ صالح مومنات کی سیّدہ و سردار ہوگئیں۔اس لیے کہ آپ کے اخلاق کریم ہیں اور عالمہ ہیں۔معلّمہ ہیں۔تقیہ ہیں،زکیہ ہیں۔

تو اللہ آپ سے راضی ہےاورآپ سے متعلق ہرامر سے اور اللہ نے روشن کرامتیں آپ کوعطا کیں یہاں تک کہ آپ نے طاعت الٰہی کے سجادہ پرصبح کی،اوراوصیاءخدا کی وصیت اورسیدہؑ عالم کی محبت اورمودّت میں آپ نے اپنے چارفرزند سیدالشہداءؑ پرقربان کئے کہ ان میں ایک حوائج کا دروازہ بھی ہیں پس میری شفاعت کیجئے حضور الٰہی میں کہ آپ کی عظمت و جاہ اور مرتبہ بلند ہےاور خدا کی طرف سے پسندیدہ ہے۔

سلام ہو آپ کے فرزندان گرامی پر کہ وہ شہید ہیں۔ یعنی عباسؑ قمر بنی ہاشم باب الحوائج اور عبداللہؑ و عمرانؑ و جعفرؑ پر کہ ان سب نے زمین کربلا پر نصرت حسینؑ میں اپنی جان نچھاور کی اور سلام ہو آپ کی دختر پر کہ جو دُرِ مکنون صدف طہارت ہے اور رضیہ ہیں اور نام ان کا خدیجہؑ ہے اللہ جزا دے آپ کو اور ان سب کو ایسی جنتیں کہ جن میں نہریں جاری ہیں اور اس میں رہنے والے ہمیشہ رہیں گے۔

درود و رحمت نازل کر پروردگار محمدؐ و آل محمدؐ پر

مآخذ

۱۔ اُمّ البنینؑ رائدۃ الجہاد فی الاسلام

الشیخ نعمۃ ھادی الساعدی... ۱۴۲۴ھ...ایران

۲۔ اُمّ البنینؑ سیّدۃُ نساءِ العرب

سیّد مھدی الیسوبح الخطیب... ۱۳۷۷ھ...قم۔ایران

۳۔ العباس بن علیؑ من الولادۃ إلی الشھادۃ

احمد علی دخیل.... ۱۴۲۴ھ.... بیروت۔لبنان

۴۔ اُمّھات المعصومینؑ

آیت اللہ السیّد محمد الحسینی الشیرازی...۱۴۲۵ھ...بیروت۔لبنان

۵۔ أعجب القصص فی کرامات العباسؑ

السیّد محمد حسن صادق آلِ طمعۃ... ۱۴۲۶ھ... بیروت۔لبنان

۶۔ الخصائص العباسیہ

آیت اللہ الحاج محمد ابراھیم الکلباسی..۱۴۲۵ھ..بیروت۔لبنان

۷۔ اُمّ البنینؑ۔اُمّ ابی الفضل العباسؑ بن علیؑ

حیدر المراجانی.....۱۹۹۰ء....نجف

۸۔ اشقیائے فرات

سیّد فیض الحسن موسوی ابنالوی ۱۹۷۷ء دبستانِ انیس۔راولپنڈی

۹۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ

(تالیف) علاّمہ شیخ محمد بن طاہر (ترجمہ) تصدق حسین کنتوری مکتبۃ العلوم۔ کراچی

۱۰۔ العبد الصالح

مولانا سیّد آغا مہدی......خدام عزا۔ کراچی

۱۱۔ ذکر العباسؑ

مولانا سیّد نجم الحسن..... ۱۹۵۶ء.....لاہور

۱۲۔ صحیفۂ وفا۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ

علاّمہ عبدالرزّاق المقرم/ترجمہ: سیّد حسین مہدی ۱۹۹۸ء انصاریان۔ قم ایران

۱۳۔ قمر بنی ہاشمؑ

علاّمہ ذیشان حیدر جوادی..... ۱۹۸۰ء...مذہبی دنیا۔ الہ آباد (انڈیا)

۱۴۔ نسب بنی ہاشم

جمیل ابراہیم حبیب.....۱۹۸۷ء.....بغداد

۱۵۔ مائتین فی مقتل الحسینؑ

علاّمہ سیّد غلام حسنین کنتوری....مطبع الانوار لکھنؤ

میر خلیقؔ

عباسؑ کی مادر نے بچھائی صفِ ماتم

ہجرِ شہِ والا میں سدا روتی تھی صغراؑ ۔ منھ آنسوؤں سے شام و سحر دھوتی تھی صغراؑ
بے چین تھی بے خواب تھی جی کھوتی تھی صغراؑ ۔ دن رات میں دم بھر نہ ذرا سوتی تھی صغراؑ
چلّاتی تھی دیدار دکھاؤ علی اکبرؑ
مرتی ہوں اب آنا ہے تو آؤ علی اکبرؑ

۱

لے جاؤ مجھے آن کے مرجاؤں گی بھائی ۔ بے وصل پدر جی سے گذر جاؤں گی بھائی
لے جانے کی ٹھہری تو ٹھہر جاؤں گی بھائی ۔ ورنہ میں سفر خلق سے کر جاؤں گی بھائی
یارا مجھے اب صبر و تحمّل کا نہیں ہے
جلد آؤ کہ یہ وقت تغافل کا نہیں ہے

۲

بھیّا نظر آتا نہیں جینے کا قرینہ ۔ فرقت کی حرارت سے جلا جاتا ہے سینہ
گذرا مجھے دن گنتے محرّم کا مہینا ۔ ویران ہے آباد کرو آ کے مدینہ
ہمراہ بنے تو شہِ والا کو بھی لاؤ
امّاں کو بھی لاؤ مرے بابا کو بھی لاؤ

۳

غم کھایا ہے اتنا کہ بہن جینے سے ہے سیر
دیر آنے میں گر ان کے ہو تو تم نہ کرو دیر
۴
آہوں کے دھویں سے ہے جہاں آنکھوں میں اندھیر
ہے سر پہ جدائی میری کھینچے ہوئے شمشیر

تنہائی کا جینا مجھے اب جبر ہے بھائی
معلوم یہ ہوتا ہے کہ گھر قبر ہے بھائی

ہر چیز ہے یادِ لبِ شیریں کے سوا تلخ
فرقت میں ہے بیمار کو جینے کا مزا تلخ
۵
ان روزوں میری زیست بسر ہوتی ہے کیا تلخ
غم کھانے سے منھ تلخ دوا تلخ غذا تلخ

نیند آنکھوں میں اب تو کوئی پل بھی نہیں آتی
تم کیا نہیں آتے کہ اجل بھی نہیں آتی

دُوری سے ہے بیمار بہن گور کنارے
اے بھائی بُرے وقت میں کام آؤ ہمارے
۶
تم ماں کے بھی ہو لاڈلے بابا کے بھی پیارے
جیتی ہوں فقط آپ کے وعدے کے سہارے

ہمراہ سفر میں ہیں سبھی ، پر نہیں صغراؑ
امّاں کی کنیزوں کے برابر نہیں صغراؑ

اب آئیں گے لینے ہمیں بھیا علی اکبرؑ
ہمجولیوں سے اپنی کہا کرتی ہوں اکثر
۷
لے جائیں گے بھیّا ہمیں محمل میں چڑھا کر
واں جائیں گے ہم بھی ہے جہاں بابا کا لشکر

جی جائیں گے جب اپنے مسیحا سے ملیں گے
بھیّا کی بدولت شہِ والا سے ملیں گے

جو آتی ہے آنکھ اُس سے چرا جاتی ہوں بھائی
اب دیر جو ہوتی ہے تو شرماتی ہوں بھائی
۸
مایوسی سے اشک آنکھوں میں بھر لاتی ہوں بھائی
ہر بات میں سر زانو پہ نیہوڑاتی ہوں بھائی

کچھ آپ کے آنے کی نہ صورت ہوئی افسوس
ہمجولیوں سے مجھ کو خجالت ہوئی افسوس

اب بھی اگر آؤ مجھے لینے تو ہے بہتر ۹ رہ جائے مری بات بہن صدقہ ہو تم پر
ورنہ میں دو چار ان سے نہیں ہونے کی اکبرؑ ہمجولیاں اک روز کہیں گی یہ مقرّر

سب پیارے ہیں تم باپ کی پیاری نہیں صغرؑا
اکبرؑ کو بھی کچھ چاہ تمھاری نہیں صغرؑا

جس دن مجھے یہ لڑکیوں نے بات سنائی ۱۰ سن لیجو کہ مرجاؤں گی اس روز میں بھائی
کٹتے ہیں تڑپتے مجھے ایّامِ جدائی آپ آئے نہ اور آہ ہماری اجل آئی

امید یہی ہے کہ اب آتے ہو سفر سے
تا شام کھڑی رہتی ہوں چوکھٹ پہ سحر سے

بستر پہ بھی آنکھیں سوئے در رہتی ہیں ہر آن ۱۱ جس راہ سے آؤ گے میں اس راہ کے قربان
ڈر ہے کہ نہ گھبرا کے نکل جائے مری جان پھر قبر میں لے جائیں ملاقات کا ارمان

دیکھو گے مجھے آن کے جب جانو گے بھائی
یہ زار ہوئی ہوں کہ نہ پہچانو گے بھائی

بے چین ہوں میں چین سے ہے سارا زمانا ۱۲ آہیں کبھی بھرنا ہے کبھی اشک بہانا
تبرید ہے موقوف ہوئی چھٹ گیا کھانا ہم جی سے چلے اور نہ تمھارا ہوا آنا

سب کہتے ہیں دنیا سے گذر جائے گی صغرؑا
تم کو نہ خیال آیا کہ مر جائے گی صغرؑا

اماں یہ نہ سمجھیں کہ کسے چھوڑا ہے گھر میں ۱۳ بابا کو بھی اللہ یہ غفلت ہے سفر میں
وہ بھولے ہیں اور مرتے ہیں ہم یادِ پدر میں نشتر سی کھٹکتی ہے ہر اک سانس جگر میں

جو عارضے میں چھوڑ کے جاتا ہے کسی کو
حیران ہوں کس طرح قرار آتا ہے جی کو

ایسا مجھے بھولے کہ کسی نے نہ کیا یاد ۔ بے بس ہوں پہنچتی نہیں تم تک مری فریاد
۱۴
جو ہم پہ بنی خیر خدا سب کو رکھے شاد ۔ پر حیف یہ بیمار بہن ہوگئی برباد

اب زیست کا صغرؑا کے سہارا نہیں کوئی
کہنے کو تو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

مرتے ہوئے جی اُٹھتی ہوں تم اب بھی جو چاہو ۔ اقرار جو کچھ کر گئے ہو اُس کو نبا ہو
۱۵
تسکین تصور کی ملاقات سے کیا ہو ۔ تم دلبرِ فرزندِ شہِ عقدہ کشا ہو

اس خواہرِ دل خستہ پہ احساں کرو بھائی
آ کر مری مشکل کو اب آساں کرو بھائی

دادا نے تمھارے تو ہے مُردوں کو جِلایا ۔ صحت دی شفا کا کوئی طالب اگر آیا
۱۶
دُکھ درد میں فیض ان سے ہر اک شخص نے پایا ۔ پنجے سے اجل کے ہمیں تم نے نہ چھڑایا

جلد آن کے دیدار تو اے بھائی دکھا دو
تم بھی ہمیں اعجازِ مسیحائی دکھا دو

دن بھر تو بہن روتی ہے منہ پر لیے آنچل ۔ اور چار پہر رات یہ دل رہتا ہے بے کل
۱۷
باشندوں سے آبادی تھی گھر ہو گیا جنگل ۔ تنہائی میں رہتا ہے تصور یہی ہر پل

پردیسی پھریں گے میرا دل شاد بھی ہوگا؟
ویران یہ گھر پھر کبھی آباد بھی ہوگا؟

اس گھر میں بچھے گی کبھی پھر مسندِ شبیرؑ؟ ۔ پھر ماں سے ملائے گا کبھی مالکِ تقدیر؟
۱۸
کبراؑ کبھی پھر ہوئے گی صغرؑا سے بغل گیر؟ ۔ پھر کھیلے گی ساتھ آ کے سکینہؑ میری ہمشیر؟

کب ہاتھ مجھے دیکھ کے پھیلائیں گے اصغرؑ؟
گودی میں ہمک کر مری کب آئیں گے اصغرؑ؟

ہے ان دنوں حالت مری آگے سے بھی بدتر — دیکھوں مجھے پہچانتے ہیں یا نہیں اصغرؑ
۱۹
بہنا کی طرف سے تمھی بھیّا علی اکبرؑ — چھاتی سے لگایا کرو صدقے ہو یہ خواہر

جب کرتی ہوں یاد اشکوں سے منھ دھوتی ہوں بھائی
پہروں علی اصغرؑ کے لیے روتی ہوں بھائی

وہ بالوں میں بُو مشک کی وہ چاند سا ماتھا — وہ نرگسی آنکھیں وہ بھویں، گُل سا وہ چہرا
۲۰
غنچہ سا دہن کھول کے وہ دودھ کا پینا — یاد آتا ہے جس دم، دم اُلٹ جاتا ہے میرا

صدقے ہوں جوان بانہوں کو اور ہاتھوں کو پاؤں
چین آئے جوان تلووں کو آنکھوں سے لگاؤں

چھاتی پہ میں دھر دیتی تھی منھ پیار سے جس دم — ہنس دیتا تھا ہو جاتی تھی میں بھی خوش و خرّم
۲۱
گرمی کا ہے موسم یہی رہتا ہے مجھے غم — پردیس میں کیا جانیے کیا ہوئے گا عالم

امّاں بھی گئی ہیں مری روتی ہوئی گھر سے
گھٹ جائے کہیں دودھ نہ ایذائے سفر سے

پھر گود بھرے گھر میں وہ پردیس سے آئیں — کبرؑا بھی ہو اور ساتھ سکینہؑ کو بھی لائیں
۲۲
اصغرؑ کی کریں سال گرہ دودھ بڑھائیں — پر فاطمہؑ بیمار کو دل سے نہ بُھلائیں

طاقت غمِ دُوری کی نہیں رنج و تعب کی
حق سب کو رکھے شاد دعا گو ہوں میں سب کی

نانی نے سنی جس گھڑی صغرؑا کی یہ گفتار — گھبرا کے کہا خیر ہے اے فاطمہؑ بیمار
۲۳
اکبرؑ ہیں کہاں اور کہاں ہیںؑ شہِ ابرار — اس وقت ہے تو کس سے مخاطب مری دلدار

انساں دلِ مضطر کو سنبھالے تو سنبھل جائے
تن سے انھیں باتوں میں کہیں دم نہ نکل جائے

کرتی ہے سخن جن سے وہ مٹتے ہیں سفر میں — پردیسیوں کو لائے خدا خیر سے گھر میں
۲۴
دِن رات کہاں رونے کی طاقت ہے جگر میں — بس صدقے گئی درد زیادہ نہ ہو سر میں

اوقات تو بے روئے گذرتی نہیں اک دم
باعث ہے یہی تپ جو اُترتی نہیں اک دم

کیوں روتی ہو دل کھیل میں بہلاؤ میں واری — آجاتی ہے اب بی بی کے بابا کی سواری
۲۵
آزار میں لازم نہیں یہ گریہ و زاری — پہنچانے گا کاہے کو کوئی شکل تمھاری

مینھ آنسوؤں کا آنکھوں سے برساتی ہو صغراؑ
پیتی ہو دوا کچھ نہ غذا کھاتی ہو صغراؑ

لو جو کہو تم آج وہ کھانا میں پکاؤں — پی لو یہ ٹھنڈائی تو خبر لینے کو جاؤں
۲۶
صغراؑ نے کہا کھانے کو کیا خاک میں کھاؤں — پی لوں یہ دوا ہاں جو خبر باپ کی پاؤں

کچھ دُکھ میں ہیں وہ لوگ مجھے عشق ہے جن سے
پانی تو اٹکتا ہے گلے میں کئی دن سے

بے وجہ نہیں یہ علی اکبرؑ کا نہ آنا — اب پانی کا ساغر نہ مرے سامنے لانا
۲۷
بابا سے مرے پھر گیا ہے سارا زمانا — دل کہتا ہے جب آگے مرے لاتی ہو کھانا

ہے ہے تجھے کیونکر یہ غذا بھاتی ہے صغراؑ
شبیرؑ تو فاقے سے ہیں تُو کھاتی ہے صغراؑ

نانی سے یہ صغراؑ ابھی کہتی تھی کہ یکبار — یوں مادرِ عباسؑ نے کی آن کے گفتار
۲۸
حاکم کے گھر آیا ہے کوئی پرچۂ اخبار — ہوتا ہے منادی کی یہ تقریر سے اظہار

خلقت کی طلب ہے کوئی گھر میں نہ رہے گا
سب جاتے ہیں قاصد وہ خبر سب سے کہے گا

۲۹
سرجب سے تو تکیہ پہ دھرے روتی تھی صغرا — یہ سنتے ہی رنگ اُڑ گیا اُمِّ سلمہ کا
حاکم کو خبر آئی یہاں کوئی نہ آیا — اُٹھ بیٹھی شتاب اور کہا ہے ہے میں کروں کیا
کیسی ہے خبر جی میرا گھبراتا ہے لوگو
سینے سے جگر منھ کو چلا آتا ہے لوگو

۳۰
ہر بات میں رو دینا تو عادت ہے تمھاری — عباسؑ کی مادر نے کہا خیر ہے واری
جو ہوئے گا میں جا کے خبر لاؤں گی ساری — پردیسیوں کے پیچھے مناسب نہیں زاری
زہراؑ کے کلیجہ کا تو پیوند ہے شبیرؑ
صدقے گئی میرا بھی تو فرزند ہے شبیرؑ

۳۱
پر دونوں قدم کانپتے تھے ضعف سے تھر تھر — فرما کے یہ اوڑھی سرِ پُرنور پہ چادر
عورات محلّہ بھی چلیں مضطر و ششدر — نکلیں جو ہیں ڈیوڑھی سے عصا ہاتھ میں لے کر
رستے میں یہ تھا ذکر کہ کچھ ہم کو خوشی ہو
یارب خبرِ خیریتِ سبطِ نبیؐ ہو

۳۲
تھی کشمکش اس طرح کی جو راہ نہ پائی — پہنچیں درِ حاکم پہ تو کثرت نظر آئی
عورت کوئی تب بڑھ کے سخن لب پہ یہ لائی — ٹھہری جو عصا ٹیک کے وہ غم کی ستائی
سُن لیں خبرِ سبطِ رسولِؐ دو جہاں کو
اے خلقِ خدا راہ دو عباسؑ کی ماں کو

۳۳
کیا دیکھتی ہیں جا کے اس انبوہ میں ناگاہ — سن کر یہ سخن جلد انھیں لوگوں نے دی راہ
اے خلقِ خدا حکم سے حاکم کے ہو آگاہ — منبر پہ بیاں کرتا ہے قاصد یہ بصد آہ
اخبار سنو فتح کا دل شاد ہو سب کا
بھجوایا ہے مُژدہ یہ ہمیں عیش و طرب کا

گھبرا کے یہ عباسؑ کی مادر نے پکارا ۔ اے قاصدِ غمگین ابھی خاموش خدارا
۳۴
جلد آنے کا واں مجھ میں نہیں ضعف سے یارا ۔ منبر تلک آلوں میں تو کہہ سانحہ سارا

صغراؑ غمِ فرقت سے چراغِ سحری ہے

کیا فاطمہؑ کے لال کی کچھ خوش خبری ہے

یہ کہتے ہوئے پاس جو پہنچی وہ دل افگار ۔ قاصد نے کہا کس کی خبر کی ہو طلبگار
۳۵
کیا ساتھ تھا حضرت کے تمھارا کوئی دلدار ۔ فرمایا بیاں کر خبرِ سیّدِ ابرار

ساتھ ان کے اگر ہیں مرے بیٹے بھی تو کیا ہیں

سو ایسے پسر لال پہ زہراؑ کے فدا ہیں

قاصد نے کہا رو کے سن اے بیکس و پُرغم ۔ تھی دوسری تاریخ کہ پہنچے شہِ عالم
۳۶
اترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکرِ اظلم ۔ آرام تھکے ماندوں نے پایا نہ کوئی دم

پنجم کو محرم کی اک آفت ہوئی برپا

تاریخ چھٹی تھی کہ قیامت ہوئی برپا

بس بند ہوا ساتویں تاریخ سے پانی ۔ دو روز رہی فاقہ کشی تشنہ دہانی
۳۷
دسویں کو صف آرا ہوئے سب ظلم کے بانی ۔ لڑنے کو چڑھا حیدرِؑ کرار کا جانی

مارے گئے پیاسے رفقا شاہِ زمن کے

ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے

عباسؑ کی ماں سن کے لگی کانپنے تھر تھر ۔ چلّائی کہ اس وقت چھری چل گئی دل پر
۳۸
مارا گیا افسوس جگر گوشۂ شبرؑ ۔ کیا ساتھ نہ تھا شاہ کے عباسِؑ دلاور

کیوں پہلے نہ لی رن کی رضا شاہِ زمن سے

شرمندہ کیا اس نے مجھے روحِ حسنؑ سے

سائے کی طرح ساتھ رہا کرتا تھا دن رات ۳۹ کیا راہ میں بھائی سے جدا ہو گیا ہیہات
کیا قہر کیا ایسی بھی کرتا ہے کوئی بات مارا گیا دامادِ شہنشاہِ خوش اوقات

میں صدقے ہوں اس پر جو نثارِ شہِ دیں ہے
بخشوں گی نہ دودھ اب وہ میرا کوئی نہیں ہے

اس نے کہا عباسؑ کی تُو کون ہے بتلا ۴۰ بولا کوئی عباسؑ کی مادر ہے یہ دُکھیا
رو کر کہا قاصد نے کہ حال اس کا کہوں کیا تھے اپنے علمدار کے عاشق شہِ والا

میداں کی رضا جب وہ طلب کرتا تھا آ کر
شبیرؑ اسے رو دیتے تھے چھاتی سے لگا کر

جب پیاس سے مرنے لگی شبیرؑ کی جائی ۴۱ تب رن کی رضا حضرتِ عباسؑ نے پائی
دریا پہ دلاور نے شجاعت یہ دکھائی سب فوج کو یاد آگئی حیدرؑ کی لڑائی

جب نہر پہ ہاتھ اس کے کٹے تیغِ دو دم سے
حضرت کی کمر ٹوٹ گئی بھائی کے غم سے

عباسؑ کی ماں نے کہا اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہ ۴۲ سو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ذی جاہ
اکبرؑ تو ہے صحت سے مرا چودھویں کا ماہ سر پیٹ کے تب قاصدِ پُرغم نے کہا آہ

پیاسے تھے بہت جانبِ کوثر گئے وہ بھی
چھاتی پہ سناں کھا کے جواں مر گئے وہ بھی

پھر تیر سے زخمی ہوا اک ننھا سا بچّہ ۴۳ لاشوں میں لِٹا کر اسے روئے شہِ والا
جب اس تنِ تنہا پہ ہوا فوج کا نرغا زخمی ہوا تیغوں سے تنِ پاک سراپا

غش کھا کے گرے خاک پہ جب خانۂ زیں سے
تب شمر نے سر کاٹ لیا خنجرِ کیں سے

یہ سنتے ہی قاصد سے ہوا شورِ قیامت ۴۴ عباسؑ کی مادر کی دگرگوں ہوئی حالت
قاصد سے کہا گرچہ نہیں سننے کی طاقت کچھ کہہ بخدا زینبؑ بیکس کی حقیقت
اتنا تو بتا جیتی ہے یا مر گئی زینبؑ
اس نے کہا کوفے کو کھلے سر گئی زینبؑ

یہ سُن کے چلی پیٹتی عباسؑ کی مادر ۴۵ ہمسائیاں بھی ساتھ تھیں سب کھولے ہوئے سر
دروازہ پہ صغرؑا تھی یہاں مضطر و ششدر رونے کا سنا شور تو چلّائی وہ بے پر
لُوٹا کسے کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
جلدی کہو کیا آئی خبر کیا ہوا لوگو

پاس آن کے عباسؑ کی مادر یہ پکاری ۴۶ سر پیٹو کہ بن باپ کے تم ہوگئیں واری
فردوس میں پہنچی تیرے بابا کی سواری زہرؑا کی جو دولت تھی وہ لُوٹی گئی ساری
سب قتل ہوئے ساتھ شہنشاہِ امم کے
سجادؑ فقط قید میں ہے پاس حرم کے

غش ہوگئی صغرؑا تو یہ سُن کر خبرِ غم ۴۷ گھر میں گئیں لے کر اسے سب بیبیاں باہم
عباسؑ کی مادر نے بچھائی صفِ ماتم منہ سب نے جو ڈھانکے تو ہوا حشر کا عالم
تھا شور خلیقؔ اس گھڑی یہ سینہ زنی کا
تھرّاتا تھا روضہ بھی رسولِؐ مدنی کا

میر انیسؔ

شمعِ ایوانِ امامت

اُمّ البنین علیہا السّلام

عباسؑ علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے ۔ تابندہ دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضرِ بیابانِ نجف ہے ۔ آئینۂ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے
طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اُس پہ فدا تھے وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

کیا دبدبہ کیا شان تھی کیا صولت وشوکت ۔ کیا حُسن تھا کیا خُلق تھا کیا چشمِ مرّوت
کیا حِلم تھا کیا رعب تھا کیا قوت وقدرت ۔ کیا رحم تھا کیا عدل تھا کیا بخشش وہمت
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہے گا
عالم میں علمدار کا مذکور رہے گا

اللہ رے نَسب واہ ری توقیر زہے جاہ ۔ دادا تو ابوطالبؑ غازی سا شہنشاہ
عم جعفر طیّارؑ ہژبرِ صفِ جنگاہ ۔ اور والد ماجد کو جو پوچھو اسد اللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابن علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

ہر چند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہرو ۴ لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن سے جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو تھی طبع میں ساری گل زہراؑ ہی کی خُو بُو
خُلق اس میں جوانمردیِ شاہِ نجف اس میں
تھے علمِ امامت کے سوا سب شرف اس میں

پیدائشِ عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر ۵ جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہؑ رہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباسؑ کی تقدیر ہم بسترِ حیدرؑ ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنّائے پسر میں

دعوائے کنیزی تھا اُسے بنتِ نبیؐ سے ۶ تھا اُنس بہت آلِ رسولؐ عربی سے
مطلب تھا نہ اپنی اسے راحت طلبی سے آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضّہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
سو جان سے فرزندوں پہ زہراؑ کے فدا تھی

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی یا شہِ صفدر ۷ دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتحِ خیبر الفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولؐ دوسرا تھے
صدقے کبھی اِس پر تھے کبھی اُس پہ فدا تھے

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر ۸ کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں جو گل فام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

شبیرؑ کا تھا نام مناجات میں داخل ۹ کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اس کو ثمر نخلِ دعا کا ہوا حاصل اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رَسا نے
عباسؑ علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

شبیرؑ کو عباسؑ کی مادر نے بلایا ۱۰ اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا نعلین اٹھائے گا تمہاری مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے
مالک ہو تمہیں اور تمہیں مختار ہو اس کے

چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ خوشخو ۱۱ یہ تقویتِ روح ہے اور قوتِ بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گلرُو
یہ شیر مددگاریٔ شبیرؑ کرے گا
اللہ اسے صاحبِ توقیر کرے گا

جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا ۱۲ ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا اب تم کو کروں گی میں نثارِ شہِ والا
حق الفتِ زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا
جو عہد کیا اُس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

خوش ہو کے یہ کی حضرت عباسؑ نے تقریر ۱۳ یہ عین تمنّا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیرؑ
حاضر ہوں کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر لازم نہیں امّاں عملِ خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا
پر خلق میں ہووے گا بڑا نام تمہارا

مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی — لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پنہائی
پکڑے ہوئے ہاتھ آگئے یداللہ کے لائی — کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی ۱۴

تھا دَین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پر
آپ اس کو فدا کیجئے زہرؑا کے پسر پر

کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا — شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباسؑ! بتادے مجھے مرضی ہے تری کیا — وہ اہلِ وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا ۱۵

میں عاشقِ فرزندِ رسولؐ دوسرا ہوں
سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

رو کر اسداللہ نے دیکھا رُخِ شبیرؑ — جنگاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آ گیا حالت ہوئی تغییر — یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر ۱۶

طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمے سے غش آجائے علیؑ کو

عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار — چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار — صدقے ترے اے دلبرِ زہرؑا کے مددگار ۱۷

ماتم ترا ہر تعزیہ خانے میں رہے گا
شُہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا

روتے ہیں ملائک یہ عزاخانہ ہے کس کا — جنّت سے علیؑ آئے یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر شمع کو رقّت ہے یہ افسانہ ہے کس کا — گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا ۱۸

اُٹھتے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں
کس شیر کے بازو تہ شمشیر کٹے ہیں

۱۹
یہ لشکرِ غم ہے کہ عزاداروں کی صف ہے　　گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے
کون اُٹھ گیا کیوں رونے کا غل چار طرف ہے　　ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے
پُرسے کو علم دار کے آئے ہیں گھروں سے

۲۰
بن کر ہمہ تن گوش سنو وصفِ علمدار　　دے سب کو خدا دیدۂ حق بیں دلِ بیدار
ہیں بلبلِ گلزار سخن اور بھی دو چار　　انصاف کریں ہر گلِ مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں
بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں

۲۱
خورشیدِ منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ　　مصباحِ شبستانِ سرِ طور ہے عباسؑ
سقائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ　　حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ
لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے
ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے

۲۲
کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا　　لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہنچا
ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہے شُہرا　　ہر لب پہ یہ ہے ذکر کہ یکتا ہے وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں
جو اہلِ وفا ہے اسے روے گا جہاں میں

۲۳
کیا دھاک ہے کیا رعب ہے کیا عزّت و توقیر　　ہے فتح طلب ان سے ہر اک صاحبِ شمشیر
معشوقِ شہ عقدہ کشا عاشقِ شبیرؑ　　صورت میں سراپا اسداللہ کی تصویر
حملہ ہے وہی شان وہی حرب وہی ہے
پنجہ ہے وہی زور وہی ضرب وہی ہے

دنیا میں ہما نے یہ سعادت نہیں پائی ۲۴ فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی
حمزہؑ نے یہ ہمت یہ شجاعت نہیں پائی جعفرؑ نے یہ توقیر یہ شوکت نہیں پائی
سقائے حرم ہیں خلفِ شاہِؑ نجف ہیں
واں ایک بزرگی ہے تو یاں لاکھ شرف ہیں

دو ہاتھ جو قربان کئے حصّے میں آئی ۲۵ دیں پروری و داد رسی عُقدہ کشائی
کوثر تو ہے قبضے میں تصرف میں ترائی ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
بے دست ہیں لیکن سپرِ پیر و جواں ہیں
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیف زماں ہیں

تھرّاتا ہے خورشید جلال و حشم ایسا ۲۶ لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا جھک جاتی ہے شاخِ سر طوبیٰ علم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
دامن درِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

کیا فیض ہے کیا اسمِ مبارک میں اثر ہے ۲۷ ہنگامِ مَرض تقویتِ قلب و جگر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہے بازو پہ جو باندھے تو سرِ دست ظفر ہے
کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں بلا میں
آفت میں سپر ہے تو سرو ہی ہے وغا میں

شمشیرِ وغا فارسِ میدانِ تہوّر ۲۸ جرّار، وفادار، اولوالعزم، بہادر
تشبیہ میں عاجز نہ ہو کس طرح تصوّر ہے عالمِ بالا پہ ملائک کو تحیّر
جب کھینچ چکا شکلِ علمدارؑ علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

لکھے کوئی کیا اُلفتِ سردار و علمدار ۳۰ دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار قُمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
اِک آن فراق اِن میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دل سوز نہیں ہے

فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا ۳۱ معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا تھی عینِ تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانند قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام ۳۲ تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالعِ بیدار ہمارے

فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر ۳۳ عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیر خدا کی

ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شاں ۳۴ طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احساں
عباسؑ دلاور پہ تصدق ہے مری جاں منظور ہے یہ روز حسینؑ اس پہ ہو قرباں
اس کو بھی تو بچپن سے مرا عشقِ دلی ہے
صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

وہ کہتی تھی اے احمدِ مختار کے پیارے   ۳۵   خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے   فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منھ اس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری   ۳۶   ہے اس کو نہ اولاد نہ جان آپ سے پیاری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری   فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشق دلی اُس کو شہِ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے صلِّ علیٰ نام زباں سے

اک روز کہا میں نے کہا عباسِؑ وفادار   ۳۷   تم ان کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار   جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدرِ کرارؑ
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد ان کے کیا ہے
کچھ خطِّ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی   ۳۸   تھرّا کے کہا بات یہ کیا منھ سے نکالی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہِ عالی؟   میں بندۂ ناچیز وہ کونین کے والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرّہ کبھی خورشید کے ہمسر نہیں ہوتا

نسبت مجھے کیا ان سے کہاں نور کہاں خاک   ۳۹   میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سیّدِ لولاک؟   میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک؟
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں؟
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں؟

زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہوتو کہہ دو ۴۰ کاندھے پہ محمدؐ نے بٹھایا ہوتو کہہ دو
جبریل نے جھولے میں جھلایا ہوتو کہہ دو اِن رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہوتو کہہ دو
وہ فخرِ دو عالم ہے امامِ دو جہاں ہے
اسرارِ لدُنّی مرے سینے میں کہاں ہے

اِک مُور ہو کس طرح سلیماں کے برابر ۴۱ رُتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر کیوں کر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

خوش ہوں جو غلامِ علی اکبرؑ مجھے سمجھیں ۴۲ میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
وہ خادمِ اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبر مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے
شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے

یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ ۴۳ بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مر جائے گا عباسؑ

کیا بھول گئیں واقعۂ رحلتِ حیدرؑ ۴۴ تھا آپ کے زانو پہ سرِ فاتحِ خیبر
اِس پہلو میں شبیرؑ تھے اُس پہلو میں شبرؑ زینبؑ بسرِ خاک تڑپتی تھیں کھلے سر
صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
لپٹا ہوا قدموں سے بُکا کرتا تھا میں بھی

پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار ۴۵ اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا یک بار
فرمایا حسنؑ ہے مرے نو بیٹوں کا مختار عباسؑ رہا اک تو حسینؑ اس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری ۴۶ اُس کو تو یہ غصّہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق تجھ سے غلامی کا ادا ہو
تُو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

فرمانے لگے اشک بہا کر شہہِ ابرار ۴۷ ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباسؑ مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار رکھتا ہے حسینؑ اک یہی مادر یہی غم خوار
امّاں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ساتھ ہیں میرے

مدّاحی عباسؑ بشر کا نہیں مقدور ۴۸ اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
ظاہر ہوئی گردُوں پہ جو صبح شبِ عاشور میداں میں صف آرا ہوا سب لشکرِ مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے اِمام ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا ۴۹ راحت میں علمدارِ جری کی خلل آیا
اک شیر سا جھنجھلا کے پرے سے نکل آیا تلواریں کھنچیں واں ادھر ابرو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی　اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدا نے بجھائی　تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی　۵۰
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بیبیاں رنڈسالہ پنہاتی تھیں دلہن کو

روتے تھے بھتیجے کے لیے سیّدِ ابرار　تر تھے عرقِ شرم سے عباسِؑ علم دار
رو کر علیؑ اکبر سے یہی کہتے تھے ہر بار　جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے تلوار　۵۱
انصاف کرو منہ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مرجانے کی جا ہے

کی زوجۂ مسلمؑ نے فدا اپنی کمائی　بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
سب بیبیوں نے دولتِ اولاد لٹائی　قاسمؑ تھے سو ماں ان کی انہیں نذر کو لائی　۵۲
ہم کس سے کہیں چپ کے کھڑے روتے ہیں صف میں
امّاں تو مدینے میں ہیں بابا ہیں نجف میں

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا　ہم شکلِ پیمبرؐ کو اشارے سے بلایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا　ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا　۵۳
کام آتا ہے رَن میں تو خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منہ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال　اس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال　دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال　۵۴
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائیں گے عباسؑ
منہ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائیں گے عباسؑ

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
۵۵
منظور تھا ضائع نہ ہو بابا کی کمائی کچھ ان کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیے داغِ جگر بھائی کا غم ہے
دھیان اپنا ہے ان کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

وہ چاہتے ہیں جوہرِ شمشیر دکھائیں آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
۵۶
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اُٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اُٹھے گا

رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں دم بھرتے ہیں الفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
۵۷
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں ہم ان پہ تصدّق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اور تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

اکبرؑ نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری ہے بعد مرے رخصتِ عباسؑ کی باری
۵۸
شہ بولے ابھی چپ رہو خاطر سے ہماری کس کس کی جدائی میں کریں گریہ وزاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار و حزیں کو

دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل سو وار ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
۵۹
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا
ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہوگا

مختار تمہاری تو ہے بس زینبؑ دلگیر ۶۰ لازم ہے تمہیں پالنے والی سے یہ تقریر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر جو روٹھے ہیں ان کو تو منا لے ابھی شبیرؑ
اولاد کا ہے دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرورؑ ۶۱ بے چین ہوئے دیکھ کے عباسِؑ دلاور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ حضرت کے پسِ پشت کھڑے ہو گئے آ کر
سایہ کیا اُس فرق پہ دامانِ علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہِ امم کا

مڑ کر کہا اللہ مری جان کہاں تھے ۶۲ ہم دیر سے تصویر کی صورت نگراں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے کیوں تر گلِ رخسار ہیں کیا اشک رواں تھے
لاشے پہ تو روئے نہ تھے فرزندِ حسنؑ کے
ہاں خیمے میں پُرسے کو گئے آپ دلہن کے

ان روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیرؑ ۶۳ اللہ سے کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
چھاتی سے لپٹ جا مری اے صاحبِ شمشیر کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا

شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی ۶۴ اِن باتوں سے کچھ بُو خفگی کی مجھے آئی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی پیارے نہیں ہم تم کو یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو اُدھر سبطِ نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو کہ خفا ہو

لوآؤمیں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک　　زلفوں پہ کدھر جا کے جما لائے ہو یہ خاک
۶۵
قربان تمہارے پسرِ سیّدِ لولاک　　مجھ درد رسیدہ کو عبث کرتے ہو غم ناک

سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
مرجاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے

میں نے کبھی ناخوش تمہیں رکھا ہو تو کہہ دو　　کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہنچا ہو تو کہہ دو
۶۶
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہہ دو　　اکبرؑ سے کبھی کم تمہیں سمجھا ہو تو کہہ دو

بھائی نہیں جانا یہی جانا کہ پسر ہو
تم تو مری آنکھیں ہو مرا دل ہو جگر ہو

انصاف کرو تم سے کیا کس کو سوا پیار　　مالک ہو مرے گھر کے مری جان کے مختار
۶۷
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلبگار　　میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علمدار

کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
بابا نہیں سر پر یہ خیال آنے نہ پائے

اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمہیں غم　　حیرت یہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
۶۸
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اس دم　　ہے فخرِ غلامی مجھے اے قبلۂ عالم

چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا　　ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا
۶۹
حضرت کے تصدق سے ہوئی شان دوبالا　　کیا رنج مجھے پہنچے گا اے سیّدِ والا

میں ہوں تو غلام، آپ شہِ جنّ و بشر ہیں
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں

۷۰

حضرت میں ہے سب احمدِؐ مختار کی خوبو   بتلایئے حُر کون تھا اے سیّدِ خوشخو
فرمایا بصد لطف جسے قوتِ بازو   سر اُس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو

رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

۷۱

کیا سن تھا مرا خُلق سے جب اُٹھ گئے حیدرؑ   میں آپ کے سائے میں پلا یا شہِ صفدر
ہوتا الم بے پدری پھر مجھے کیوں کر   تھا فضلِ الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر

سب رازِ خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں

۷۲

ادنیٰ تھا میں اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت   ہر شہر میں شہرہ ہوا حضرت کی بدولت
قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت   یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت

مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نے ماں کی یہ شفقت ہے نہ ہے باپ کی شفقت

۷۳

بُھولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج   پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج
کیا حال ہے پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج   دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے ادھر آج

بیزاری کا باعث تو بتا دیجیے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجیے آقا

۷۴

مارے گئے خویش و رفقا مجھ کو نہ پوچھا   مر جانے کی دی سب کو رضا مجھ کو نہ پوچھا
لڑ کے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا   قاسمؑ پہ چلی تیغِ جفا مجھ کو نہ پوچھا

کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصّہ مرا کیا جنسِ شہادت میں نہیں ہے

آرام سے سب سوتے ہیں اے سیّدِ والا ۷۵ جا گہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا
مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچا میداں سے ہوا پیش رَوِ قافلہ پسپا
جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
امّاں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی یقیں ہے

شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت ۷۶ انصاف ہے شرط اے پسرِ شاہ ولایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوت ہے تمہیں سے تو مرے قلب و جگر کو
تیغوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے سپر کو

پاتا میں زمانے میں کہاں گر تمہیں کھوتا ۷۷ چین آتا جو میں ساتھ تری قبر میں سوتا
سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا مر جاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھولے مری الفت کو بھی اللہ برادر
رخصت کے لیے رُوٹھ گئے واہ برادر

معلوم ہوا ، ہے تمہیں منظور جدائی ۷۸ میں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی
لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدّق ہوئے سلطانِ اُمم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہِ والا کے قدم پر

ناگاہ درِ خیمہ سے فضّہ یہ پکاری ۷۹ غش ہوگئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے میں واری عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولِؐ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیر خدا کی

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ پانی اُسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
۸۰
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانوئے دلگیر لِلّٰلہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر

پانی کے لیے ماں سے یہ منھ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
۸۱
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمۃ لِلّٰہ پانی کا اِدھر شور اُدھر ماتمِ نوشاہ

جھولے کے قریں غش میں سکینہؑ تو پڑی تھی
بچّے کو لیے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

مُردے کی طرح زرد ہوا تھا رُخِ روشن لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گُلِ سوسن
۸۲
چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سرد تھا سب تن لٹکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن

ماں روتی تھی چلّا کے تو رُک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہِ ابرار آوازِ پدر سُن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار
۸۳
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار

سُوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہووے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
۸۴
روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی

مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان　　اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
۸۵
ہاتھوں سے چلے تھے مرے تم آہ چچا جان　　رکھ دیجے مری مشک کو لِللہ چچا جان

گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

پہلے شہہِ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ　　پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
۸۶
کچھ دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ　　مانوں گی نہ میں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ

تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کھودوں تمہیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی　　بی بی کے پلانے کے لیے لاتے ہیں پانی
۸۷
رُکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی　　کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی

بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہوگئی یہ سن کے سکینہؑ جگر افگار　　عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
۸۸
بھائی کے گلے مِل کے جو روئے شہِ ابرار　　تھرّانے لگی زوجۂ عباسؑ علمدار

چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منھ چاند سا فق تھا

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار　　غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
۸۹
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار　　تکتی تھی کنکھیوں سے کبھی سوئے علمدار

بے تابئ دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کے بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

منھ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا　　شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا

۹۰

صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا　　دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا

ہے بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ

روتی ہو تو کبرؑا کی طرف دیکھ کے روؤ

بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ　　تسکین وہیں ہوئیگی اب رانڈوں میں جاؤ

۹۱

اللہ تو ہے، دھیان تباہی کا نہ لاؤ　　بچے ہیں بلکتے انہیں چھاتی سے لگاؤ

دنیا سے کئی داغِ جگر لے کے چلے ہیں

ہم اپنی نشانی یہ پسر دے کے چلے ہیں

چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا　　بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا

۹۲

یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا　　صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون ہمارا

سینوں میں جگر داغِ یتیمی سے جلیں گے

بچے مرے کم سِن ہیں یہ کس طرح پلیں گے

بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ابرار　　تم سے بھی نہ روکے گئے عباسؑ علمدار

۹۳

سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار　　حضرت ہی رضا دینے نہ دینے کے ہیں مختار

مالک مرے اور اُن کے شہِ عرش بریں ہیں

بانو کی میں لونڈی یہ غلامِ شہِ دیں ہیں

کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں یا شاہ　　کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصتِ جنگاہ

۹۴

ماں کو علیؑ اکبرؑ کی سہاگن رکھے اللہ　　میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انہیں چاہ

جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو

فخر اُس کا جو زہرؑا کی کمائی پہ فدا ہو

چاروں فرزند جو بی بی کے ہوئے تھے مقتول　　شدّتِ درد سے بے چین ہوا قلبِ ملول
معتبر راویوں سے ہے یہ روایت منقول　　بن گیا تھا یہی اس زوجِ علیؑ کا معمول

گھر کی ویران فضا دل کو جو تڑپاتی تھی
بین کرنے کو بقیعہ میں چلی جاتی تھی

کھینچتی خاک پہ فرزندوں کی تربت کے نشاں　　عالمِ درد میں تب کرتی یہ فریاد و فغاں
سارے لوگوں سے یہی کہتی ہوں میں نوحہ کناں　　جو مجھے کہتے تھے ماں اب وہ جگر بند کہاں

یاد بیٹوں کی دلائے وہ اشارا نہ کریں
مجھ کو اب بیٹوں کی ماں کہہ کے پکارا نہ کریں

پھر یہ قبروں کے نشانوں کو مٹا کر کہتی　　آج دنیا میں اگر ہوتیں جگر بندِ نبیؐ
پہلے جب ماتمِ شبیرؑ میں روتیں بی بی　　میں بھی پھر اپنے جگر بندوں کا ماتم کرتی

مرگِ عباسؑ پہ زیبا نہیں ماتم مجھ کو
چاہیئے سبط پیمبرؐ کا فقط غم مجھ کو

کیا عجب ہے یہ کسی قبر سے آئی ہو صدا　　اے مری مرتبہ داں واہ تیرا کیا کہنا
یوں ترے لال نے اونچا کیا معیار وفا　　زوجِ حیدرؑ ترے عباسؑ کی ماں ہے زہراؑ

یوں ہوا تیرا جگر بند فدائے شبیرؑ
تیرے عباسؑ کا ماتم ہے عزائے شبیرؑ

(گریۂ فرات۔ پروفیسر سردار نقوی)

شاہدنقوی:

حضرت اُمّ البنینؑ
کا سجدۂ شکرانہ

یہ تھیں وہ مائیں جن پہ تھا زہراؑ کو اعتماد　　جن کی وفا کو دی نگہِ کبریا نے داد
جاری تھا ہر محاذ پہ ان ماؤں کا جہاد　　تازہ ہوئی مدینے میں بھی کربلا کی یاد

جب ذکرِ درد ہوتا تھا اُمّ البنینؑ سے
اُٹھتی تھی آنچ شہر نبیؐ کی زمین سے

سجاد سے وہ مادرِ عباسؑ کا سوال　　کیسا لڑا حسینؑ کی خاطر علیؑ کا لال
عابدؑ کا سر جھکا کے یہ کہنا بصد ملال　　کیا پوچھتی ہیں آپ اسیرِ وفا کا حال

اذنِ وغا ملا ہی کہاں اِس دلیر کو
زنجیر سے حسینؑ نے جکڑا تھا شیر کو

فطرت کا رخ امام نے تبدیل کردیا　　شعلے کو ضبطِ درد سے شبنم بنا دیا
لیکن علیؑ کا لال بہر حال شیر تھا　　اس قید میں بھی سارے نیستاں پہ چھا گیا

ایسا دلیر کون ہے ساری خدائی میں
مر کر بھی شیر گونج رہا ہے ترائی میں

اُمّ البنینؑ نے جو سنا قصۂ پسر   بے ساختہ جھکا دیا شکر خدا میں سر
آئیں کس اعتماد سے زہراؑ کی قبر پر   فرمایا شاہزادی سنی آپ نے خبر
کہتے ہیں سب ، غلام بڑا کام کر گیا
بی بی میں سرخرو ہوئی عباسؑ مرگیا

بی بی کیا غلام نے حقِ وفا ادا   شکرِ خدا مجھے مری محنت کا پھل ملا
کہہ دیجئے گا آپ سے پوچھیں جو مرتضیٰؑ   بیٹے نے کر دکھایا جو منشا تھا باپ کا
تاکید جس کی تھی وہ عمل عمر بھر رہا
جب تک جیا حسینؑ کا سینہ سپر رہا

جب تک رگوں میں خوں تھا وفا میں کمی نہ کی   بازو کبھی فدا کئے سر دے دیا کبھی
لیکن بشر تھا موت کی ساعت نہ ٹل سکی   تا عصر کر سکا نہ حفاظت حسینؑ کی
آقا کا سر کٹا تو نہ کام آسکا غلام
بی بی تو جانتی ہیں کہ زندہ نہ تھا غلام

ڈاکٹر ماجد رضا عابدی:

اُمّ البنینؑ

سرگروہِ لشکرِ سرورؑ کی ماں اُمّ البنینؑ
جس جگہ ہیں فاطمہ زہرؑا وہاں اُمّ البنینؑ

وہ علیؑ کی خواہشِ عقد اور عقیلؑ حق نگاہ
آپ پر ٹھہری نگاہِ حق نشاں اُم البنینؑ

خواب میں آکر یہ زہرؑا نے کہا تھا آپ سے
تم مرے عباسؑ بیٹے کی ہو ماں اُمّ البنینؑ

آکے گھر میں فاطمہ زہرؑا کے بچوں سے کہا
خادمہ بن کر اب آئی ہے یہاں اُمّ البنینؑ

بس یہ جذبہ دیکھ کر حیدرؑ نے بچوں سے کہا
آج سے تم سب پکارو ان کو ماں اُمّ البنینؑ

زینبؑ و کلثومؑ بھی اور شبرؑ و شبیرؑ بھی
بعدِ زہرؑا آپ کو کہتے تھے ماں اُم البنینؑ

آج بھی جاکر بقیعے میں یہ منظر دیکھ لو
ہے جہاں دہلیزِ زہرؑا ہیں وہاں اُم البنینؑ

اپنا بیٹا فاطمہؑ نے ان کے بیٹے کو کہا
ہیں شرف کے آسماں پر ضو فشاں اُم البنینؑ

اک درِ اُمّ البنینؑ ہے روضۂ عباسؑ میں
سنتی ہیں بیٹے سے پہلے عرضیاں اُمّ البنینؑ

حضرتِ عباسؑ کے سر پر ہے سایہ آپ کا
ہیں وفا کے آسماں کا سائباں اُم البنینؑ

کیسے ازواجِ نبیؐ سے اِن کو میں تشبیہ دوں
ہاں کہاں وہ خالی گودیں اور کہاں اُمّ البنینؑ

فاطمہؑ صغریٰ کے غم کو بانٹنا آساں نہ تھا
لے رہا تھا وقت کیسا امتحاں اُمّ البنینؑ

نظم پہنچے گی یہ ماجدؔ خدمتِ عباسؑ میں
تب یہ پہنچے گی وہاں پر ہیں جہاں اُمّ البنینؑ

ڈاکٹر ماجد رضا عابدی:

مادرِ عباسؑ پر ہم سب کا سلام

یہ بات ہے جولائی ۲۰۰۲ء کی علاّمہ ضمیر اختر نقوی صاحب اور ہم لوگ کربلا اور شام کی زیارتیں کرنے گئے تھے روضۂ حضرت عباسؑ پر بابِ اُمّ البنینؑ سلام اللہ علیھا کے سامنے میں، علاّمہ صاحب، ناصر رضا رضوی صاحب، حسین رضا اور عباس رضا بیٹھے تھے مغرب کا وقت تھا اور وہیں یہ بات ہورہی تھی کہ اس دروازے سے نیچے سیڑھیاں جاتی ہیں جو اصل قبرِ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام تک جاتی ہیں۔ گویا حاجتوں کے دروازے (باب الحوائج) تک رسائی کے لیے پہلے اُمّ البنین سلام اللہ علیھا کے دروازے (بابِ اُم البنینؑ) سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی مادرِ عباسؑ جس سے راضی ہیں اس سے حضرتِ عباسؑ بھی راضی ہونگے اور کیوں نہ ہو وہ بی بی جس کو بعدِ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیھا مادرِ حسنینؑ و زینبؑ و اُمّ کلثومؑ کا شرف ملا ہو اور خود فرزندانِ رسولؐ جس بی بی کو ماں کہیں تو اُس بی بی کے مراتب کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا وہ علیحدہ بات ہے کہ بی بی اُمّ البنین سلام اللہ علیھا نے علیؑ کی چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی شاہزادوں سے مخاطب ہو کے کہا کہ میں ماں بن کر نہیں بلکہ خادمہ بن کر آئی ہوں اور حضرتِ عباسؑ کو یہ بات معلوم تھی کہ میری والدہ نے ہمیشہ خود کو کنیزِ سیّدہؑ سمجھا ہے تو ماں کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے چھوٹے حضرت نے بھی تا زیست اپنے کو حسینؑ کا غلام کہا۔ علاّمہ ضمیر اختر نقوی مدظلہٗ العالی پہلے ہی درگاہِ آلِ محمدؐ سے ملنے والے بلند مراتب پر فائز ہیں اور اب باب الحوائج کی والدہ کی سوانح لکھ کر ان مراتب میں نہ معلوم کتنا کثیر اضافہ ہوا ہے یہ باب الحوائج جانتے ہیں میں تو اتنا جانتا ہوں کہ علاّمہ صاحب کے ان مراتب اور فیوض و برکات سے یقیناً مجھے بھی کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوگا۔

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہؑ

پاکستان